
تیرے عشق نچایا
نگہت عبداللہ

# ترے عشق نچایا...... نگہت عبداللہ

معمول کے مطابق فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی وہ کمرے سے نکلی تو روزانہ کی طرح نم اجالے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے روزانہ کی طرح اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے اور وہ گلاس وال سے ادھر لان میں شبنم سے نہائے پھولوں کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ مسکرائی، پھر کچن میں آ گئی۔ بوا جائے نماز پر بیٹھی نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں۔ اس نے جلدی سے چائے بنائی ایک کپ بوا کے قریب رکھا اور دو کپ ٹرے میں رکھ کر جلال احمد اور ساجدہ بیگم کے کمرے میں لے آئی۔

''السلام علیکم!'' اس کی نظر پہلے ساجدہ بیگم پر پڑی تھی جو بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ اس نے چائے کا کپ ان کے قریب کارنر ٹیبل پر رکھا پھر پلٹ کر جلال احمد کو دیکھا جو اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔

''کوئی خاص خبر ہے تایا ابو؟'' اس نے چائے کی ٹرے ان کے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت خاص......'' جلال احمد اسے دیکھ کر مسکرائے تو وہ مشتاق ہوئی۔

''مجھے بھی بتائیں تایا ابو' کیا خاص خبر ہے؟''

''خاص خبر یہ ہے کہ آج ہماری نشاء کی برتھ ڈے ہے۔'' جلال احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بتایا تو اسے خوش سے زیادہ حیرانی ہوئی۔

''آپ کو یاد تھی' تایا ابو۔''

''نہیں بیٹا! ابھی مجھے تمہاری تائی امی نے بتایا ہے۔'' جلال احمد کی صاف گوئی نے اسے مزید حیران کیا تھا۔ اس نے ساجدہ بیگم کو دیکھا۔ ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ تھا۔

''تھینک یو تائی امی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور چاہتی تھی کہ ساجدہ بیگم کے گلے لگ کر ان سے دعائیں لے معاً فون کی بیل بجنے لگی۔

''میں دیکھتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی اور مسلسل بجتے ٹیلی فون کا تیزی سے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو...... ہیلو'' اس کی ہیلو کے جواب میں ادھر سے کوئی بولا ہی نہیں تو اس نے بے دلی سے ریسیور پٹخ دیا۔

''کس کا فون تھا؟'' عقب سے احسن کی آواز سن کر وہ فوراً ان کی طرف پلٹی تھی۔

''کس کا فون تھا؟'' احسن نے اپنا سوال دہرایا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر بولی۔

''پتا نہیں کوئی بولا ہی نہیں۔'' پھر احسن کی تیاری دیکھ کر پوچھنے لگی۔ ''آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہاسپٹل......'' احسن کی نظریں اپنی رسٹ واچ پر تھیں۔

''کیوں؟ میرا مطلب ہے آج تو سنڈے ہے۔'' اس نے جیسے یاد دلایا۔

''پھر......؟'' احسن نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

''پھر یہ کہ آپ کیوں جا رہے ہیں؟'' وہ قدرے سٹپٹائی۔

''ایمرجنسی کال آئی ہے۔ تم امی ابو کو بتا دینا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' احسن عجلت میں کہتے ہوئے آگے بڑھے تو وہ ان کے پیچھے لپکی۔

''احسن......''

''اب کیا ہے؟'' وہ رکے۔

''وہ...... آپ شاید کچھ بھول رہے ہیں۔'' وہ انہیں اپنی برتھ ڈے یاد دلانا چاہتی تھی۔

''کیا' کیا بھول رہا ہوں۔'' احسن نے انتہائی سنجیدگی سے اسے دیکھا تو وہ جھنجلا گئی۔

''مجھے نہیں پتا۔''

''اسٹوپڈ...... جاؤ اندر اور دیکھو میرے کمرے کی صفائی اچھی طرح کرنا۔'' وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔

''صفائی اچھی طرح کرنا' نوکر ہوں نا میں...... نہیں کروں گی' بوا کو بھی منع کردوں گی اور شانی کو بھی۔'' وہ مسلسل بڑبڑاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھنے لگی اور جب احسن کے کمرے میں داخل ہوئی تو خود پر غصہ آ گیا۔

''پاگل ہوں میں۔ انہیں میری پروا نہیں اور میں۔'' خود پر جھنجلانے کے ساتھ وہ پھیلاوا بھی سمیٹتی جا رہی تھی پھر ڈسٹنگ کرتے ہوئے اس کی نظر ٹیبل پر رکھے پیکٹ پر پڑی تو وہ وہیں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی۔ پیکٹ پر چسپاں گلابی رنگ کا کارڈ جس پر سنہری حروف میں لکھا تھا۔

''اپنی نشا کے لیے۔''

''احسن......''اس کی نظروں کے سامنے ان گنت دیئے روشن ہو گئے تھے۔ آپ ہی آپ مسکراتے ہوئے وہ پیکٹ پر سے ریپر اتارنے لگی تھی کہ دروازے سے جھانک کر محسن بولا۔

''ارے نشا، تم یہاں ہو، میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔'' وہ ایک دم کھڑی ہو کر یوں محسن کی طرف گھومی کہ پیکٹ اس کے پیچھے چھپ گیا۔

''کیا کر رہی ہو؟'' محسن اندر آ گیا۔

''کچھ نہیں، کمرہ ٹھیک کر رہی تھی۔ تم بتاؤ کیوں ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔'' اس کے پوچھنے پر جیسے محسن کو یاد آیا۔

''ہاں آج تمہاری برتھ ڈے ہے، ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' محسن کے پرجوش انداز پر وہ ایک پل کو مسکرائی لیکن اگلے پل اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''ارے یہ کیا......؟'' محسن فوراً اس کے قریب آیا۔

''سب کو میری برتھ ڈے یاد ہے، نہیں یاد تو ابو جی کو یاد نہیں اور انہیں تو شاید یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ دنیا میں کہیں میں بھی موجود ہوں۔'' اس کی آنکھ سے فقط ایک آنسو گرا تھا۔

''پاگل ہو تم، کوئی کسی کو نہیں بھولتا اور چچا جان تمہیں فون کرتے تو ہیں، گفٹ بھی بھیجتے ہیں، خوامخواہ شاکی مت ہوا کرو، پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک شخص کی وجہ سے تم باقی محبتوں سے منہ موڑ رہی ہو۔'' محسن نے ٹوکتے ہوئے کہا تو وہ فوراً احساس کر کے نادم ہوئی تھی۔

''نہیں تو میں کہاں منہ موڑ رہی ہوں۔''

''تو پھر چلو تمہاری برتھ ڈے مناتے ہیں۔'' محسن پھر پرجوش ہوا تھا۔

''نہیں......نہیں مونی، یہ سب نہیں، بس تم نے وش کر دیا میرے لیے یہی بہت ہے۔ وہ کہتے ہوئے کمرے سے جانے لگی تھی کہ محسن اس کے سامنے آ گیا۔

''کوئی بہت نہیں ہے، کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔ چلو ایسا کرتے ہیں۔'' محسن نے رک کر کھڑکی سے باہر نظریں دوڑائیں پھر اسے دیکھ کر بولا۔ ''موسم اچھا ہے چلو ریکٹ کھیلتے ہیں۔''

''کیا......؟'' وہ پہلے چیخی پھر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ ''تم......تم ریکٹ کھیلو گے۔''

''ہاں، میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔ تھوڑی سی ایکسرسائز پھر اچھا سا ناشتا۔'' محسن بچوں کی طرح خوش ہوا تھا لیکن وہ خائف ہو گئی۔

''نہیں مونی، ایکسرسائز چھوڑو میں تمہیں اچھا سا ناشتہ کرا دیتی ہوں۔''

''بالکل نہیں، پہلے ریکٹ......'' ضد بھی بچوں جیسی تھی۔ اس نے بہت منع کیا، سمجھانا چاہا لیکن وہ مانا ہی نہیں۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی لان میں لے آیا اور ریکٹ اٹھا کر ایک اس کے ہاتھ میں تھما دیا......وہ کشمکش و پیچ میں کھڑی تھی۔

''کم آن نشاء......'' محسن نے پکارتے ہی شٹل کاک اس کی طرف اچھالی تو پہلے ناچار پھر وہ بھی دلچسپی سے کھیلنے لگی تھی یوں کہ سارے خدشے ذہن سے نکل گئے تھے۔ وہ تو جب زوردار شارٹ کے بعد محسن ایک دم دہرا ہو کر گرنے لگا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

''مونی......'' اس نے بھاگ کر محسن کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ ''مونی، مونی، میرے پیارے بھائی۔''

''تائی امی، تائی امی۔'' وہ پوری قوت سے چیخی اور اس کی چیخ و پکار پر ہی ساجدہ بیگم دہل کر کمرے سے نکلی تھیں کہ گلاس وال سے وہاں کا منظر دیکھتے ہی وہ پہلے ٹیلی فون پر جھپٹی اور کانپتے ہاتھوں سے نمبر پش کرتے ہی تیزی سے بولی تھیں۔

''ایمبولینس۔''



وہ کچن کے دروازے سے ہی ثریا کو خدا حافظ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھی تھی کہ ادھر سے راحیلہ خاتون سامنے آ گئیں۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' کڑے تیوروں سے پوچھا۔

''کام سے جا رہی ہوں مامی جی، اگر آپ کو باہر کا کوئی کام ہے تو بتا دیں وہ بھی کرتی آؤں گی۔'' اس نے اپنے ازلی اعتماد جسے ڈھٹائی کا

نام دیا جاتا تھا‘ سے جواب دینے کے ساتھ پوچھ بھی لیا۔
’’پہلے یہ بتاؤ تم کس کام سے اور کہاں جارہی ہو......؟‘‘ راحیلہ خاتون سلگیں۔
’’یہ میں واپس آ کر بتاؤں گی۔ابھی مجھے دیر ہورہی ہے۔‘‘ وہ کہہ کرتیزی سے باہر نکل آئی گئی۔
چھٹی کا دن ہونے کے باعث سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام نہیں تھا جب ہی وہ مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی مطلوبہ مقام پر پہنچ گئی تھی۔ وسیع رقبے پر پھیلا عالی شان بنگلہ جس کے لاؤنج میں اسے چھوڑ کر ملازم جانے کس سمت غائب ہوگیا تھا۔ اس نے اردگرد نظریں دوڑاتے ہوئے گہری خاموشی محسوس کی پھر کندھے اچکا کر بیٹھتے ہی ٹیبل سے میگزین اٹھالیا۔ جانے بڑے صاحب اسے کتنا انتظار کروائیں گے۔ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا اور ذہنی طور پر تیار بھی تھی جب ہی اس نے خود کو میگزین میں مصروف کرلیا تھا۔ پھر کتنی دیر بعد سیٹی نما آواز پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہیل چیئر پر وہ بارہ تیرہ سالہ لڑکا یقیناً بنٹی تھا جس کے لیے اسے بلایا گیا تھا۔
’’تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو مجھے‘ ترس کھارہی ہو مجھ پر؟‘‘ بنٹی کے چبھتے ہوئے انداز پر وہ ایک دم ہوش میں آئی۔
’’کیوں......! تم ایسے تو نہیں ہو جس پر ترس کھایا جائے۔ اچھے بھلے ہو‘ شاندار بنگلے میں رہتے ہو‘ نوکر چاکر ہیں‘ جو بات منہ سے نکالتے ہوگی فوراً پوری ہوجاتی ہوگی اور......‘‘
’’میں چل نہیں سکتا......‘‘ بنٹی نے اپنے تئیں اس کی زبان کو لگام دی تھی۔
’’تو جو چل سکتے ہیں وہ کیا تیر مار رہے ہیں۔ اصل اپاہج تو وہ ہیں‘ ہاتھ پاؤں سب سلامت پھر بھی کچھ نہیں کرتے۔‘‘ اس نے قصداً بنٹی کی بات کو اہمیت ہی نہیں دی تھی۔
’’تم کون ہو؟‘‘ بنٹی نے غالباً لاجواب ہوکر پوچھا۔
’’صبا......میرا نام صبا ہے۔‘‘ اس نے جھٹ تعارف کرایا۔
’’میں نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔‘‘ بنٹی نے فوراً ٹوکا۔
’’پھر......؟‘‘ اس نے جان بوجھ کر پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا پھر ایک دم سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہنے لگی۔ ’’اچھا اچھا میں سمجھ گئی‘ تم یہ پوچھنا چاہتے ہو کہ میں کون...... کہاں سے آئی ہوں......اور یہاں کیا کررہی ہوں؟ تو اچھے لڑکے‘ میں ایک مجبور لڑکی ہوں‘ جاب کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ کسی نے مجھے خان جنید کا نمبر دیا کہ میں ان سے مل لوں‘ شاید وہ مجھے جاب دلا سکتے ہیں۔‘‘
’’بالکل دلا سکتے ہیں۔‘‘ بنٹی بے ساختہ بولا۔
’’سچ......‘‘ وہ خوش ہوکر پوچھنے لگی۔ ’’خان جنید صاحب تمہارے کون ہیں؟‘‘
’’ڈیڈی......وہ میرے ڈیڈی ہیں۔‘‘
’’پھر تو تم ان سے میری سفارش کرسکتے ہو۔‘‘ وہ کہہ کر اس کی منت کرنے لگی۔
’’پلیز تم اپنے ڈیڈی سے کہنا بے شک وہ مجھے اپنے گھر میں نوکر رکھ لیں۔ میں سارے کام کردوں گی۔ کہو گے ناں اپنے ڈیڈی سے‘ دیکھو میں بہت مجبور ہوں۔ مجھے جاب کی سخت ضرورت ہے۔‘‘
’’تو بس تمہاری جاب ہوگئی۔‘‘ بنٹی کے شاہانہ انداز پر وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔
’’کہا نا تمہاری جاب ہوگئی۔ کل سے آجانا۔‘‘ بنٹی خود کو بہت بڑا محسوس کررہا تھا۔
’’کہاں‘ میرا مطلب ہے تم مجھے اپنے ڈیڈی سے تو ملوا دو پتا نہیں وہ......‘‘
’’ڈیڈی میری بات نہیں ٹالتے۔ میں جو کہوں گا وہ وہی کریں گے۔ اب تم جاسکتی ہو۔‘‘ بنٹی کے انداز پر وہ بمشکل ہنسی روک کر بولی تھی۔
’’اوکے باس۔‘‘
’’نو باس‘ میرا نام بنٹی ہے۔‘‘ بنٹی کی تنبیہہ پر اب وہ مسکرائی دی۔
’’اوکے بنٹی‘ تھینک یو‘ کل ملاقات ہوگی۔‘‘
’’اوکے......‘‘ بنٹی نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور پہلے اس نے خان جنید کو فون کرکے بتایا کہ بنٹی نے اسے اوکے کردیا ہے پھر اندازے سے ایک طرف چل پڑی۔ اس پوش علاقے سے نکلنے میں اسے پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب اسٹاپ پر پہنچی تو جاذب کی گاڑی دیکھ کر اطمینان ہوا کہ بسوں میں دھکے کھانے سے بچ گئی تھی۔

جاذب اسی کی تلاش میں گردن گھما گھما کر دیکھ رہا تھا۔
''کیا پاگلوں کی طرح گردن گھما رہے ہو۔'' اس نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھتے ہی کہا تو جاذب اسے دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں میں بے شمار سوال تھے۔ جنہیں وہ پڑھ سکتی تھی' بلکہ پڑھ لیا تھا جب ہی کہنے لگی۔
''جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دو گے میں بھی کچھ نہیں بتاؤں گی۔''
''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے......'' وہ بد دل ہوا تھا۔
''پوچھنا بھی مت' اور اب چلو مجھے کسی اچھے سے ریسٹورنٹ سے بریانی کھلاؤ۔ ساتھ کولڈ ڈرنک' سچ مزہ آ جائے گا۔'' اس کے چٹخارہ لینے پر جاذب نے دانت پیسے۔
''تم کیوں مجھے تنگ کرتی ہو؟''
''اور تم کیوں تنگ ہوتے ہو۔ میں نے کوئی ایسی فرمائش تو نہیں کی جو ناممکنات میں سے ہو۔ خیر چھوڑو۔ مجھے نہیں کھانی بریانی۔'' اس نے سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی بند پلکوں کے اندر جو موسم اتر رہا تھا وہ جاذب دیکھ سکتا تھا اور دیکھ کر ہی اس نے نظریں چرائی تھیں۔
پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد جب گاڑی بل کھا کر رکی تب اس نے آنکھیں کھولی تھیں' پھر بنا کچھ کہے اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو جاذب نے پکارا۔
''صبا' ایسا مت کرو۔''
''تم جو کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے؟'' وہ چیخی۔ ''شرم کرو جاذی' تم مجھے کچھ اور نہ سمجھو پھر بھی تمہاری پھوپی زاد ہوں اور اس رشتے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے راستے میں اتارنے کا مطلب؟''
''تم جانتی ہو......'' وہ جز بز ہونے لگا۔
''ہاں جانتی ہوں بزدلی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔'' وہ کہہ کر اتری اور جب جاذب گاڑی بڑھا لے گیا تب تاسف سے اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس کھینچی تھی۔ پھر سست قدموں سے چلتے ہوئے گھر آئی تو آگے وہ راحیلہ خاتون کے ساتھ بیٹھا تھا اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔
''تم کہاں سے آ رہی ہو؟''
''جہنم سے۔'' وہ کوئی لحاظ کیے بغیر بولی۔



احسن کی نظریں ایمر جنسی کے بند دروازے پر ٹکی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو جائیں' انتہائی بے بسی سے انہوں نے ساتھ بیٹھی اپنی ساتھی ڈاکٹر تانیہ کو دیکھا تو وہ نرمی سے ان کا بازو تھام کر بولی۔
''ریلیکس احسن۔''
''میرا بھائی......'' ان کے ہونٹوں سے اسی قدر نکلا۔
''جانتی ہوں' ڈاکٹر انعام ہیں ناں اندر۔'' تانیہ نے انہیں تسلی دی۔
''ہاں لیکن......''
''پلیز احسن' تمہارا اندر جانا ٹھیک نہیں' کیونکہ تم خود پر کنٹرول نہیں کر پا رہے۔ ایسے میں ڈاکٹر انعام کی توجہ بٹ جائے گی۔ وہ تمہیں دیکھیں گے یا تمہارے بھائی کو۔'' تانیہ کی آخری بات پر احسن نے خود کو ریلیکس کیا۔
''تم اکثر اپنے اسی بھائی کا ذکر کرتے ہو نا' کیا ہوا ہے اسے؟'' تانیہ نے پوچھا تو وہ لاعلمی کے انداز میں سر ہلا کر بولا۔
''پتا نہیں' صبح تو اچھا بھلا تھا۔ اب پتا نہیں کیا ہوا' میں تو صبح سے یہیں تھا۔''
''ٹھیک ہو جائے گا تمہارا بھائی' تم پریشان مت ہو۔'' تانیہ نے پھر تسلی دی تب ہی جلال احمد تیز قدموں سے قریب آئے تھے۔
''کیسا ہے محسن' کہاں ہے؟'' احسن انہیں دیکھ کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور ایمر جنسی روم کی طرف اشارہ کیا تو جلال احمد ایک نظر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''ٹھیک تو ہے' کوئی سیریس بات تو نہیں؟'' احسن کے پاس جواب نہیں تھا' جبھی ان سنی کر کے پوچھا۔
''کیا ہوا تھا مونی کو؟''
''پتا نہیں بیٹا' تمہاری امی بتا رہی تھیں نشاء کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلتے ہوئے گرا تھا۔''
''اوگاڈ'' وہ پریشان ہوئے۔ ''مونی بیڈمنٹن کھیل رہا تھا' ابو آپ کہاں تھے؟'' جلال احمد ان کا کندھا تھپک کر رہ گئے۔
''آپ میرے روم میں جا کر بیٹھیں' میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' احسن انہیں بھیج کر پھر تانیہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر اب غصہ بھی جھلکنے لگا تھا۔
''کیا ہوا؟'' تانیہ نے دھیرے سے پوچھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
''تم اپنے بھائی سے بہت محبت کرتے ہو۔'' تانیہ نے پھر کہا تو ان کا سر اثبات میں ہلا پھر کہنے لگے۔
''بہت...... خود سے بھی بڑھ کر چاہتا ہوں اسے اور میں صرف اسی کی خاطر ڈاکٹر بنا اسی کی خاطر اب اسپشلائزیشن کے لیے امریکہ جا رہا ہوں' تاکہ اس کا علاج میں خود کر سکوں۔ یہاں تو ابھی تک ڈائیگنوز ہی نہیں ہو پایا کہ اس کے ساتھ پرابلم کیا ہے؟ کس چیز کی کمی یا زیادتی ہے اس میں جو وہ اپنی جان پر ذرا سی سختی برداشت نہیں کر پاتا۔ ڈھے جاتا ہے۔''
''شروع سے آئی مین پیدائشی ایسا ہے یا کوئی حادثہ؟'' تانیہ نے پوچھا تو ان کا ذہن بہت پیچھے بھٹک گیا۔ اس وقت جب وہ آٹھ سال' محسن پانچ سال اور نشاء چار سال کی تھی۔ تینوں چھت پر کھیل رہے تھے۔ محسن' نشاء سے اس کی گڑیا چھین کر بھاگا تھا جس پر نشاء نے چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ساتھ احسن کو پکار رہی تھی اور احسن گڑیا لینے کی خاطر ہی محسن پر جھپٹے تھے جس سے اس کا توازن بگڑ گیا اور وہ چھت سے نیچے جا گرا تھا۔
''کیا سوچنے لگے احسن......'' تانیہ نے ٹوکا تو چونکتے ہوئے انہوں نے یوں جھرجھری لی تھی جیسے محسن ابھی ابھی گرا ہو۔



عشاء کی نماز کے بعد بھی ساجدہ بیگم جاء نماز پر بیٹھی تھیں۔ ان کی انگلیوں سے تسبیح کے دانے بہت دھیرے دھیرے پھسل رہے تھے۔ نشاء کے آنے کا انہیں پتا ہی نہیں چلا' یوں بھی ان کی آنکھیں بند تھیں۔
''تائی امی!'' نشاء نے ڈرتے ڈرتے پکارا تو وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگیں۔
''تائی امی میں نے کچھ نہیں کیا' میری غلطی نہیں ہے۔ میں نے منع کیا تھا مونی کو لیکن وہ زبردستی......'' نشاء روہانسی ہو کر بولی تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔
''بس صفائیاں دینے کی ضرورت نہیں۔''
''میں غلط نہیں کہہ رہی تائی امی' میرا یقین کریں۔'' وہ رو پڑی۔
''میرے یقین اور بھروسے ہی سے تو کھیل رہی ہو تم۔'' عجیب چبھن تھی' نشاء تڑپ گئی۔
''نہیں تائی امی' ایسا نہ کہیں' میں مر جاؤں گی' لیکن آپ کے یقین اور بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔''
''بڑے بول مت بولو نشاء' جاؤ اپنے کمرے میں۔'' ساجدہ بیگم نے ناگواری سے ٹوک کر تحکم سے کہا تو وہ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر گر کر سسکنے لگی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی' دروازے کی طرف اس کی پشت تھی اور مارے خوف کے اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ جب احسن سامنے آ کر کڑے تیوروں سے اسے دیکھنے لگے تو اسے اپنے پیروں پر کھڑے رہنا دوبھر ہو گیا تھا۔
''کیا تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ محسن کتنا نازک ہے' ہوا کی نرمی بھی نہیں سہہ پاتا۔ نہیں نشاء سب جانتی ہو تم' پھر تم نے......؟'' احسن سرد چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔
''مم...... میں نے منع کیا تھا لیکن مونی نہیں مانا۔ میرا یقین کریں۔'' اس کی رندھی آواز کا احسن پر اثر نہیں ہوا تھا۔
''کیا یقین کروں...... سب پتا ہے تمہیں' مونی نہیں مان رہا تھا تو تم امی سے کہتیں وہ سمجھا سکتی تھیں اسے۔ پتا ہے ناں میں مونی کے معاملے میں کتنا حساس ہوں۔ مجھے اپنی جان سے بڑھ کر پیارا ہے وہ۔ اس کی طرف سے کوئی کوتاہی کوئی غلطی میں برداشت نہیں کر سکتا' سمجھ رہی ہو ناں۔''

''آ...... ابھی کیسا ہے۔ ٹھیک تو ہے نا۔ مجھے اس کے پاس لے چلیں۔'' وہ خود محسن کے لیے بہت پریشان تھی۔
''ابھی نہیں......'' احسن نروٹھے پن سے کہہ کر جانے لگے کہ اس نے بے اختیار ان کا بازو تھام لیا۔
''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''
''کہیں نہیں جا رہا میں تم سو آرام سے۔'' احسن جھنجلائے تھے۔
''مجھے نیند نہیں آئے گی۔'' وہ پھر روہانسی ہوئی۔
''کیوں...... تمہیں نیند کیوں نہیں آئے گی۔'' انہوں نے پیشانی پر بل ڈال کر پوچھا۔ تو وہ منمنائی۔
''جب سب ناراض ہوں تو نیند بھی روٹھ جاتی ہے۔'' احسن نے ہونٹ بھینچ کر غالباً خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔ پھر یک دم نرم پڑ گئے۔
''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ کوئی تم سے ناراض نہیں ہے۔ بس آئندہ احتیاط کرنا' چلو اب سو جاؤ۔''
''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' اس نے پھر پوچھا۔
''کہاں جاؤں گا مونی کو ہاسپٹل میں اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی کے پاس جا رہا ہوں اور تم پریشان مت ہو صبح مونی آ جائے گا...... اوکے۔'' آخر میں انہوں نے خوب صورت مسکراہٹ اس کی نذر کی پھر ساجدہ بیگم کو تسلی دے کر وہ ہاسپٹل آ گئے تو وہاں جلال احمد ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے جلال احمد کو گھر بھیج کر فریش جوس لے کر روم میں آ گئے۔
محسن چھت پر نظریں ٹکائے سیدھا لیٹا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں نرمی سے لے کر گویا ہوئے۔
''تم کچھ عرصہ صبر نہیں کر سکتے مونی' کیا ضرورت تھی اچھل کود کرنے کی یا پھر تمہیں ہم سب کو پریشان کرنے کا شوق چرایا تھا۔ تمہاری وجہ سے نشاء کو بھی ڈانٹ پڑی۔''
''اسے کیوں ڈانٹا بھائی وہ تو منع کر رہی تھی۔ میں ہی زبردستی......'' محسن کو افسوس ہوا۔
''تو کیا نتیجہ نکلا۔ تم صرف خود پر ہی نہیں ہم سب پر بھی ظلم کر رہے ہو۔ خدانخواستہ کوئی سیریس بات ہو جاتی تو تم سے پہلے میں مر جاتا۔'' احسن کی آخری بات پر وہ روہانسا ہوا۔
''بس کریں بھائی' میں آئندہ ایسا کچھ نہیں کروں گا۔'' احسن نے ہونٹ بھینچ کر خود پر قابو پایا پھر کہنے لگے۔
''جانتے ہو ناں میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے' میں تمہیں اپنے ساتھ بھاگتا دوڑتا دیکھنا چاہتا ہوں اور ایک دن میری یہ خواہش ضرور پوری ہو گی بس تم ہمت نہ ہارنا۔ سمجھے...... وعدہ کرو تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔'' محسن نے پلکیں گرا کر گویا وعدہ کیا تھا۔
''تھینک یو۔'' احسن نے اس کا ہاتھ چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا تھا۔



اس نے جمائی لے کر وال کلاک پر نظر ڈالی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔
''اف میری ماں......'' وہ کچھ جھنجلاہٹ اور غصے سے کتاب پٹخ کر اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکل کر کچن میں داخل ہوتے ہی رک گئی اور تاسف سے ثریا کو دیکھنے لگی جو برتن دھونے میں مصروف تھیں۔
''آپ کے کام ختم نہیں ہوئے ابھی۔'' وہ خود پر ضبط کی کوشش ترک کر کے تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ ''بس کریں امی رات کا ایک بج رہا ہے' سوتے سوتے دو بج جائیں گے' پھر صبح اذان کی آواز کے ساتھ ہی اٹھ بھی جائیں گی۔''
''تو اس میں کیا برائی ہے' کام کاج کرتے رہنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔'' ثریا نے نل بند کرتے ہوئے کہا تو وہ طنزیہ ہنسی۔
''ماشاء اللہ بہت اچھی صحت ہے آپ کی۔ برسوں کی مریض لگتی ہیں۔ اللہ کے واسطے امی خود پر نہیں تو مجھ پر رحم کریں خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہو گا؟''
''کچھ نہیں ہوتا مجھے' خوامخواہ وہم مت کیا کرو۔'' ثریا نے پیار سے اس کا گال تھپکا تو وہ زچ ہو گئی۔
''آپ نہیں مانیں گی' چلیں اندر۔'' وہ ثریا کو کندھوں سے تھام کر پلٹی تو دروازے میں جاذب کو کھڑے دیکھ کر کاٹ کھانے کے انداز میں پوچھنے لگی۔
''اب تمہیں کیا چاہیے؟''
''وہ کافی مل جاتی تو؟'' وہ اپنی گدی کھجاتے ہوئے بولا۔

''کافی......!'' صبا نے دانت پیسے۔ ''رات کے ایک بجے تمہیں کافی ضرور پینی ہوتی ہے۔ اگر اتنا ہی شوق ہے تو خود بنا لیا کرو۔ ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں۔''
''صبا......'' ثریا نے پریشان ہو کر اسے ٹوکا۔ ''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ایسے بات کرتے ہیں۔''
''جانے دیں پھپو۔ میں اس کی بدتمیزیوں کا برا نہیں مانتا۔'' جاذب کے معصوم بننے پر وہ مزید سلگی۔
''اوہو......خود تو جیسے بڑے تمیز دار ہو۔''
''صبا تم کمرے میں جاؤ' چلو شاباش۔ جاذب بیٹا تم اس کی باتوں کا برا مت ماننا۔'' ثریا نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کیا۔
''ارے نہیں پھپو۔ آپ نہ پریشان ہوں۔ آپ کی خاطر میں اس کی کڑوی گولیاں شہد سمجھ کر نگل لیتا ہوں۔'' وہ تسلی ثریا کو دے رہا تھا دیکھ اسے رہا تھا۔
''تو پھپو کی خاطر کافی بھی خود ہی بنا لو یا اپنی ماں بہن سے کہو وہ بنا دیں گی۔'' اس پر ثریا کے ٹوکنے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ جاذب کو جلی کٹی سنا کر ثریا کو کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی تھی۔
''بس اب آپ سو جائیں' جاذب کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔''
''کافی بنانے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔'' ثریا کا دھیان اس کی طرف ہی تھا۔
''کوئی دیر نہیں لگتی' وہ اپنی اماں سے کہے یا بہن سے وہ بنا دے گی۔'' اس نے زبردستی ثریا کو پلنگ پر بٹھاتے ہوئے کہا تو وہ عاجز ہو کر بولی۔
''کیوں ایسی باتیں کرتی ہو تم' جب پتا ہے کہ کام کاج کی ساری ذمہ داری مجھ پر ہے پھر بار بار ٹوکنے کا مطلب؟''
''اف کتنے آرام سے کہہ دیا آپ نے ساری ذمہ داری آپ پر ہے اور باقی سب لوگ وہ کیا صرف کھانے کے لیے ہیں۔'' وہ پھر چڑی۔
''صرف کھانے کے لیے کیوں۔ ماشاءاللہ کماتے بھی ہیں اور شکر کرو دو وقت روٹی ہمیں بھی مل جاتی ہے۔''
''تو دو وقت روٹی کا قرض چکاتی ہیں آپ۔'' اس نے دکھ سے ثریا کو دیکھا۔
''یہی سمجھ لو......'' ثریا نے لیٹ کر اس کی طرف سے کروٹ بدلی تو کتنی دیر وہ ان کی پشت پر نظریں جمائے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر لائٹ آف کی اور اپنی جگہ پر لیٹتے ہی تکیہ منہ پر رکھ لیا۔ سسکیاں گھٹ گئی تھیں لیکن آنکھوں کا سیلاب سارے بند توڑ گیا تھا۔
صبح اس نے ناشتے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بس گھونٹ گھونٹ چائے پیتی رہی اور ثریا اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہی بولی کچھ نہیں تھی کیونکہ اس کی آنکھیں شدت گریہ کا پتا دے رہی تھیں۔ چائے کے بعد وہ آرام سے تیار ہوئی پھر بیگ اٹھا کر کمرے سے نکلی تو لاؤنج میں نگار کو بیٹھے دیکھ کر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ نگار چہرے پر ماسک لگائے بالکل بت بنی بیٹھی تھی۔
''کچھ بھی کر لو' کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔'' وہ شرارت سے کھنکھار کر بولی تو نگار سلگ گئی۔
''تم جلتی کیوں ہو۔''
''ارے ارے' بولو مت' چہرے پر مزید لکیریں پڑ جائیں گی۔'' اس نے ٹوکا تو نگار فوراً سابقہ حالت میں آ گئی۔
''میرا مشورہ مانو چہرے کی بجائے دل پر توجہ دو۔ دل صاف ہو تو چہرہ شاداب نظر آتا ہے۔'' وہ چھیڑنے سے باز نہیں آئی۔
''یہ نسخہ تم خود پر کیوں نہیں آزماتیں۔'' نگار پھر تلملائی تھی۔
''آزما کر ہی مشورہ دے رہی ہوں۔ ویسے تمہاری مرضی۔'' وہ کہہ کر ہنستے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔



خان جنید کچھ ضروری کاغذات چیک کرتے ہوئے بار بار نظریں اٹھا کر بنٹی کو دیکھ رہے تھے جو ناراض اور غصے میں لگ رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے ملازم اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھ کر گیا تھا وہ ویسے ہی رکھا تھا۔ بنٹی نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ خان جنید نے کاغذات بریف کیس میں رکھ کر دوسرے صوفے پر بیٹھی مدیحہ کو دیکھا پھر بنٹی کو مخاطب کیا۔
''بنٹی بیٹا تم کیوں ایسے بی ہیو کر رہے ہو' کیا چاہیے تمہیں؟''
''کچھ نہیں' مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' بنٹی نے بدتمیزی سے جواب دیا۔ خان جنید ضبط کر گئے۔

''پھر کیا پرابلم ہے؟''
''میں......فیل کرتا ہوں، بہت زیادہ۔'' بنٹی نے کوئی نئی بات نہیں کی تھی۔ خان جنید زچ ہو کر کہنے لگے۔
''اب اس کا میں کیا علاج کروں۔ تم اپنے فرینڈز کو بلا لیا کرو، پھر گھر میں تمہارے پاس سب کچھ ہے کمپیوٹر، نیٹ، موویز......''
''بس پاپا میں اکتا گیا ہوں ان سب چیزوں سے، میں زندہ انسانوں سے بات کرنا چاہتا ہوں جو میری سنیں، اپنی سنائیں۔'' بنٹی نے تنگ ہو کر کہا تو خان جنید فوراً بولے۔
''تمہارے فرینڈز۔''
''کسی کے پاس فالتو ٹائم نہیں ہے پاپا۔ کوئی مجھ اپاہج کو زیادہ دیر کمپنی نہیں دے سکتا۔'' بنٹی کے پاس ہر بات کا جواب موجود تھا۔ خان جنید نے جیسے لاجواب ہو کر مدیحہ کو دیکھا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔
''ایسا نہیں کہتے بنٹی، تم اپاہج نہیں ہو اپنا ہر کام خود کر سکتے ہو۔''
''مت بہلائیں مجھے آپی۔'' بنٹی ناراض ہوا تو مدیحہ خاموش ہو گئی۔
''مدیحہ......'' کچھ دیر رک کر خان جنید مدیحہ سے مخاطب ہوئے۔ ''بیٹا تم یہاں بنٹی کے پاس کیوں نہیں آ جاتیں۔''
''یہ کیسے ممکن ہے پاپا کہ میں اپنا گھر چھوڑ کر یہاں بنٹی کے پاس آ جاؤں یا تو آپ کو میری شادی ہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' مدیحہ ان سے کہہ کر بنٹی کی طرف گھومی۔ ''اور بنٹی تم کوئی چھوٹے بچے نہیں ہو تمہیں خود سمجھنا چاہیے فیل کرتے ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجھے اور پاپا کو پریشان کرو۔ پاپا تمہارے لیے جو کر سکتے ہیں کر رہے ہیں اور کیا چاہتے ہو؟''
''آپ ایسا کریں آپی مجھے تھرڈ فلور سے نیچے دھکا دے دیں۔ میں آپ کے لیے پرابلم ہوں ناں، تو آپ لوگ اسی طرح مجھ سے چھٹکارہ حاصل کر سکتے ہیں۔'' بنٹی کی بات پر خان جنید خود پر قابو نہیں پا سکے غصے سے چلائے اٹھے۔
''جسٹ شٹ اپ بنٹی، جاؤ اپنے کمرے میں۔''
''پاپا پلیز۔'' مدیحہ نے ملتجی انداز میں خان جنید کو دیکھا پھر بنٹی سے بولی۔ ''تم پرابلم نہیں ہو بنٹی میں، پاپا، ہم سب تم سے پیار کرتے ہیں بیٹا لیکن ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔''
''ہونہہ مجبوریاں......'' بنٹی نے تنفر سے سر جھٹکا پھر وہیل چیئر کا رخ موڑ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ دروازے سے داخل ہوتی صبا کو دیکھ کر اس کے وہیل پر حرکت کرتے ہاتھ رک گئے۔
''السلام علیکم!'' صبا نے قدرے فاصلے پر رک کر سلام کیا تو خان جنید قصداً انجان بن کر پوچھنے لگے۔
''ہو آر یو؟''
''شی از مائی ٹیچر......'' صبا سے پہلے بنٹی بول پڑا۔ ''اسے میں نے اپائنٹ کیا ہے، آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''
''نہیں، لیکن......'' خان جنید جانے کیا کہنے جا رہے تھے کہ بنٹی نے انہیں بولنے ہی نہیں دیا۔
''آؤ صبا میرے کمرے میں چلو۔'' صبا نے قدم بڑھانے سے پہلے خان جنید کو دیکھا اور ان کا اشارہ ملنے پر بنٹی کی چیئر دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی آئی۔
''تھینک گاڈ۔'' خان جنید نے اطمینان کا سانس لیا پھر مدیحہ کو صبا کے بارے میں بتا کر بولے تھے۔
''میرا خیال ہے یہ لڑکی بنٹی کو ٹیکل کر لے گی۔''

......☆☆☆......

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے محسن کو جلال احمد کے ساتھ آتے دیکھا تھا اس کے بعد کتنی دیر انتظار کرتی رہی جب یقین ہو گیا کہ ساجدہ بیگم اور جلال احمد محسن کو آرام کرنے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں جا چکے ہوں گے تب وہ محسن کے کمرے میں آئی تو وہ جو سیدھا لیٹا تھا گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کچھ سہمی ہوئی اور مجرم سی بنی کھڑی تھی۔
''وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں آؤ۔'' محسن نے کہا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آ گئی۔
''کیا بات ہے، یوں منہ لٹکائے کیوں کھڑی ہو۔ زندہ ہوں، مر تو نہیں گیا۔'' محسن نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا پھر بھی اس نے سہم کر بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

''مونی' مت ایسی باتیں کیا کرو۔''
''کیوں مرنا نہیں ہے کیا' جب ایک بات طے ہے تو پھر اس سے بھاگنا کیسا؟'' محسن باز نہیں آیا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔
''میں جارہی ہوں۔''
''اچھا چلو نہیں کروں گا ایسی باتیں' تم بھی اپنی شکل سیدھی رکھا کرو۔ ہر وقت منہ پر بارہ بجائے رکھتی ہو۔''
''میری شکل ہی ایسی ہے۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔
''ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مانتا ہوں۔'' وہ شرارت سے مسکرایا تب وہ اصل بات کی طرف آئی۔
''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے؟''
''دیکھ لو بھلا چنگا ہوں' کوئی کام ہو تو بتاؤ۔'' محسن درحقیقت اسے مجرمانہ احساس سے نکالنا چاہ رہا تھا۔
''بس زیادہ طرم خان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے لیٹے رہو اور مجھے بتاؤ تمہیں کچھ چاہیے تو۔ میرا مطلب ہے کھانے پینے میں جوس وغیرہ......'' اس نے قدرے رعب جما کر پوچھا تو وہ بے دلی سے بولا۔
''نہیں نشاء یہ سب نہیں۔''
''پھر اور کیا لاؤں؟'' اس نے پوچھا تو وہ یکلخت آزردگی میں گھر گیا۔
''لاسکتی ہو تو کوئی ایسی دوا لادو جسے پی کر میں زندوں میں شامل ہو جاؤں یا پھر مردوں میں۔ یہ درمیان کی کیفیت تو بڑی تھکا دینے والی ہے نشاء۔ تھک گیا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔
''مونی......'' نشاء کے صرف ہونٹ ملے تھے۔ دل دکھ سے بھر گیا آنکھیں بھی جل تھل ہو گئی تھیں۔ کتنی دیر وہ ساکت کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر اس کے کمرے سے نکل آئی۔ جلال احمد کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ اس نے غور کیا تو وہ احسن سے بات کررہے تھے۔ موضوع یقیناً محسن تھا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھی تو ساجدہ بیگم کو لابی سے نکلتے دیکھ کر پھر رک گئی۔
''شالی کہاں ہے؟'' ساجدہ بیگم نے اسے دیکھتے ہی ملازمہ شالی کا پوچھا تو اس نے سر ہلا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔
''عجیب لڑکی ہے صبح سے کہہ رہی ہوں گیسٹ رومز کی صفائی کردے۔'' ساجدہ بیگم نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔
''کوئی مہمان آرہے ہیں تائی امی؟''
''نہیں' تمہارے ابو آئیں گے۔'' ساجدہ بیگم کا انداز سرسری تھا وہ چونک گئی۔
''ابو......کب آرہے ہیں؟''
''ابھی کچھ ٹھیک سے بتایا نہیں ہے انہوں نے......دو ہفتے یا دو مہینے بعد۔ ایسا ہی کچھ کہہ رہے تھے۔''
''اکیلے آئیں گے؟'' اس نے پھر پوچھا۔
''اکیلے کیوں' بیوی بچوں کو کہاں چھوڑیں گے۔ انہیں بھی ساتھ لے کر آئیں گے۔'' ساجدہ بیگم کی ناگواری محسوس کرکے وہ خاموش ہو گئی تو پھر وہ خود ہی بولنے لگیں۔
''اچھا ہے ناں بلال احمد نے گھر بسا لیا تھا کم از کم بڑھاپے کا سہارا تو ہو گیا ورنہ تو زندگی مشکل ہو جاتی پھر کوئی بیٹا بھی نہیں تھا اور بیٹیاں کب تک ساتھ دیتی ہیں۔ تمہارے لیے بھی اچھا ہے اگلے گھر جاؤ گی تو ساتھ یہ فکر تو نہیں ہوگی کہ ابو اکیلے ہیں۔ ایک طرح سے اطمینان ہی رہے گا۔''
''اطمینان......'' وہ ساجدہ بیگم کو بولتا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ دل پر جانے کیسا بوجھ آن پڑا تھا۔
اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ وہ اس گھر میں کب آئی تھی۔ کب ساجدہ بیگم کی گود میں ڈالی گئی تھی نہ اسے اپنی امی کا پتا تھا' ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے سے وہ خود کو یہیں دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اس کے ابو بلال احمد بھی ساتھ تھے۔ پھر ابھی وہ لڑکپن کی عمر میں ہی تھی کہ اس کے ابو بھی اسے چھوڑ کر سات سمندر پار جا بسے۔ شروع میں وہ انہیں بہت یاد کرتی تھی لیکن پھر وقت نے سب بھلا دیا اور وہ اس گھر کے مکینوں کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگی۔ جلال احمد' ساجدہ بیگم پھر احسن اور محسن نے بھی اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ ابھی بھی سب اس سے بہت محبت کرتے تھے وہ بھی سب پر جان چھڑکتی تھی اور یہ فطری بات تھی کیونکہ اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے ان رشتوں کے علاوہ کسی اور کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ البتہ کبھی کبھی سوچتی ضرور تھی۔ خصوصاً اپنی ماں کو جس کے بارے میں جب کبھی اس نے ساجدہ بیگم سے پوچھا تو خواہ وہ اس وقت اس

سے کتنے لاڈ کر رہی ہوتیں' اس کے سوال پر خاموشی اختیار کر لیتی تھیں۔ ایسی خاموشی جو اسے مزید کچھ پوچھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی جبکہ احسن اور محسن لاعلمی کا اظہار کرتے تھے کہ انہیں کچھ پتا نہیں' بہر حال ایک معمہ تھا جسے جب بھی وہ سوچنے یا حل کرنے کی کوشش کرتی اس کا دھیان بٹ جاتا یا بٹا دیا جاتا اور پھر دنوں' مہینوں اسے خیال نہیں آتا تو اس کی وجہ سب کی محبتیں تھیں جن میں وہ پروان چڑھی تھی اور اب تو ان محبتوں میں ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا تھا اور وہ تھا احسن کا اظہار جس نے اس کے دل کی دنیا تہہ و بالا کر دی تھی۔ محبت کا یہ رنگ سب رنگوں پر حاوی ہو گیا تھا اور وہ ٹین ایج لڑکی سہانے سپنوں میں کھو کر یہ بھول ہی گئی کہ کوئی اور بھی اس کا دعویدار ہو سکتا ہے۔

''ابو جی کیوں آ رہے ہیں؟'' اس نے سوچا تھا کہ احسن نے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا۔

''نشاء......'' وہ چونکی اور پلکیں جھپک کر آنکھوں میں ٹھہری نمی اپنے اندر اتارنے لگی۔

''کیا بات ہے تم رو رہی ہو؟'' احسن اس کا چہرہ دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ ''کسی نے کچھ کہا ہے؟''

''نہیں' مجھے کہاں کوئی کچھ کہتا ہے' سب اتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ تایا ابو' تائی امی' مونی' آپ......'' وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

''نشاء ادھر میری طرف دیکھو۔'' انہوں نے ٹوکا تو وہ ایک دم ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

''کیا پاگل پن ہے یار...... مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔ میری کوئی بات بری لگی ہے...... بتاؤ۔'' انہوں نے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر چہرے سے اس کے ہاتھ ہٹائے تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ سے بلا ارادہ نکلا تھا۔

''ابو جی......''

''کیا ابو جی...... فون آیا تھا چچا جان کا۔ انہوں نے کچھ کہا ہے۔'' احسن نے اس کی کلائیاں چھوڑ کر پوچھا۔

''نہیں' وہ آ رہے ہیں۔'' اس نے بتایا تو وہ حیران ہوئے۔

''ارے یہ تو خوشی کی بات ہے۔''

''ہاں' لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' اس کے خدشے پر انہیں بے طرح پیار آیا۔

''بے وقوف' تمہیں کون جانے دے گا۔ تم یہیں رہو گی ہمیشہ۔''

''سچ...... آپ سچ کہہ رہے ہیں نا۔'' اس کی خوشی میں ہلکی سی غیر یقینی بھی تھی۔

''یہ تو تم پر منحصر ہے کہ تم یہاں رہو یا ان کے ساتھ۔'' انہوں نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

''میں یہیں رہوں گی۔''



راحیلہ خاتون پورے دھیان سے نگار کی بات سن رہی تھیں جب ہی انہیں جاذب کی آمد بری لگی تھی۔

''اچھا امی میں جا رہا ہوں۔'' جاذب عجلت میں تھا اور راحیلہ خاتون نے اس سے زیادہ عجلت دکھائی۔

''جاؤ بیٹا اللہ کی امان۔'' لٹھ مار کر وہ پھر نگار کی طرف متوجہ ہوئی تھیں کہ صبا کی آواز پر تلملا گئیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''رکو جازی میں بھی چل رہی ہوں۔'' جاذب نے بوکھلا کر راحیلہ خاتون کو دیکھا ان کی پیشانی پر بے شمار بل پڑ گئے تھے۔

''تت...... تم کہاں جا رہی ہو؟'' راحیلہ خاتون کو سنانے کی خاطر جاذب نے اپنے تئیں صبا پر رعب ڈالا تھا۔

''مجھے ایک جگہ جانا ہے۔ ڈراپ کر دینا۔'' صبا صورت حال سے محظوظ ہو کر بولی تھی۔

''سوری مجھے پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔ اچھا امی خدا حافظ۔'' جاذب تیزی سے نکل گیا۔

''جا سکتی ہوں میں' کسی کی محتاج نہیں ہوں۔'' صبا بھی اونچی آواز میں بولتی ہوئی نکل گئی تھی۔

''دیکھا امی!'' نگار نے فوراً راحیلہ خاتون کو اکسایا۔

''دیکھ رہی ہوں' سب دیکھ رہی ہوں' ان ماں بیٹی کے لچھن اور جاذب کو بھی دیکھ رہی ہوں' بہت چاپلوسی کرنے لگا ہے ثریا کی۔ ضرور کچھ گھول کر پلا رہی ہے میرے بیٹے کو۔'' راحیلہ خاتون جل کر بولیں تھیں۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' مجھے تو شروع سے پھپھو کی نیت ٹھیک نہیں لگی' زبردستی صبا کو جاذب کے سر تھوپنا چاہتی ہیں۔'' نگار نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولیں۔

''میری جوتی' یہ کلموہی رہ گئی ہے میرے جاذب کے لیے۔''
''ارے امی آپ بہت بھولی ہیں' آپ کو پتا ہی نہیں اندر ہی اندر کیا کھچڑی پک رہی ہے۔''
''ذرا میں بھی سنوں۔ کیا کھچڑی پک رہی ہے' بتاؤ۔'' راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں سے نگار کو دیکھا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔
''رہنے دیں امی۔ آپ بس جاذب کو ٹائٹ رکھیں۔''
''ارے جاذب میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ سانس بھی مجھ سے پوچھ کر لیتا ہے۔'' راحیلہ خاتون نے اپنا سینہ ٹھونک کر کہا۔
''اچھا چھوڑیں' میں آپ کو عمیر کے بارے میں بتا رہی تھی۔'' نگار کے یاد دلانے پر وہ پھر پورے دھیان سے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔
''ڈیفنس میں رہتا ہے عمیر' بہت امیر کبیر باپ کا بیٹا ہے۔ کل کالج کے بعد وہ مجھے پی سی لے گیا تھا۔ وہیں ہم نے لنچ کیا۔ سچ امی بہت مزہ آیا' اتنا شاندار ماحول اور ایسا اعلیٰ کھانا سچ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی پی سی میں لنچ کروں گی۔'' نگار ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔
''کیوں نہیں۔ تمہاری قسمت تمہیں اس سے بھی اونچا لے جائے گی۔ دیکھنا کس شان سے رخصت کروں گی تمہیں۔''
''پہلے اس صبا کی بچی کو دفعان کریں امی' اس کے ہوتے تو میرا کچھ نہیں بننے والا۔'' نگار کو گویا صبا کے مقابلے میں اپنی کم روی کا احساس تھا۔
''ارے اس کا تو میں ایسا بندوبست کروں گی کہ یاد رکھے گی اور تم دیکھنا میں......'' نگار کا سیل فون بجنے سے راحیلہ خاتون کی بات ادھوری رہ گئی۔
''عمیر کا فون ہے۔'' نگار سیل فون کان سے لگا کر کمرے سے نکل گئی تو راحیلہ خاتون کچھ سوچ کر اٹھیں پھر دندناتی ہوئی ثریا کے سر پر جا پہنچیں۔
''ثریا...... یہ صبا روز بن ٹھن کر کہاں جاتی ہے؟''
''جی......'' ثریا خائف ہوئی۔
''میں پوچھ رہی ہوں' صبا کہاں گئی ہے؟'' راحیلہ خاتون نے مزید تیز لہجے میں اپنی بات دہرائی تو ثریا دھیرے سے بولی۔
''کالج......''
''اب کون سا کالج' امتحانوں کے بعد کون سی پڑھائی ہوتی ہے بی بی۔ تم بھی پڑھی لکھی ہو' جاہل نہیں ہو اتنا تو تمہیں بھی پتا ہوگا۔''
''جی پتا ہے' وہ اصل میں آج کالج میں......''
''بس زیادہ صفائیاں مت دو۔'' راحیلہ خاتون اس کی بات کاٹ کر دھاڑیں۔ ''سب جانتی ہوں میں۔ تم کیسی ماں ہو' ذرا فکر نہیں جوان جہان لڑکی روز نکل جاتی ہے' کل کلاں کو کوئی بات ہوگئی تو۔''
''بھابی......'' ثریا نے بے اختیار ٹوکا۔
''اوہو بہت بری لگ گئی میری بات' جب زمانہ انگلیاں اٹھائے گا تب کس کس کو روکو گی۔ میں کہتی ہوں لگام ڈال کے رکھو بیٹی کو۔ کوئی بات ہوگئی تو ہم ذمہ دار نہیں۔ سمجھی۔'' راحیلہ خاتون نے آخر میں نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

......☆☆☆......

وہ کالج سے نکلی تو جاذب پہلے سے موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی گاڑی اس کے قریب لے آیا اور اس کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ غصے سے بولی۔
''خبردار جو مجھے لفٹ دینے کی کوشش کی۔ میں ہرگز تمہاری گاڑی میں نہیں بیٹھوں گی۔''
''تمہاری مرضی۔'' جاذب نے کندھے اچکائے پھر ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کردیا۔ ''اب جتنا مرضی برا بھلا کہنا ہو کہہ لو۔''
''توبہ کیسی سڑی گرمی ہے۔'' وہ یکسر انجان بن کر اپنا چہرہ تھپتھپانے لگی۔
''ہاں اب سورج سے لڑنا شروع کردو کہ وہ اتنی آگ کیوں برساتا ہے' خصوصاً جب تم گھر سے نکلتی ہو۔'' وہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔'' اس کے تیکھے انداز پر وہ مسکرانے لگا۔
''اسی لیے تو تم مجھے اچھی لگتی ہو۔ تمہارے ساتھ مغزماری نہیں کرنی پڑتی فوراً بات پک کرلیتی ہو۔''
''کاش یہ کوالٹی تم میں بھی ہوتی۔'' وہ حسرت سے بولی۔
''کیا مطلب؟'' وہ پوچھ کر سٹپٹایا۔ ''میں تمہارا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔''
''ہاہاہا......'' وہ زور زور سے ہنسنے لگی تو اپنی خجالت مٹانے کو جاذب نے ٹیپ آن کردیا۔ تیز میوزک میں صبا کی ہنسی دب گئی تھی جس کا بدلہ اس نے یوں لیا کہ جب ہمیشہ کی طرح جاذب نے گھر سے کافی فاصلے پر گاڑی روکی تو اس نے اترنے سے انکار کردیا۔
''سنو...... اگر تم میری مجبوری نہیں سمجھوگی تو کون سمجھے گا۔ اصل میں امی ذرا پرانے خیالات کی ہیں اور تم ان کے سامنے ہی......'' جاذب سنجیدہ ہوکر اسے سمجھانا چاہتا تھا کہ وہ بول پڑی۔
''ان کے سامنے نگار تو بڑے آرام سے اپنے یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر آتی ہے' تب تو مامی جی بہت روشن خیال بن جاتی ہیں۔''
''نگار کی بات مت کرو۔'' وہ تنک پڑا۔
''کیوں نگار آسمان سے اتری ہے کیا۔'' وہ تڑخ کر بولی اور اس کے ہونٹ بھینچنے پر ایک دم دروازہ کھول کر اتری اور تیز قدموں سے چلتی گھر آ گئی۔ اسے جاذب پر جس قدر غصہ تھا اس سے کہیں زیادہ دکھ اس کی بزدلی پر تھا۔ محبت کے دعوے تو بہت کرتا تھا لیکن اتنی ہمت نہیں تھی کہ راحیلہ خاتون کی موجودگی میں اس سے بات کرسکے۔ وہ اگر اس کے لیے دل میں نرم گوشہ نہ رکھتی تو کب کی اس کی محبت پر لعنت بھیج چکی ہوتی۔ یہاں اپنے دل کے ہاتھوں وہ بھی مجبور تھی۔ جس نے لڑکپن کی حدود پار کرتے ہی اس کے نام پر دھڑکنا شروع کردیا تھا۔ پھر جاذب نے اس کی آنکھوں میں ایسے خواب سجائے تھے جن سے اب دستبردار ہونے کو وہ تیار ہی نہیں تھی۔ اس وقت وہ بری طرح جھنجلا رہی تھی' اسے گالیاں بھی دیں پھر ہمیشہ کی طرح سر جھٹک کر کچن میں آ گئی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔
''کیا پک رہا ہے؟'' وہ سالن بھون رہی تھی جب نگار نے آکر پوچھا تو وہ جل کر بولی۔
''بھیجا۔''
''بھیجا......'' نگار بدمزہ ہوکر چیخی۔ ''یہ بھیجا پکانے کا مشوہ کس نے دیا تم کو۔''
''کسی نے نہیں' اپنی مرضی سے پکا رہی ہوں۔''
''اوہو' تمہاری مرضی کب سے چلنے لگی۔'' نگار کے طنز کو اس نے کوئی اہمیت نہیں دی اپنے کام میں مصروف رہ کر بولی۔
''جب سے میں اس دنیا میں آئی ہوں۔''
''لیکن اس گھر میں تمہاری مرضی نہیں چلے گی۔ ایسا ہی شوق ہے تو اپنے گھر......''
نگار کی بات پوری ہونے سے پہلے وہ چمچ زور سے پتیلی میں پٹخ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ثریا جانے کہاں تھیں۔ اس نے دیکھنے' جاننے کی سعی نہیں کی اور سر تک چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ گو کہ اسے پہلی بار ایسا کچھ سننے کو نہیں ملا تھا وہ بچپن سے ایسی باتیں سنتی آ رہی تھی' کبھی کسی فرمائش پر کبھی بچکانہ ضد پر اور اس کے سارے شوق تو اس ایک بات کی نذر ہوئے تھے کہ یہ اس کے باپ کا گھر نہیں ہے اور اس کے باپ کا گھر کہاں تھا' وہ سوچتے سوچتے سو گئی تھی۔
پھر رات کے کھانے پر ثریا نے اسے اٹھایا تو وہ اٹھ تو گئی لیکن کھانے سے انکار کردیا۔
''بری بات بیٹا رزق سے منہ نہیں موڑتے' اللہ ناراض ہوتا ہے۔ چلو شاباش کھالو......'' ثریا نہ جانتے ہوئے بھی جان گئی تھی کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو وہ ناراض ہوکر سو گئی تھی۔
''نہیں کھاؤں گی۔'' اس کے غصے میں ضد بھی شامل ہوگئی۔
''کب تک بھوکی رہوگی۔'' ثریا نے نرمی سے اس کا گال چھوا تو وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔
''جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی۔''
''کیسا سچ' کیا جاننا چاہتی ہو تم۔'' ثریا عاجز ہوکر اسے دیکھنے لگی۔
''بہت کچھ' سب سے پہلے تو یہ بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟'' اس کے پوچھنے پر ایک لحظہ کو ثریا کا چہرہ تاریک ہوا تھا' پھر وہ بنا کچھ کہے

اٹھنا چاہتی تھیں کہ صبا نے سختی سے ان کی کلائی پکڑ لی۔

''بتائیں امی...... مجھے بتائیں میرے پاپا کہاں ہیں؟ ان کا گھر کہاں ہے؟''اس کا انداز ایسا جارحانہ تھا کہ اگر ابھی اسے نہیں بتایا گیا تو جانے وہ کیا کر ڈالے گی۔ ثریا نے خود کو بے بسی کی انتہاؤں پر محسوس کیا پھر بمشکل خود کو بولنے پر آمادہ کر کے گویا ہوئی۔

''اب مجھے نہیں پتا بیٹا کیونکہ میں جس گھر سے نکالی گئی تھی وہ گلشن اقبال میں تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے' جب تم دو سال کی تھیں اور نشاء چھ مہینے کی۔ اس کے بعد ماہ و سال کا حساب تم خود لگا لو۔ مجھے نہیں معلوم تمہارے پاپا نے کب وہ گھر چھوڑا اور کہاں چلے گئے؟ چاہے تم میرا یقین کرو یا نہ کرو یہی سچ ہے کہ مجھے تمہارے پاپا کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔''

''آپ نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی؟''اس نے پوچھا تو ثریا نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں...... میرا مطلب ہے نشاء کے لیے' کیا آپ کو یاد نہیں آتی' وہ چھ ماہ کی بچی' آپ کی مامتا نہیں تڑپتی اس کے لیے۔''وہ جانے اتنی سفاک کیسے ہوگئی تھی کہ ثریا کو کٹہرے میں کھینچ لائی تھی۔

''اگر ایسی ہی سنگ دل اور ظالم تھیں آپ تو مجھے بھی وہیں چھوڑ دیتیں کیوں لے آئیں اپنے ساتھ۔''

''صبا......''ثریا کا ہاتھ بے اختیار اٹھا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا۔ وہ سناٹے میں آ گئی۔

''ایسا ہی پچھتاوا ہے تو جاؤ چلی جاؤ' رہ لوں گی میں تمہارے بغیر بھی۔''ثریا نے کہہ تو دیا لیکن پھر اپنے آنسو نہیں روک سکی تھی۔

''امی......''صبا نے تڑپ کر اسے اپنی بانہوں میں لیا تھا۔



احسن اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ تانیہ آ گئی اور ان کے سامنے چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تو اب عنقریب تمہاری امریکا روانگی ہے۔''

''ہوں......''اثبات میں سر ہلاتے ہوئے احسن نے چیئر کی بیک سے ٹیک لگائی پھر پوچھنے لگے۔''ارادہ تو تمہارا بھی تھا پھر تم نے کینسل کیوں کر دیا؟''

''اپنی مما کی وجہ سے' حالانکہ وہ تو چاہتی ہیں کہ میں ہائر اسٹڈیز کے لیے امریکا جاؤں لیکن میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔''تانیہ نے کہا تو احسن چونک کر پوچھنے لگے۔

''کیا مطلب' گھر میں اور کوئی نہیں؟''

''نہیں بس میں اور مما ہیں۔ پانچ سال پہلے پاپا کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی۔''

''اوہ ویری سیڈ اور بہن بھائی؟''احسن کو واقعی افسوس ہوا اور خود پر حیرت بھی کہ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

''کوئی نہیں۔ اکلوتی ہوں۔''

''پھر تو تمہارا فیصلہ ٹھیک ہے۔ تمہیں اپنی مما کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔''انہوں نے کہا تو تانیہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''کیا کروں مما یہ بات نہیں مانتیں' کہتی ہیں جب تمہاری شادی ہو جائے گی تب بھی تو میں اکیلی ہو جاؤں گی۔''

''بات تو ان کی بھی ٹھیک ہے۔''وہ بے اختیار بولے۔

''یہ بھی ٹھیک ہے وہ بھی ٹھیک ہے' تو پھر غلط کیا ہے؟''تانیہ نے الجھ کر انہیں دیکھا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''اصل میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم وقت پر صحیح اور غلط میں تمیز نہیں کر پاتے' بس جو ہمیں بظاہر صحیح لگ رہا ہوتا ہے ہم اسے ہی صحیح مان لیتے ہیں۔ پھر باقی کا سارا وقت خود فریبی میں مبتلا رہتے ہیں۔''

''تم اپنی بات کرو' کیا تم مطمئن ہو۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ جس بھائی کی خاطر تم یہاں کی اچھی خاصی پریکٹس چھوڑ کر امریکا جا رہے ہو واپس آ کر اسے زندگی دے سکو گے؟''تانیہ نے ان کی ساری بات سن کر پوچھا تو ایک پل کو ان کا چہرہ تاریک ہوا تھا پھر فوراً سنبھل بھی گئے۔

''زندگی دینا میرا کام نہیں ہے تانیہ' مجھے اس کی بیماریوں سے لڑنا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اس کی تمام بیماریوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

''ان شاء اللہ۔''تانیہ نے خلوص دل سے کہا۔''میں تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی......اور ہاں تم نے اپنے بارے میں تو بتایا نہیں

آئی مین خود اپنے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟''
''فی الحال میرا ایک ہی مقصد ہے ایک ہی خواہش ہے کہ میرا بھائی ٹھیک ہو جائے' اس کے بعد اپنے بارے میں بھی سوچ لوں گا۔'' وہ ایک دم خاموش ہوئے پھر ٹیبل پر ذرا آگے جھک کر تانیہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔
''ایک بات بتاؤ' تم لڑکیوں کو گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت کیوں ہوتی ہے۔ سیدھے صاف لفظوں میں پوچھ لیا کرو۔ شادی کب کرو گے' کس سے کرو گے' کوئی چکر چل رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔''
''سوری' مجھے ایسا کچھ نہیں پوچھنا۔'' تانیہ فوراً انجان بن گئی وہ پھر بھی باز نہیں آئے۔
''شیور......'' ان کی آنکھوں میں ہلکی سی شرارت تھی۔ تانیہ کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اس کے ساتھ چل پڑے۔ لابی سے نکل کر کوریڈور میں آتے ہی تانیہ رک کر انہیں دیکھنے لگی۔
''کیا ہوا؟''
''اب تم سے کب ملاقات ہوگی' بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ پتا نہیں پھر کبھی تم سے ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں۔'' تانیہ نے ان کے ٹوکنے پر کہا تو وہ فوراً بولے تھے۔
''کیوں نہیں' میں واپس یہیں آؤں گا۔ یہاں سے مراد اسی شہر میں۔ ہاں اگر تم بیاہ کر کہیں دور دیس سدھار گئیں تب مشکل ہے۔ ناممکن پھر بھی نہیں۔''
''تم بہت عجیب ہو احسن۔'' وہ جانے کیوں چڑی تھی۔
''میں سمجھا نہیں۔'' وہ واقعی حیران ہوئے۔
''یہی تو ساری مشکل ہے کہ تم کچھ نہیں سمجھتے یا شاید سمجھنا چاہتے ہی نہیں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ تمہارے جانے کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے؟'' وہ خود ہی بات بدل گئی۔
''ہاں بس اب یہ چند دن اپنی فیملی کے ساتھ گزاروں گا۔ اس کے بعد فلائی کر جاؤں گا۔''
''فون کرو گے؟''
''کبھی کبھی۔'' انہوں نے کہتے ہوئے رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو ایک دم یاد آیا کہ انہیں نشاء کو کالج سے پک کرنا ہے۔
''اوہ سوری تانیہ' مجھے اپنی کزن کو پک کرنا ہے۔''
''کہاں سے؟''
''کالج سے۔ اوکے چلتا ہوں۔'' وہ بہت عجلت میں اسے خدا حافظ کہہ کر پارکنگ کی طرف بڑھے تھے۔
پھر بیس منٹ کا راستہ پندرہ منٹ میں طے کر کے وہ کالج پہنچے تو اپنے انتظار میں کھڑی نشاء کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹک گئے۔ وہ گھبرا گھبرا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور اس کے قریب کھڑا لڑکا جانے کون تھا اور نشاء سے کیا کہہ رہا تھا' ان کا بہر حال خون کھول گیا۔ فوراً دروازہ کھول کر گاڑی سے اترنا چاہتے تھے کہ اسی وقت نشاء کی ان پر نظر پڑی اور وہ تقریباً بھاگتی ہوئی آ کر گاڑی میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے نشاء کو دیکھا پھر اس لڑکے کو جو چند قدم نشاء کے پیچھے آ کر رک گیا تھا۔
''کون ہے؟'' انہوں نے نشاء سے پوچھا ٹھہرا ہوا سرد لہجہ تھا۔
''پپ...... پتا نہیں میں نہیں جانتی۔ بالکل نہیں جانتی۔'' وہ رو دینے کو ہو گئی تھی۔
''کچھ کہہ رہا تھا؟'' ان کا انداز ہنوز تھا۔
''نن...... نہیں کچھ نہیں۔ آپ چلیں ناں۔''
''تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ اس نے کچھ کہا ہے تو بتاؤ۔'' انہیں نشاء کے گھبرانے پر غصہ آ گیا۔
''میں نے کہا ناں اس نے کچھ نہیں کہا' بس آپ چلیں۔'' نشاء رونے لگی تو انہوں نے ایک نظر اس لڑکے کو دیکھا جو اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا' پھر جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔
''بند کرو رونا......'' نشاء خائف ہو کر اپنے آنسو پونچھنے لگی' پھر کنکھیوں سے انہیں دیکھا' ان کے ہونٹ بھینچے ہوئے اور پیشانی پر گہری لکیریں نمودار ہو گئی تھیں۔ نشاء مزید خائف ہو گئی۔ پھر گاڑی روکتے ہی وہ نشاء کی طرف دیکھے بغیر اس سے پہلے اتر کر اندر آ گئے اور سیدھے

اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ٹیلی فون کی بیل پر بلاارادہ انہوں نے رک کر ریسیور اٹھالیا تھا۔
''ہیلو......''
''نشاء سے بات کرادیں پلیز۔'' دوسری طرف غالباً وہی لڑکا تھا' احسن کے اعصاب تن گئے۔ خود پر کنٹرول کرتے ہوئے انہوں نے گردن موڑ کر دیکھا تو نشاء وہیں رک گئی۔
''تمہارا فون ہے۔'' انہوں نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ اسی طرح کھڑی رہی۔
''ریسیو کرو۔'' انہوں نے تحکم سے کہا اور ریسیور نیچے رکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ نشاء سہمی ہوئی آگے بڑھی اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔
''ہا......ہیلو۔'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔
''نشاء...... مجھے غلط مت سمجھو میں......'' نشاء نے گھبرا کر ریسیور رکھ دیا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔
احسن نے اس کے کانپتے وجود کو نوٹس کیا پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ کر اپنے کمرے میں بند ہوگئے تھے۔



نشاء خود کو گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ خود کو بیڈ پر گرا کر اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔
''اف' یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کون تھا وہ جو میرا نام بھی جانتا ہے اور گھر کا نمبر بھی' پہلے تو میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ اچانک کہاں سے آ گیا۔ اور احسن......'' اس کا دل ڈوبنے لگا۔
''احسن تو شاید یہ سمجھ رہے ہیں جیسے میں پہلے سے...... نہیں میں نہیں جانتی اسے' میں نہیں جانتی۔'' وہ آخری جملے کی تکرار کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی' وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی احسن کی بدگمانی نہیں۔ اپنی ساری ہمتیں یکجا کر کے وہ احسن کے دروازے پر آئی اور ہلکے سے دروازہ ناک کیا تو چند لمحوں کی تاخیر سے دروازہ کھولنے کے ساتھ ہی احسن نے ناگواری سے پوچھا تھا۔
''کیا بات ہے؟''
''آپ...... آپ کو میری بات کا یقین کیوں نہیں ہے۔'' وہ ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔
''کون سی بات کا؟'' ان کا انداز ہنوز تھا۔ البتہ اس کے لیے اندر آنے کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔
''وہ...... میں نے کہا ناں میں اسے نہیں جانتی۔ میں نے پہلے کبھی اسے نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں پتا وہ کون ہے اور مجھ سے کیا کہنا چاہ رہا تھا۔'' وہ الجھ الجھ کر بول رہی تھی۔
''میں نے تم سے کچھ کہا ہے' کچھ پوچھا ہے؟'' وہ کہتے ہوئے اس کی طرف سے رخ موڑ گئے تو وہ روہانسی ہوگئی۔
''بدگمان تو ہو رہے ہیں ناں اور مجھ سے آپ کی بدگمانی برداشت نہیں ہو رہی۔'' احسن کچھ نہیں بولے تو اس نے آنسو پونچھ کر پھر ہمت باندھی۔
''آپ جانتے ہیں' میری زندگی میری سوچیں اسی گھر سے شروع ہو کر اسی گھر پر ختم ہوتی ہیں۔ اس سے آگے کیا ہے' میں نے کبھی جاننے کی جستجو بھی نہیں کی' پھر آپ میرا یقین کیوں نہیں کر رہے۔ میں نہیں جانتی اسے۔''
''وہ تو تمہیں جانتا ہے۔'' وہ ایک دم اس کی طرف گھومے تھے۔ ''تمہارا نام پتہ سب' پورے یقین سے کہہ رہا تھا کہ نشاء سے بات کرادیں۔ کوئی اتنا کونفیڈینٹ کیسے ہو سکتا ہے؟'' ان کے شاکی انداز پر وہ رونے لگی۔
''آپ کا مطلب ہے میں......'' احسن اس کے رونے سے پریشان ہوگئے۔
''نہیں نشاء میں تمہیں الزام نہیں دے رہا' مجھے تم پر یقین ہے' بھروسہ ہے لیکن یہ بھی تو پتا چلے کہ وہ کون ہے؟ کیسے جانتا ہے تمہیں اور کیا چاہتا ہے' یا تم چاہتی ہو میں یہ ساری باتیں نظر انداز کر دوں۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ میں تو ایک دو دن میں چلا جاؤں گا پھر کیا تم اسے فیس کر سکو گی۔ بتاؤ؟'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔
''اسی لیے میں اس معاملے کو فوری حل کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ زور دے کر بولے۔ اس نے سر جھکا لیا تو قدرے رک کر کہنے لگے۔
''اپنے اندر کونفیڈنس پیدا کرو نشاء۔ زندگی کوئی کھیل نہیں ہے جسے تم اس چار دیواری کے اندر آرام سے گزار دوگی۔ اگر آگے کی جستجو نہیں

ہے تب بھی اپنا دفاع کرنا سیکھو‘ یا یونہی ہر ایک کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے کھڑی ہو جاؤ گی۔‘‘ نشاء نے سر نہیں اٹھایا پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی تو وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولے۔
’’اپنا نہیں تو میرا خیال کرو میں تمہیں ہمیشہ ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔‘‘
’’وہ......‘‘ بہت کوشش سے بھی وہ اسی قدر کہہ سکی۔
’’وہ نہیں میں...... میں اور تم......‘‘ انہوں نے اس کی آنکھ کے قریب ٹھہرا آنسو اپنی انگلی کی پور پر سمیٹا تو وہ ان کی قربت سے گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی پھر تیزی سے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔
احسن کی باتوں نے اس کے اندر حوصلہ پیدا کیا تھا‘ پھر بھی وہ اگلے دن کالج نہیں گئی۔ ساجدہ بیگم سے اس نے سر درد کا بہانا کر دیا اور کچھ دیر آرام کے بعد عادت کے مطابق سٹنگ روم کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی کہ احسن آ گئے۔
’’تم آج کالج نہیں گئیں۔‘‘ انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
’’نہیں اور کبھی جاؤں گی بھی نہیں۔‘‘ وہ جو سوچ رہی تھی بے اختیار کہہ بھی گئی۔
’’کیوں‘ کیوں نہیں جاؤ گی؟‘‘ وہ جارحانہ انداز میں اس کے قریب آئے تھے۔
’’بس جتنا پڑھنا تھا پڑھ لیا‘ مزید میرا دل نہیں چاہتا۔‘‘ وہ کہہ کر دوسری سمت بڑھی تھی کہ احسن نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچ لیا۔
’’دل نہیں چاہتا یا اس کے ڈر سے‘ بتاؤ۔ میرے سمجھانے کا یہ اثر لیا ہے تم نے۔ بجائے مقابلہ کرنے کے ڈر کے چھپ رہی ہو۔ وہ اگر یہاں آ گیا تو کہاں چھپو گی۔‘‘
’’مجھے نہیں پتا......‘‘ وہ خائف ہوئی۔
’’خبردار‘ جو روئیں تو اور سن لو تمہیں ہر صورت اپنی تعلیم جاری رکھنی ہے۔ یہ میری خواہش ہے۔ سمجھی تم۔‘‘ انہوں نے ڈانٹ کر کہا تو وہ روٹھ کر بولی۔
’’تو آپ ڈانٹ کیوں رہے ہیں؟‘‘
’’پیار سے سمجھتی جو نہیں ہو۔‘‘
’’سمجھ تو گئی ہوں۔‘‘ ہنوز روٹھا انداز تھا۔
’’کیا سمجھ گئی ہو۔‘‘
’’یہی کہ مجھے اپنی تعلیم جاری رکھنی ہے‘ کیونکہ یہ آپ کی خواہش ہے۔‘‘ اس نے ان کی بات دہرائی تو وہ فوراً بولے۔
’’میری ایک اور خواہش بھی ہے۔‘‘
’’کیا؟‘‘ وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تو احسن چند لمحے رک کر بولے۔
’’وعدہ کرو میرے جانے کے بعد محسن کا خیال رکھو گی۔‘‘
’’میں کیا اب خیال نہیں رکھتی۔‘‘ وہ شاکی ہوئی۔
’’رکھتی ہو لیکن اب تمہیں میری جگہ بھی لینی ہو گی۔ خاص طور پر دوا کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں ہونی چاہیے۔‘‘ انہوں نے کہا تو وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگی۔
’’کوئی زبردستی نہیں ہے نشاء‘ میرا مطلب ہے اگر تم یہ ذمے داری اٹھا سکو تب تو وعدہ کرنا ورنہ منع کر دو۔ میں ناراض نہیں ہوں گا۔‘‘
’’نہیں میں خیال رکھوں گی۔‘‘ وہ فوراً بول پڑی۔ ’’وعدہ کرتی ہوں مونی کی طرف سے کبھی بے پروائی نہیں کروں گی۔‘‘
’’تھینک یو...... تھینک یو نشاء......‘‘ انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما تو وہ نروس ہوئی۔

......☆☆☆......

صبا بنٹی سے ضروری کام کا کہہ کر جلدی وہاں سے نکل آئی تھی۔ پھر اس نے گلشن اقبال جہاں کا ایڈریس اس نے ثریا سے لیا تھا وہاں اپنے پاپا بلال احمد کے بارے میں معلوم کیا اور یہ جان کر بلال احمد پندرہ سال پہلے وہ گھر فروخت کر چکے تھے وہ سخت مایوس گھر لوٹی تھی‘ اس کے انداز میں عجیب سی تھکن تھی جب ہی ثریا نے ٹوکا تھا۔
’’کہاں سے آ رہی ہو؟‘‘ اس نے جواب نہیں دیا‘ جھک کر اپنے پیروں سے سینڈل اترنے لگی تو ثریا اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں۔

''میں کچھ پوچھ رہی ہوں صبا' کہاں گئی تھیں؟''
''اپنے پاپا کا پتا کرنے۔'' وہ چڑ کر بولی پھر ثریا کو دیکھا وہ شاکڈ حالت میں کھڑی تھیں۔
''امی پلیز۔'' وہ تنگ ہو کر بولی۔ ''اب یہ مت پوچھیے گا کیوں کس لیے؟''
''یہ تو پوچھ سکتی ہوں ایسی کیا ضرورت آن پڑی تھی؟'' ثریا اس کی ناگواری پر افسوس سے بولی۔
''ضرورت...... پاپا سے میرا ضرورت کا نہیں خون کا رشتہ ہے امی۔ میں ان کے وجود کا حصہ ہوں۔ خود کو ادھورا محسوس کرتی ہوں ان کے بغیر۔'' ثریا نے اس کی بات سن کر منہ موڑ لیا تو اس نے اٹھ کر انہیں کندھوں سے تھاما۔
''امی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا رہی' میں صرف اپنی حیثیت کا تعین کرنا چاہتی ہوں' یہاں میری اور آپ کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہی' آپ یہاں بیٹھیں۔'' وہ ثریا کو بٹھا کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔
''امی اگر آپ نہیں چاہتیں تو میں پھر ایسی کوئی کوشش نہیں کروں گی۔ لیکن یہ آپ کو بتا دوں کہ مجھے آپ کی طرح نہیں بننا۔ آپ کی طرح اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر میں نہیں جی سکتی۔ میں اپنی مرضی کروں گی' کوئی نہیں روکے گا مجھے۔'' ثریا نے بے حد پریشان ہو کر اسے دیکھا تب ہی راحیلہ خاتون نے دروازہ دھکیل کر اسے پکارا۔
''ثریا۔''
''جی بھابی۔'' ثریا عادت کے مطابق فوراً متوجہ ہوئی تھیں۔
''ابھی چائے پر ذرا اچھا انتظام کر دو۔ کچھ مہمان آ رہے ہیں۔'' پھر صبا کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔ ''اسے بھی سمجھا دو مہمانوں کے سامنے ڈھنگ سے آئے۔''
''جی۔'' ثریا کا انداز نا سمجھنے والا تھا جس پر راحیلہ خاتون کو آگ لگ گئی۔
''کیا جی' ننھی بچی ہو جو سمجھ نہیں رہیں۔ اسی صبا کے لیے آ رہے ہیں مہمان' ایک جگہ بات چلائی ہے میں نے اس کی' اب سمجھیں۔''
''میں سمجھ گئی مامی جی۔ آپ فکر نہ کریں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ راحیلہ خاتون نخوت سے سر جھٹکتی چلی گئیں تو وہ ثریا سے بولی۔
''دیکھ لیا آپ نے۔''
''بس چپ ہو جاؤ۔ میں چائے بنانے جا رہی ہوں' تم جب تک تیار ہو جاؤ۔'' ثریا نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ تاسف سے بولی۔
''تو آپ بھی یہی چاہتی ہیں۔''
''ہاں' میں چاہتی ہوں تم عزت سے اپنے گھر رخصت ہو جاؤ۔'' ثریا کہہ کر چلی گئیں تو اس نے سلگ کر کچھ سوچا پھر تیزی سے جاذب کے کمرے میں آتے ہی اس پر چڑھ دوڑی۔
''تمہیں پتا ہے جازی یہاں کیا ہو رہا ہے؟''
''کیا ہو رہا ہے۔'' اس کے آرام سے پوچھنے پر وہ مزید سلگی۔
''انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے تم سب جانتے ہو۔''
''کیا ہو گیا ہے صبا' تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا۔ اپنے آپ جو چاہے سمجھ لیتی ہو' اصل بات بتاؤ۔'' وہ زچ ہوا۔
''ابھی کچھ لوگ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں اسپیشل مجھے دیکھنے۔'' اس نے زور دے کر اپنی طرف اشارہ کیا تو جاذب پریشان ہو گیا۔
''کیا...... یہ سلسلہ......''
''تمہاری امی چلا رہی ہیں۔'' وہ فوراً بولی۔
''نہیں...... یہ نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔
''تو پھر جاؤ کرو اپنی امی سے بات۔''
''ہاں میں کروں گا۔ امی سے بات کروں گا لیکن وقت آنے پر۔'' جاذب کے گڑبڑانے پر وہ تلملا گئی۔
''اور کون سا وقت آئے گا؟''
''صبا پلیز......'' وہ عاجزی پر اتر آیا۔ ''تم جانتی ہو' امی کیا چاہتی ہیں۔ وہ جب تک نگار کی شادی نہیں کر لیں گی میرا سوچیں گی بھی نہیں۔''

''اورانہوں نے میرا سوچ لیا ہے۔ بہت کھلتی ہوں میں انہیں اور وہ اسی طرح مجھے گھر سے نکال سکتی ہیں۔'' وہ غصے میں چبا چبا کر بول رہی تھی۔

''نہیں، تم میری ہو، صرف میری۔'' جاذب نے کہا تو اس نے سر جھٹکا۔

''خالی باتیں۔''

''خالی باتیں نہیں ہیں صبا۔ دل سے چاہتا ہوں تمہیں۔ اچھا ابھی تم ایک کام کرو، کسی طرح ٹالو ان مہمانوں کو، پھر میں امی سے بات کروں گا۔'' جاذب نے اسے اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے کمرے سے نکلی اور اپنے کمرے میں یوں بند ہوئی کہ مہمانوں کے آنے پر بھی نہیں نکلی۔ ثریا عاجزی سے اور راحیلہ خاتون غصے سے پکارتی رہیں لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ پھر کتنی دیر بعد یقیناً مہمان رخصت ہو چکے تھے جب ہی راحیلہ خاتون چلا چلا کر بول رہی تھیں۔ وہ اس کی ماں کو بے نقط سنا رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ اسے بھی برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اس نے خود پر بہت جبر کیا تھا، جب خاموشی چھا گئی اور دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تب اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ ثریا مرے مرے قدموں سے اندر آئی اور دیوار سے لگ کر رونے لگیں تو وہ تڑپ گئی۔

''امی......''

''مت کہو مجھے امی۔ میں نہیں ہوں تمہاری ماں۔'' ثریا نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

''امی پلیز ایسے مت کریں۔ میری بات سنیں۔''

''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بات۔ نہیں سننی۔'' ثریا نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے، وہ سسک رہی تھیں۔

''خدا کے لیے روئیں نہیں امی۔ میں مر جاؤں گی۔ آپ میری بات تو سنیں۔ میں نے جو کیا جاذب کے کہنے پر کیا۔'' اس کی آخری بات پر ثریا ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔



احسن کل جا رہے تھے اور انہوں نے تو بہت چاہا تھا کہ وہ محسن کو اپنے ساتھ امریکا لے جائیں، جلال احمد بھی اس سے متفق تھے لیکن ساجدہ بیگم کسی طرح مان کے نہیں دیں۔ محسن کو اتنے لمبے سفر پر بھیجنے کو ان کا دل آمادہ ہی نہیں ہو سکا۔ ماں تھیں واہموں میں گھری رہتی تھیں۔ جلال احمد نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ محسن امریکا سے بھلا چنگا ہو کر واپس آئے گا، لیکن ان کی ایک ہی رٹ تھی۔ میرا بچہ کمزور ہے، میں اسے نظروں سے اوجھل نہیں کر سکتی، جو علاج ہونا ہے یہیں ہوگا، آخر جلال احمد اور احسن بھی خاموش ہو گئے تھے اور اب احسن جا رہے تھے تو انہیں یہاں کی فکر بھی تھی۔ اس وقت وہ جانے کیا کچھ سوچتے ہوئے محسن کے کمرے میں آئے تو اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئے۔

محسن چیئر کی بیک پر سر رکھے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ احسن کے دل کو کچھ ہونے لگا۔ بمشکل خود پر قابو پا کر وہ آگے بڑھے تو آہٹ پر محسن نے آنکھیں کھول دیں۔

''کس کے خیالوں میں گم تھے؟'' احسن قصداً مسکرائے تھے۔

''مذاق مت کریں بھائی، میرے خیالوں میں کون آئے گا۔'' جواباً محسن کی مسکراہٹ افسردگی میں لپٹی ہوئی تھی۔

''کیوں...... تم نے کیا نو ویکنسی کا بورڈ لگا رکھا ہے۔'' انہوں نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا۔ ''میں اگر مخل ہوا ہوں تو چلا جاتا ہوں۔''

''ارے نہیں بھائی۔'' محسن سیدھا ہو بیٹھا۔ ''آیئے بیٹھیں، میں خود آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''دیکھو مایوسی کی باتیں مت کرنا۔'' احسن نے وارننگ دی تو وہ دکھ سے کہنے لگا۔

''جسے آپ مایوسی سمجھتے ہیں وہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ آپ نہ میرے لیے ہلکان ہوں بھائی، جتنی میری زندگی ہے مجھے اتنا ہی جینا ہے نہ ایک دن کم نہ ایک دن زیادہ۔''

''سب کے ساتھ ایسا ہی ہے۔'' احسن ایک دم سنجیدہ ہو گئے تھے۔ ''مجھے دیکھو میں خود کو بہت توانا محسوس کر رہا ہوں، اس کے باوجود یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں کل کا سورج ضرور دیکھوں گا۔ ہو سکتا ہے یہیں کھڑے کھڑے میرا ہارٹ فیل ہو جائے۔''

''فار گاڈ سیک بھائی۔'' محسن تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں، درد ہوا ناں۔ مجھے بھی درد ہوتا ہے، جب تم مایوسی کی باتیں کرتے ہو۔'' احسن نے اسے کندھوں سے تھام لیا پھر کہنے لگے۔

''امید پر دنیا قائم ہے مونی' تم اپنے اندر جینے کی امنگ پیدا کرو' تمہاری زندگی خواہ ایک دن کی کیوں نہ ہو' میں چاہتا ہوں تم اس ایک دن کو بھرپور انداز میں گزارو۔''

''جو آپ چاہتے ہیں شاید ممکن نہیں ہے۔'' محسن بے چارگی سے بولا۔

''کیوں ممکن نہیں۔ مجھے یقین ہے میری یہ خواہش ضرور پوری ہوگی۔ تم ایک دن نہیں ایک سال نہیں بلکہ سالہا سال خود پر رشک کرو گے۔'' ان کے یقین پر محسن کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں مونی۔ خود پر سے بے چارگی کا خول اتار پھینکو۔ میرے جانے کے بعد امی ابو کا خیال تمہیں رکھنا ہے۔ اور وہ...... اس گھر میں ایک بے وقوف سی لڑکی ہے نشاء' اسے بھی دیکھنا ہے' اب یہ سب تمہاری ذمہ داری ہے۔'' انہوں نے کہا تو محسن نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''میں...... میں تو خود...... نہیں بھائی۔''

''کیوں نہیں......'' وہ فوراً ٹوک کر بولے۔ ''ذمہ داری کا احساس انسان کی زندگی بڑھاتا ہے۔ صرف اپنا سوچنے والے لوگ بہت جلدی مر جاتے ہیں خواہ وہ کتنے خوش باش اور توانا کیوں نہ ہوں۔ سمجھ رہے ہو ناں۔'' محسن نے محض ان کا دل رکھنے کی خاطر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''گڈ...... اور ہاں تمہیں کیا بات کرنی تھی؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا تو محسن نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''چلو پھر تم آرام کرو۔'' وہ اس کا کندھا تھپک کر اس کے کمرے سے نکل آئے اور لاؤنج میں نظر ڈالتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے تو ساجدہ بیگم ان کے لیے دودھ کا گلاس لیے بیٹھی تھیں۔

''کہاں تھے تم......'' ساجدہ بیگم نے پوچھا تو وہ ان کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

''محسن کے پاس تھا۔''

''سویا نہیں محسن؟''

''بس اب سو رہا ہے۔'' انہوں نے دودھ کا گلاس لے کر ایک ہی سانس میں پی لیا' پھر گلاس رکھ کر بولے۔ ''ایک بات کہنی ہے امی۔''

''کہو۔'' ساجدہ بیگم ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''یوں تو آپ سب جانتی ہیں پھر بھی میں سمجھتا ہوں مجھے کہہ دینا چاہیے کہ نشاء......'' وہ خاموش ہو گئے۔

''کیا نشاء......؟'' ساجدہ بیگم نے ٹوکا تب بھی وہ رک کر بولے تھے۔

''میں نشاء کو پسند کرتا ہوں امی۔ پسند سے میری مراد اس سے شادی......''

''سوچا تو میں نے بھی ایسا ہی ہے بیٹا' لیکن مونی......'' ساجدہ بیگم جانے کیا سوچنے لگی تھیں۔

''مونی پہلے ہے امی۔'' وہ زور دے کر بولے۔ ''جب تک مونی ٹھیک نہیں ہو جاتا میں اپنے بارے میں نہیں سوچوں گا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں ہے بیٹا۔''

''میں جانتا ہوں لیکن میں آپ کو بتا رہا ہوں' نشاء کے لیے میں نے اس لیے کہہ دیا کہ وہ لڑکی ہے' اس کے پروپوزل آسکتے ہیں' تو ایسی صورت میں آپ کو صرف یہ یاد رکھنا ہے کہ نشاء اسی گھر میں رہے گی۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔'' ان کی وضاحت پر ساجدہ بیگم بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

اور پھر اگلے دن جانے سے کچھ دیر پہلے انہیں نشاء سے تنہائی میں ملنے کا موقع مل ہی گیا تھا۔

''میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے کیا مجھے خدا حافظ نہیں کہو گی۔'' انہوں نے کہا تو نشاء نے جھجکتے ہوئے ہاتھ میں پکڑی سلور کلر کی چین ان کی کلائی میں ڈال دی۔

''اسے میں کیا نام دوں؟'' وہ ایک نظر چین پر ڈال کر اسے دیکھنے لگے۔

''یونہی کچھ مت کہہ دیجیے گا۔ جب ایسا کوئی وقت آئے جب آپ کو لگے کہ یہ آپ کے لیے کتنی اہم ہے تب خود بخود اسے عنوان مل جائے گا۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''تم جانے کس وقت کی بات کر رہی ہو' مجھے تو ابھی لگ رہا ہے جیسے میری زندگی میری سانسیں اس کے ساتھ جڑ گئی ہوں۔ میں گھبرا رہا

تھا نشاء کہ اتنا لمبا سفر اکیلے کیسے کٹے گا لیکن اب نہیں...... اب تم میرے ساتھ ساتھ رہو گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرائے اور اسے اپنی محبتوں کے حصار میں چھوڑ کر رخصت ہو گئے تھے۔



وہ جاذب کے ساتھ آ تو گئی تھی لیکن اس کا موڈ سخت آف تھا۔ اس کے بار بار کہنے پر بھی کھانے کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی تھی۔ آخر وہ زچ ہو گیا۔

''یار اب مان بھی جاؤ' دیکھو کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میں صرف ایک بات سننا چاہتی ہوں۔'' اس نے تڑخ کر کہا تو وہ فوراً بولا۔

''ہزار بار کہہ سکتا ہوں' میں تم سے محبت کرتا ہوں' تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔''

''شٹ اپ' میں صرف یہ سننا چاہتی ہوں کہ تم آج مامی جی سے میری اور اپنی بات کرو گے' بس......'' اس کے ضدی انداز پر وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''کروں گا بابا کروں گا لیکن......''

''کوئی لیکن ویکن نہیں' تم آج ہی بات کرو گے سمجھے۔'' اس نے ٹوک کر کہا تو جاذب خاموش ہو گیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا جازی کہ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ وہ جو لڑکی ہے نگار وہ تو بڑے آرام سے مامی جی کے ساتھ اپنی شادی کی باتیں کر رہی ہوتی ہے اور تم مرد ہو کر......''

''بس خاموش ہو جاؤ۔'' جاذب نے ہاتھ اٹھا کر کہا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''جا رہی ہوں میں' اب تم سے کبھی بات نہیں کروں گی۔''

''ارے رے' یہ کھانا۔'' وہ بوکھلا گیا۔

''اپنی اماں کے لیے پیک کروا لو۔'' وہ جل کر بولی اور اسے وہیں چھوڑ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ جانتی تھی جاذب فوراً اس کے پیچھے نہیں آ سکتا۔ کھانا پیک کروانے اور بل کی ادائیگی میں کچھ وقت لگنا تھا اور اس نے اس کا انتظار نہیں کیا رکشہ کر کے گھر آ گئی۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ثریا کا بھی نہیں لیکن آگے کمرے میں ثریا کے ساتھ راحیلہ خاتون بھی موجود تھیں۔ جو خلاف عادت بہت آرام سے بات کر رہی تھیں۔ وہ ٹھٹک کر دروازے میں ہی رک گئی اور انہیں سننے لگی۔

''دیکھو ثریا' ہم پر تم اور تمہاری لڑکی بھاری نہیں ہے' میں جو کر رہی ہوں صبا کے بھلے کے لیے کر رہی ہوں یا تمہیں میری نیت پر شبہ ہے۔''

''نہیں بھابی' اللہ نہ کرے جو میں کبھی آپ کی نیت پر شبہ کروں۔'' یہ اس کی ماں تھی۔

''تو پھر سمجھاؤ صبا کو' اچھے رشتے آنے کی یہی عمر ہوتی ہے' دو چار سال اور نکل گئے تو پھر کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔''

''جی بھابی' بس وہ صبا کو جاب کا شوق......''

''شوق پر پابندی نہیں ہے۔'' راحیلہ خاتون فوراً ثریا کی بات کاٹ کر کہنے لگیں۔ ''شادی کے بعد پورے کر لے گی سارے شوق۔ اس دن میں نے مہمانوں کے سامنے بات بنا دی تھی کہ لڑکی کو اچانک بخار ہو گیا اس لیے وہ سامنے نہیں آنا چاہتی تو یقین کرو انہوں نے بالکل برا نہیں مانا بہت اچھے لوگ ہیں۔''

''آپ نے بھیا سے بات کر لی؟'' ثریا نے جانے کیوں پوچھا تھا۔

''لو تمہارے بھیا کو کیا اعتراض ہو گا' ان کی بھانجی خیر سے اپنے گھر کی ہو جائے گی تو انہیں خوشی ہو گی۔'' راحیلہ خاتون نے کہا تو اب وہ خود کو نہیں روک سکی آگے بڑھ کر بولی تھی۔

''اس سے زیادہ خوشی ماموں جی کو نگار کی شادی کی ہو گی' تو مامی جی اچھا ہو گا جو آپ پہلے نگار کی شادی کا سوچیں۔ یوں بھی وہ بڑی ہے مجھ سے۔''

''ارے دو سال کے فرق سے کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔'' راحیلہ خاتون کو اس کی آمد اور پھر مداخلت سخت گراں گزری تھی جبکہ ثریا نہ صرف بوکھلائی بلکہ اسے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کرنے لگی۔

''چلیں آپ نہ سمجھیں پھر بھی پہلے نگار کی شادی ہو گی۔'' وہ کہہ کر واش روم میں بند ہو گئی اور جب منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو راحیلہ خاتون

کمرے سے جا چکی تھیں۔ اس نے شکر کیا پھر ثریا کے پاس بیٹھتے ہی پوچھنے لگی۔
''امی، جاذب اتنا بزدل کیوں ہے جبکہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ مامی جی سے اپنے بارے میں بات کر سکے۔''
''اصل میں بیٹا تمہاری مامی جی نے شروع سے اسے بہت رعب میں رکھا۔ ہر بات میں روک ٹوک کرتی تھیں۔''
''صرف جاذی پر کیوں، نگار بھی تو تھی۔''
''ہاں لیکن وہ ہر وقت جاذب کے سر پر سوار رہتی تھیں۔'' ثریا سادگی سے بتا رہی تھیں۔
''تاکہ ساری عمر اسے اپنے اشاروں پر چلا سکیں۔ یہی بات ہے ناں۔ بہت خود غرض ہیں مامی جی، انہیں صرف اپنا خیال رہا یہ نہیں سوچا ان کی بے جا سختی سے جاذب کی شخصیت پر کیا اثر پڑے گا۔'' اس کے لہجے میں افسوس کے ساتھ تلخی بھی سمٹ آئی تھی۔
''خیر برے اثرات تو نہیں پڑے۔ ماشاءاللہ پڑھ لکھ گیا ہے۔'' ثریا کے لہجے میں بھتیجے کی محبت تھی۔
''بس رہنے دیں امی، پڑھ لکھ کر بھی اس میں کونفیڈنس نہیں آیا۔ من من کرتا ہے مامی جی کے سامنے۔ میرا خیال ہے اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔'' آخری بات وہ روانی میں کہہ گئی اور ثریا اچھل پڑیں۔
''کیا مطلب ہے تمہارا، تم کیا کرو گی؟''
''یا اللہ، ایک تو آپ پریشان جلدی ہو جاتی ہیں۔ کچھ نہیں کر رہی میں۔ بس تماشا دیکھتی رہوں گی۔'' وہ چڑی تھی۔
پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ اس نے خان جنید کا آفس بھی جوائن کر لیا تھا۔ صبح نو سے بارہ بجے تک وہ بنٹی کے ساتھ رہتی پھر ڈرائیور اسے آفس پہنچا دیتا جہاں سے پانچ چھ بجے اس کی گھر واپسی ہوتی تھی۔ اس وقت وہ اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ خان جنید نے اسے روک لیا۔ باہر سے کوئی ڈیلی گیشن آیا تھا جن کے ساتھ میٹنگ میں خان جنید اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ یہ آفیشل میٹنگ تھی جس میں دیر بھی ہو سکتی تھی، اس لیے اس نے پہلے گھر فون کیا تو ادھر سے راحیلہ خاتون نے فون اٹھایا تھا۔
''ہیلو......''
''مامی جی، مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی۔ آپ امی کو بتا دیں ورنہ وہ پریشان ہو جائیں گی۔'' اس نے راحیلہ خاتون کی آواز سنتے ہی کہا تو جواب دیئے بغیر انہوں نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔
اس نے افسوس سے اپنے سیل فون کو دیکھا پھر گہری سانس کھینچی تھی۔



ثریا جلے پیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں چکرا رہی تھیں۔ نو بج گئے تھے اور صبا ابھی تک نہیں آئی تھی۔ ثریا کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ صبا نے دیر سے آنے کا فون کیا تھا۔ جب ہی ان کی پریشانی فطری تھی اور وہ یہ بھی سمجھ رہی تھیں کہ شاید گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہے کہ صبا ابھی تک نہیں آئی، اس لیے وہ خود سے بتانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں لیکن اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئیں تو وہاں راحیلہ خاتون کے ساتھ نگار اور جاذب بھی موجود تھا۔
''آیئے پھپو بیٹھیں۔'' جاذب انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تو راحیلہ خاتون فوراً بولیں۔
''ہاں بیٹھو ثریا کبھی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔''
''جی بھابی وہ......'' ثریا نے پریشانی سے جاذب کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔
''کیا بات ہے پھپو؟''
''وہ بیٹا......صبا ابھی تک نہیں آئی۔'' ثریا نے بمشکل بتایا تو نگار چیخ نما آواز کے ساتھ بولی۔
''کیا......صبا نہیں آئی ابھی تک۔''
''غضب خدا کا اتنی رات ہو گئی، اس وقت کون سا آفس کھلا رہتا ہے۔'' راحیلہ خاتون اسی انتظار میں تو بیٹھی تھیں۔
''میں معلوم کرتا ہوں۔'' جاذب نے فوراً جیب سے سیل فون نکال کر صبا کا نمبر پش کیا تھا لیکن پاور آف سن کر وہ مایوس ہوا تو ثریا نے فوراً پوچھا۔
''کیا ہوا بیٹا؟''
''ارے ہونا کیا ہے۔'' راحیلہ خاتون بول پڑیں۔ ''لڑکی تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور اس کے لیے تم کسی کو الزام نہیں دے سکتیں۔ خود

ذمہ دار ہو توبہ توبہ جوان جہان لڑکی اور تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو جاؤ اپنے کمرے میں۔'' آخر میں جاذب کو گھر کا تو وہ ثریا سے نظریں چرا کر جانے لگا تھا کہ سلیم احمد کو آتے دیکھ کر رک گیا۔

''کیا ہوا؟'' سلیم احمد یقیناً راحیلہ خاتون کی تیز آواز سن کر کمرے سے نکلے تھے۔

''وہ ابو صبا......'' نگار بتانا چاہتی تھی کہ صبا آ گئی۔

''السلام علیکم!'' صبا نے ایک ساتھ سب کو سلام کیا تو سلیم احمد تعجب سے پوچھنے لگے۔

''تم اس وقت آفس سے آ رہی ہو؟''

''جی ماموں جی دیر ہو گئی۔ اصل میں آج باہر سے ایک ڈیلی گیشن آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ میٹنگ میں باس کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑا۔ وہیں دیر ہو گئی۔'' صبا نے سہولت سے جواب دیتے ہوئے ثریا کا دھواں دھواں چہرہ دیکھا تھا۔

''ایسی بات ہوا کرے بیٹا تو پہلے سے بتا دیا کرو یا فون ہی کر دیتیں۔'' سلیم احمد نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''میں نے فون کیا تھا ماموں جی۔'' پھر راحیلہ خاتون کو دیکھ کر بظاہر سادہ انداز میں بولی تھی۔ ''کیوں مامی جی میں نے آپ کو فون کر کے بتایا تھا ناں کہ مجھے آنے میں دیر ہو جائے گی۔''

''ہاں فون آیا تو تھا تمہارا لیکن دیر سویر کی بات تو تم نے نہیں کی تھی۔'' راحیلہ خاتون صاف مکر گئیں۔

''آپ بھول رہی ہیں مامی جی۔'' صبا نے بہت ضبط سے کہا تو راحیلہ خاتون بگڑ گئیں۔

''ارے اگر بھول گئی تھی تو اس وقت یاد آ جاتا جب ثریا کو پریشان دیکھ رہی تھی، کہتی اس سے، کہ بی بی پریشان مت ہو، تم نے دیر سے آنے کو کہا ہے۔''

''ارے بیگم ناراض کیوں ہو رہی ہو، چلو صبا بھول گئی ہو گی۔'' سلیم احمد نے بات ختم کرنا چاہی۔

''ہاں شاید میں ہی بھول جاتی ہوں۔'' صبا دکھ سے کہتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی تو ثریا اس کے پیچھے لپکی تھیں۔

''یہ کیا کر رہی ہو، کیوں مامی کا غصہ ادھر نکال رہی ہو۔'' ثریا نے صبا کو الماری سے کپڑے نکال کر پھینکتے دیکھ کر ٹوکا تو وہ غصے سے بولی۔

''تو کیا کروں؟ مامی کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں دیتیں ورنہ میں......''

''کیا چاہتی ہو تم، یہ جو سر چھپانے کی جگہ ہے یہ بھی چھن جائے۔'' ثریا نے اسے دھکیل کر الماری بند کی تو وہ اور بپھر گئی۔

''کیوں چھن جائے، یہ گھر مامی جی کا نہیں ہے اور نہ ہی ماموں جی نے بنوایا تھا۔ نانا ابا کا گھر ہے اور اس پر آپ کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا۔''

''حق کی بات مت کرو، میرا کوئی حق نہیں۔'' ثریا نظریں چرا کر بولی تھیں۔

''یوں کہیں آپ کو اپنا حق منوانا نہیں آتا۔ دوسروں کی چاکری کرنے کا شوق ہے آپ کو۔''

''پھر وہی دوسرے...... یہاں کوئی دوسرا نہیں، سب میرے اپنے ہیں۔'' ثریا نے ٹوک کر کہا تو صبا افسوس سے بولی۔

''ہاں اپنے، وہ بھی آپ کو اپنا سمجھیں تب ناں۔''

''بیٹا کیوں بے کار باتوں میں الجھتی ہو۔ ادھر آؤ میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' ثریا نے عاجزی سے اسے پچکارا تو وہ زچ ہو گئی۔

''بس امی، نہ مجھے اموشنل بلیک میل کیا کریں، میں صرف آپ کی وجہ سے کمزور پڑ جاتی ہوں۔'' وہ ثریا کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''مصلحت کا تقاضا یہی ہے بیٹا کہ ہم خاموش رہیں۔'' ثریا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے آزردگی میں گھر گئی تھیں۔

❦

# ترے عشق نچایا ...... نگہت عبداللہ

پہلے حصہ کا خلاصہ

جلال احمد کا شمار متوسط طبقے کے لوگوں میں ہوتا ہے احسن اور محسن ان کے بیٹے ہیں۔ احسن اپنی کزن نشاء کو پسند کرتا ہے جو اپنے والدین میں علیحدگی کے سبب انہی کے گھر میں پل کر بڑی ہوتی ہے۔ نشاء کے والد بلال احمد بیٹی کی ذمہ داری ساجدہ بیگم کو سونپ کر بیرون ملک سیٹل ہو جاتے ہیں اور وہیں شادی کر لیتے ہیں۔ محسن پیدائشی طور پر دمہ کا مریض ہوتا ہے اور اپنی زندگی سے مایوس بھی جبکہ اپنے بھائی کے علاج کی خاطر احسن اسپیشلائزیشن کے لیے ملک سے باہر جاتا ہے تا کہ ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کا علاج کر سکے جانے سے قبل وہ نشاء کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر کے نشاء کو انتظار کی گھڑی سونپ جاتا ہے۔ دوسرا گھرانہ سلیم احمد اور راحیلہ خاتون کا ہے جو حاکمانہ مزاج کی خاتون ہیں ثریا اور صبا بلال احمد کے بعد انہی کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔ جاذب صبا کو پسند کرتا ہے لیکن راحیلہ خاتون کی روک ٹوک کے سبب اپنے جذبات کا کھل کر اظہار نہیں کر پاتا جبکہ نگار اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہے۔ خان جنید مشہور بزنس مین ہوتے ہیں لیکن اپنے معذور بیٹے کے سبب متفکر رہتے ہیں۔ جب ہی بیٹے کی ذمہ داری سنبھالنے کیلئے وہ صبا کا انتخاب کرتے ہیں۔ صبا اسے خودترسی کی کیفیت سے نکالنے کی بھرپور سعی کرتی ہے۔ صبا کی صاف گو طبیعت کی بناء پر اپنی ممانی راحیلہ خاتون سے نہیں بن پاتی۔ دوسری طرف وہ اسے گھر سے نکالنے کے لیے آئے دن اس کے رشتے تلاشتی رہتی ہیں جبکہ صبا بھی جاذب کو پسند کرتی ہے لیکن جاذب کی بزدلانہ سوچ اسے متفکر کیے رکھتی ہے ثریا کی زبانی اسے اپنے باپ بلال احمد اور اپنی بہن نشاء کا پتا چلتا ہے تو وہ اس جگہ پہنچ کر ان کی تلاش شروع کر دیتی ہے لیکن سوائے مایوسی کے اسے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ ان حالات کی ذمہ دار وہ اپنی ماں کو ٹھہراتی ہے جبکہ ثریا بیگم اپنی صفائی میں کچھ بھی نہیں کہہ پاتیں۔ کالج کے باہر نشاء سے ایک انجان لڑکا بات چیت کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اسے نظر انداز کر دیتی ہے اور کچھ دن کالج بھی نہیں جاتی تا کہ وہ اسے بھول جائے لیکن نشاء کا اندازہ اس وقت غلط ثابت ہوتا ہے جب اس شخص کا فون نشاء کے لیے آتا ہے ایسے میں وہ سخت اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیں

......☆☆☆......

''اٹھو مونی دوا پی لو۔'' نشاء نے گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے کہا پھر محسن کو دیکھا اس نے آنکھوں پر سے بازو نہیں ہٹایا تھا۔

''جلدی اٹھو مونی' مجھے اور بھی کام ہیں۔'' اس نے محسن کا ہاتھ ہلایا تب وہ بازو نیچے کر کے کہنے لگا۔

''اتنے سارے کاموں میں تمہیں مجھے دوا دینے کا یہ ایک کام کیسے یاد رہ جاتا ہے' وہ بھی وقت پر۔ میرا خیال ہے اس پوری دنیا میں کوئی کام اتنی پابندی سے وقت پر نہیں ہوتا ہوگا جس پابندی سے تم مجھے دوا دیتی ہو۔''

''اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ' یہ لو۔'' اس نے پانی کا گلاس لے کر ٹیبلٹ حلق سے اتاری۔

''نہیں بتاؤ تو آخر کو انسان ہو بھول بھی سکتی ہو۔''

''میں سب کچھ بھول سکتی ہوں' مونی یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی لیکن ایک یہی کام نہیں بھول سکتی۔'' وہ کہتے ہوئے کہیں کھوگئی تھی۔

''کیوں...... کیوں نہیں بھول سکتی۔'' محسن نے جرح کی تو وہ چونک کر بولی۔

''تا کہ تم جلدی ٹھیک ہو جاؤ۔''

''تم کیا سمجھتی ہو یہ دوائیں مجھے ٹھیک کر دیں گی۔ بے وقوف' دوا تو اس وقت سے میرے منہ کو لگی ہے جب میں نے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ اگر اس میں میرے لیے شفا ہوتی تو میں کب کا ٹھیک ہو گیا ہوتا۔'' وہ قدرے تلخ ہوا تھا۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گے مونی۔'' اس کے خلوص میں یقین تھا۔

''اچھا...... وہ ذرا سا ہنسا پھر آزردگی میں گھر گیا۔ ''تم نے کبھی بجھتے ہوئے دیئے کو دیکھا ہے نشاء جسے کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہاتھ کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے میں اسی دیئے کی مانند ہوں۔''

''مونی' تم جانتے ہو ہم سب تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔'' وہ اس کی بات سے سہم گئی۔

''ہاں' یہ محبتیں ہی تو مجھے زندہ رکھے ہوئی ہیں۔'' محسن نے اس کا سہا ہوا چہرہ دیکھا تو مسکرا کر بولا۔ ''بے وقوف ہو تم' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھ رہی ہو پہلے سے کتنا بہتر ہو گیا ہوں۔ یقین کرو میں خود اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرتا ہوں۔ پتا ہے صبح جب میں واک کرتا

ہوں تو پہلے چند قدم کے بعد ہی تھک جاتا تھا لیکن اب میں لان کے کتنے چکر لگا لیتا ہوں۔''
''سچ......'' وہ خوش ہوئی۔
''بالکل سچ' اور ہاں میں نے سنا ہے چچا جان آ رہے ہیں۔'' محسن نے بات بدلی۔
''ہاں ٹھیک سنا ہے تم نے۔'' وہ سرسری سا بولی۔
''پھر تو تم ان کے ساتھ چلی جاؤ گی۔'' محسن نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
''نہیں میں کیوں جاؤں گی' ویسے بھی ابو جی یہیں آ رہے ہیں۔ یہیں رہیں گے۔'' اس نے فوراً کہا تو وہ مایوسی سے بولا۔
''میرا نہیں خیال کہ چچا جان زیادہ دن یہاں رہ سکیں گے۔''
''وہ یہاں رہیں یا کہیں بھی میں بہر حال یہیں رہوں گی' سنا تم نے اور اب پلیز تم آرام کرو۔ بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے مجھے کھانا پکانا ہے۔ فارغ ہو جاؤں گی تو تمہارے پاس آ کر بیٹھوں گی۔''
''کوئی اچھی سی کتاب ضرور لیتی آنا۔'' اس نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اس کے کمرے سے نکل آئی تو لاؤنج میں ساجدہ بیگم مل گئیں اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگیں۔
''محسن کو دوا دے دی۔''
''جی۔''
''بخار تو نہیں ہے اب اسے۔''
''نہیں تائی امی' اب تو کافی بہتر نظر آ رہا ہے۔'' اس نے اپنے تئیں خوش خبری سنائی لیکن ساجدہ بیگم کا وہی سپاٹ چہرہ دیکھا تو چپ چاپ وہاں سے کھسک آئی۔ وہ ان ہی کی گود میں پروان چڑھی تھی پھر بھی انہیں سمجھ نہیں سکی تھی۔ پتا نہیں انہیں اظہار کرنا نہیں آتا تھا یا وہ اظہار کرنا نہیں چاہتی تھیں کہ کبھی کوئی غم کوئی خوشی یا کسی اور بات کا رد عمل ساجدہ بیگم کے چہرے سے ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ جب ہی انہیں ماں کا درجہ دینے کے باوجود وہ ان کے بہت زیادہ قریب نہیں ہو سکی تھی۔ بلکہ اندر سے ہمیشہ کچھ خائف سی ہی رہی تھی گو کہ ساجدہ بیگم بے سبب کسی بات پر روک ٹوک نہیں کرتی تھیں۔ اس گھر میں اسے مکمل آزادی حاصل تھی' بلکہ جب سے اس نے لڑکپن کو خیر باد کہا تھا تب سے زیادہ تر کام اس کی مرضی اور پسند سے ہوتے تھے اس کے باوجود کہیں کوئی کمی ضرور تھی جس سے اس کی شخصیت دب کر رہ گئی تھی۔ نہ وہ اعتماد جو اسکول اور کالج میں پڑھنے والی لڑکیوں کو حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ بے ساختگی جو اس عمر کی لڑکیوں کا خاصا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایسی جھجک جس نے اسے حد درجہ لحاظ اور مروت بخش کر ایک طرح سے حکم کا غلام بنا دیا تھا۔ وہ سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی اس نے انکار کرنا سیکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ یہاں خوش تھی اور ہمیشہ یہیں رہنا چاہتی تھی۔ جب ہی اپنے ابو جی کے آنے کا سن کر اور یہ سوچ کر کہ کہیں وہ اسے اپنے ساتھ تو نہیں لے جائیں گے' وہ پریشان ہو جاتی تھی۔ اسے اس گھر سے' اس گھر کے مکینوں سے بہت پیار تھا۔ احسن نے اسے اپنی محبتوں کے حصار میں لیا تھا تو محسن اسے سگے بھائیوں کی طرح پیارا تھا۔ وہ شروع ہی سے کمزور تھا۔ ایک تو دمے کا مرض لے کر پیدا ہوا تھا' پھر چھت سے گرنے کے باعث اس کی بیک بون متاثر ہوئی تھی جس سے وہ طویل عرصہ بیڈ پر رہا تھا۔ جلال احمد نے اس کے علاج میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی جس سے وہ چلنے کے قابل ہو گیا تھا لیکن جو پیدائشی سانس کا مرض تھا' اس کے سبب وہ اکثر ہی کسی نہ کسی بیماری کا شکار رہتا اور یقیناً اس میں قوت مدافعت کی زبردست کمی تھی جو معمولی سا بخار بھی ہفتوں اسے بستر پر لٹائے رکھتا تھا۔ ساجدہ بیگم اس کی تیمارداری کرتے کرتے نڈھال ہو جاتیں پھر بھی اس نے کبھی انہیں محسن کی بیماری کے دنوں میں چین سے بیٹھتے نہیں دیکھا تھا اور پھر وہ کوئی چھوٹا بچہ نہیں تھا اس لیے اس کے کچھ کام ساجدہ بیگم نہیں کر سکتی تھیں ایسے میں احسن اپنے سب کام چھوڑ کر اس کے پاس چلے آتے اور پھر رفتہ رفتہ احسن نے محسن کی ساری ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں۔ اسے نہلانا' کپڑے بدلنا' بستر صاف رکھنا اور فارغ وقت میں اسے پڑھانا۔ شروع میں وہ احسن کو یہ سارے کام کرتے دیکھتی رہتی تھی' پھر آہستہ آہستہ ان کے ساتھ شریک ہو گئی۔ اس کے بیڈ پر چادر بچھا دیتی' کمرہ صاف کر دیتی' کیاری سے پھول توڑ کر گل دان میں سجا دیتی اور جو کام محسن کہتا وہ خوشی خوشی کر دیتی۔ اور اب تو احسن اس سے وعدہ لے کر گئے تھے وہ کیسے اس سے غافل ہو سکتی تھی۔ جلدی سے کھانا پکا کر پھر اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

......☆☆☆......

احسن کے جانے سے وہ اداس تو تھی لیکن وہ جلدی جلدی فون کر کے اسے بہلا لیا کرتا تھا' یوں زندگی پھر ایک نئی ڈگر پر چل نکلی تھی کہ اس

کے ابو بلال احمد اپنی بیوی لبنیٰ اور بیٹی مریم کے ساتھ آ گئے۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے ان سب کو گاڑی سے اترتے پھر جلال احمد کے ساتھ گھر میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔

اگر بلال احمد اکیلے آتے تو شاید وہ بے اختیار ان کے سینے میں جا چھپتی لیکن اس دوسری عورت کی وجہ سے ایک جھجک مانع آ گئی اور وہ کچھ فاصلے پر رک کر صرف سلام کر سکی۔

''ارے نشاء بیٹا'' بلال احمد خود ہی آگے بڑھ آئے اور اس کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولے۔ ''کتنی بڑی ہو گئی ہے میری بیٹی۔ کون سی کلاس میں پڑھتی ہو بیٹا؟''

''جی گریجویشن کر رہی ہوں۔''

''اچھا' ویری گڈ۔ میرا خیال تھا ابھی آپ میٹرک میں ہو گی۔ خیر ان سے ملو.....'' وہ پلٹ کر لبنیٰ کی طرف یوں دیکھنے لگے جیسے پوچھ رہے ہوں تم اپنے آپ کو کیا کہلوانا پسند کرو گی۔

''میں تمہاری مما ہوں' جیسے مریم کی مما ویسے تمہاری۔'' لبنیٰ نے ایک ادا سے کہا تب اس نے سر تا پا اسے دیکھا۔ باریک ساڑھی میں اس کا تراشا بدن جھلک رہا تھا۔ اور وہ کہیں سے بھی مریم کی مما نہیں لگ رہی تھیں۔

''مریم بیٹا اپنی بہن سے ملو۔'' بلال احمد کی آواز پر وہ چونک کر مریم کی طرف متوجہ ہوئی۔ کامنی سی موہنی صورت والی پندرہ سولہ سالہ مریم خود ہی اس کے قریب آئی تو اس نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

''بھئی یہ تفصیلی تعارف وغیرہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ آپ لوگ بیٹھو اور نشاء چائے وائے.....'' جلال احمد نے سب کو بیٹھنے کا کہتے ہوئے آخر میں نشاء کو مخاطب کیا تو وہ جلدی سے بولی۔

''جی تایا ابو بس ابھی لاتی ہوں۔'' اور دس منٹ میں وہ چائے لے آئی تو محسن بلال احمد سے کہہ رہا تھا۔

''نشاء میرا بہت خیال رکھتی ہے چچا جان' مجھے دوا دینا تو کبھی بھولی ہی نہیں۔''

''بس کرو مونی تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔''

''یہ وہم نہیں حقیقت ہے کہ ٹھیک وقت پر تم دوا لیے میرے سرہانے موجود ہوتی ہو۔'' محسن نے کہا تو اب وہ ان سنی کر کے سب کو چائے سرو کرنے لگی۔ پھر رات کے کھانے کی تیاری میں وہ بوا کا ہاتھ بٹانے کی غرض سے کچن میں آ گئی۔ اصل میں وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اپنے ابو جی کو دیکھ کر ان سے مل کر اسے خوشی ضرور ہوئی تھی لیکن ساتھ ہی اسے اپنی ماں کا خیال بھی آ گیا تھا جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس نے سوچا ساجدہ بیگم نے تو کبھی بتایا نہیں لیکن وہ اپنے ابو جی سے اپنی ماں کے بارے میں ضرور پوچھے گی اور اس کے لیے اسے کچھ وقت انتظار تو کرنا تھا۔ ابھی تو وہ ان سے ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ بہر حال رات کا کھانا سب نے خوش گوار ماحول میں کھایا اس کے بعد ساجدہ بیگم کے کہنے پر وہ مریم کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''یہ آپ کا کمرہ ہے۔ آپ یہاں سوتی ہیں؟'' مریم نے معصومیت سے پوچھا تو وہ مسکرا کر بولی۔

''ہاں' اب ہم دونوں یہاں سوئیں گی۔ پھر کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔ ''تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہو گی' آئی مین میرے ساتھ سونے میں؟''

''نہیں' شاید آپ کو پرابلم ہو۔'' مریم نے کہا تو وہ ہنس دی۔

''یہ ہم کن تکلفات میں پڑ گئیں۔ ہم بہنیں ہیں' پہلی بار ملی ہیں' ہمیں اپنی فیلنگز شیئر کرنی چاہئے' سچ مجھے تو بہت خوشی ہو رہی ہے۔ بیٹھے بٹھائے بہن مل گئی وہ بھی اتنی پیاری سی۔ تمہیں کیسا لگ رہا ہے؟'' اس نے مریم کی ٹھوڑی چھو کر پوچھا۔

''اچھا لگ رہا ہے۔ آپ کی مما کہاں ہیں؟'' مریم نے جواب کے ساتھ پوچھا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی جس سے جانے کیا سمجھ کر مریم نے پھر پوچھا تھا۔

''آپ کو یاد ہیں آپ کی مما؟'' اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تو مریم آزردگی سے بولی۔

''مجھے بھی اپنی مما یاد نہیں ہیں۔''

''کیا.....؟'' وہ اچھل پڑی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا' یہ لبنیٰ آنٹی؟''

''لبنیٰ آنٹی میری اسٹیپ مدر ہیں' جیسے آپ کی۔'' مریم کے انکشاف پر وہ ششدر رہ گئی۔ یعنی اس کے ابو جی کی یہ تیسری شادی تھی۔

''آپ کو نہیں پتا؟'' مریم کی معصومیت فطری تھی۔ وہ کیا کہتی' اسے تو کچھ بھی پتا نہیں تھا اور شاید اسے فرق بھی نہیں پڑتا تھا کیونکہ وہ

محبتوں میں پروان چڑھی تھی۔
''تمہاری مما کہاں ہیں؟''اس نے سنبھل کر پوچھا۔
''میری مام کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ میں بہت چھوٹی تھی' شاید دو سال کی۔''مریم نے بتایا تو وہ افسوس کے لیے الفاظ سوچنے لگی تھی کہ ایک دم خیال آیا محسن کو دوا دینی ہے۔
''میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ فوراً اٹھ کر بھاگی تھی۔

○......○......○

راحیلہ خاتون کو اچانک لاہور جانا پڑ گیا۔ ان کے بہنوئی کو سیریس ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ بہن نے رو رو کر انہیں بلایا تھا۔ تو نگار بھی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی تھی۔ جاذب انہیں ائرپورٹ چھوڑ کر واپس آیا تو اس کا خیال تھا وہ صبا کو آؤٹنگ پر لے جائے گا۔ کتنے دنوں سے وہ ناراض تھی' اس سے بات ہی نہیں کر رہی تھی' اسے منانے کا یہ اچھا موقع تھا۔ یہی سوچ کر وہ سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔
''سنو......ناراض ہو۔''
''ناراض وہاں ہوا جاتا ہے جہاں منانے والے پر یقین ہو۔ یہاں تو بے یقینی ہی بے یقینی ہے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولی۔
''بدگمان ہو رہی ہو۔'' وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔
''سوچتی ہوں' ہو جاؤں مکمل بدگمان ہو جاؤں تاکہ اپنی جنگ آسانی سے لڑ سکوں۔'' صبا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولا۔
''جنگ کے لیے لڑنا ضروری تو نہیں ہے۔ بغیر لڑائی کے بھی جنگ جیتی جاسکتی ہے۔ تم نے سنا نہیں خاموشی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔''
''یہ بزدلوں کا ہتھیار ہے اور میں بزدل نہیں ہوں۔'' وہ اس پر جتا گئی تھی۔
''جانتا ہوں اور مانتا بھی ہوں۔ اب خدا کے لیے اتنا مت سوچو مجھے گھبراہٹ ہونے لگی ہے۔''اس نے کہا تو وہ چڑ کر بولی۔
''تو جاؤ جا کر آرام کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''
''یہی تو نہیں کرسکتا۔''
''تم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ صرف باتیں کرنی آتی ہیں تمہیں۔ عملی طور پر بالکل صفر ہو۔''
''اب تم زیادتی کر رہی ہو صبا۔'' وہ مسلسل تذلیل پر ناراض ہوا۔
''میری زیادتی تم نے فوراً محسوس کرلی اوروں کی نظر ہی نہیں آتی۔ یوں بن جاتے ہو جیسے کچھ دیکھا' سنا نہیں۔'' صبا معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔
''جنہیں تم اوروں کہہ رہی ہو وہ میرے اپنے ہیں۔'' وہ زچ ہو کر بولا۔
''تمہارے اپنے' امی کے اپنے اور میں......'' وہ ایک لحظہ کو سوالیہ نشان بنی پھر بھاگ کر کمرے میں بند ہوگئی تو جاذب کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے' وہ اپنی جگہ ٹھیک تھی لیکن راحیلہ خاتون کو وہ کیسے سمجھاتا کیسے قائل کرتا جو صبا کا نام ہی نہیں سننا چاہتی تھیں۔ کچھ دیر کھڑا وہ اپنے آپ پر جھنجلاتا رہا پھر سلیم احمد کے کمرے میں آ گیا۔
''کیا کر رہے ہیں ابو؟''
''کچھ نہیں بیٹا' چھوڑ آئے اپنی ماں کو؟'' سلیم احمد نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔
''جی۔'' وہ کچھ سوچ کر بیٹھا تھا کہ ثریا چائے لے آئی اور کپ سلیم احمد کو تھماتے ہوئے بولیں۔
''بھابی کے جانے سے کیسا سونا سونا لگ رہا ہے گھر۔''
''کبھی کبھی سوناپن بھی اچھا لگتا ہے۔'' سلیم احمد نے چائے کا سپ لے کر کہا تو ثریا ایک نظر جاذب کو دیکھ کر بولیں۔
''نہیں بھائی مجھے تو گھبراہٹ ہوتی ہے۔''
''یعنی تم اپنی بھاوج کی کمی محسوس کر رہی ہو۔'' سلیم احمد کی مصنوعی حیرت پر وہ ہنسا تھا۔ جبکہ ثریا نے اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔
''بھئی ہمت ہے تمہاری۔'' سلیم احمد ثریا کو سراہ کر کہنے لگے۔''میں بہرحال بڑا سکون محسوس کر رہا ہوں۔ کتنے عرصے بعد چین سے بیٹھنا نصیب ہوا ہے۔ تم بھی کچھ دن آرام کرلو بہت کمزور ہوگئی ہو۔ ہنسا بولا کرو' بہت چپ چپ رہتی ہو' کیا سوچتی رہتی ہو۔''

”کچھ نہیں بھائی‘ بس صبا کی طرف سے تھوڑی فکرمند ہوں۔“ ثریا نے کہا تو جاذب چونک کرانہیں دیکھنے لگا۔
”کیوں صبا کی کیا فکر ہے۔ ماشاء اللہ پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہے‘ اتنی بڑی فرم میں جاب کررہی ہے اور کیا چاہیے۔“ سلیم احمد اپنی دھن میں بولے۔
”میرا مطلب اس کی شادی سے ہے بھائی۔ نصیب سے اچھا رشتہ مل جائے تو اس کی شادی کردوں۔“ ثریا کی وضاحت پر اس نے پہلو بدلا تھا۔
”ہوجائے گی شادی بھی۔ جب اللہ کو منظور ہوگا۔ تم فکر نہ کیا کرو۔“ سلیم احمد نے تسلی دی پھر چائے کا آخری سپ لے کر کپ ان کی طرف بڑھا دیا جسے لے کر وہ چلی گئیں تو جاذب فوراً ہمت باندھ کر بولا۔
”ابو‘ ایک بات کہنی تھی۔“
”ہاں......“ سلیم احمد سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔
”وہ امی نے صبا کے رشتے کے لیے کتنے لوگوں سے کہہ رکھا ہے‘ مجھے اچھا نہیں لگتا۔“ اس نے کہا تو سلیم احمد حیران ہوئے۔
”کیوں‘ اس میں کیا برائی ہے۔ رشتے اسی طرح ہوتے ہیں۔“
”وہ تو ہوتے ہیں‘ میرا مطلب ہے باہر کیوں رشتہ ڈھونڈا جارہا ہے۔ میں شادی کرنا چاہتا ہوں صبا سے۔“ وہ ایک دم کہہ گیا۔
”او......“ سلیم احمد سوچ میں پڑ گئے تو وہ انہیں پکار کر پوچھنے لگا۔
”ابو‘ آپ کو تو اعتراض نہیں ہے ناں؟“
”بیٹا میرا اعتراض کرنا نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ساری بات تمہاری ماں کی ہے۔ تمہیں پتا ہے اس کے سامنے میں بھی کچھ نہیں بول سکتا۔“ سلیم احمد نے اپنی کمزوری کا اعتراف کرکے اسے مایوس کردیا تھا۔
”لیکن ابو‘ آپ امی سے کہہ کر تو دیکھیں بلکہ انہیں منانے کی کوشش بھی کریں۔“
”کروں گا ضرور کوشش لیکن تم سن لو‘ ہوگا وہی جو تمہاری ماں چاہے گی۔ ویسے چاہتا تو میں بھی یہی ہوں کہ صبا اسی گھر میں رہ جائے۔ اب دیکھو اللہ کو کیا منظور ہوتا ہے۔“ سلیم احمد نے اپنی خواہش ظاہر کرکے اسے مایوسی سے نکال لیا تھا۔



وہ آئینے کے سامنے کھڑی جلدی جلدی اپنے بالوں میں برش کررہی تھی کہ عقب سے جاذب آئینے میں اسے دیکھ کر شرارت سے گنگنانے لگا۔
”نالے لمی تے نالے کالی۔
وہ جھٹکے سے اس کی طرف مڑی تھی۔
”اگر تمہارا اشارہ میری طرف ہے تو فوراً اپنی آنکھیں ٹیسٹ کراؤ کیونکہ میں کہیں سے بھی کالی نہیں ہوں۔“
”ہاہاہا...... جاذب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ”یہ کہیں سے بھی میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا وضاحت کروگی۔“
”میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے اور یہ وضاحتیں تم اپنی اماں سے مانگا کرو‘ ان کی سامنے تو جی امی‘ اچھا امی‘ سعادت مندی کے سارے ریکارڈ توڑ دیتے ہو۔“ اس نے سلگ کر اس کی نقل بھی اتاری تھی۔
”یہ تم ہر وقت کاٹ کھانے کو کیوں دوڑتی ہو۔ کبھی پیار سے بھی بات کرلیا کرو۔ ایمان سے ترس گیا ہوں تمہارا وہ شہد جیسا لہجہ یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔“ وہ بڑے موڈ میں تھا۔ آخر میں آہ بھر کر بولا۔ ”کیوں اتنی کڑوی ہوگئی ہو تم؟“
”وقت...... حالات۔“ وہ تلخ ہوئی۔
”کیا ہوا ہے سب کچھ ویسا ہی تو ہے۔ کچھ نہیں بدلا۔ صرف تم بدلی ہو۔“
صبا نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا پھر سر جھٹک کر اپنا پرس اٹھایا اور تیز قدموں سے باہر نکل آئی‘ اور اس سے پہلے کہ جاذب گاڑی لے کر اس کے پیچھے آتا وہ رکشہ میں بیٹھ گئی تھی۔ گو کہ وہ کنوینس کی یہ عیاشی افورڈ نہیں کرسکتی تھی لیکن ابھی وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ شاید اس کا رویہ اس کے اندر اتنی ہمت پیدا کردے کہ وہ راحیلہ خاتون سے بات کرسکے‘ یہی سوچ کر وہ خود پر بھی جبر کررہی تھی‘ جس سے اس کا کسی کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت وہ بنٹی کی باتیں سنتے ہوئے بور ہوگئی تو اس سے کہنے لگی۔

''سنو' تم اگر بور ہوتے ہو تو اپنے پاپا کے ساتھ آفس آجایا کرو۔''

''ایک دو بار گیا تھا۔'' بنٹی نے منہ بنا کر کہا۔

''پھر' اچھا نہیں لگا۔''

''نہیں آفس تو اچھا ہے لیکن لوگوں کا بی ہیور مجھے اچھا نہیں لگا۔ یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں۔'' بنٹی کی بات پر وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''ایسا کیوں؟''

''پتا نہیں......شاید اس کی وجہ سے۔'' بنٹی نے وہیل چیئر پر ہاتھ مارا تو وہ سنبھل کر کہنے لگی۔

''یہ کوئی انوکھی چیز تو نہیں ہے' اصل میں تم بہت حساس ہو۔ کوئی بے دھیانی میں بھی تمہاری طرف دیکھتا ہوگا تو تمہیں یہی لگتا ہوگا کہ لوگ افسوس کررہے ہیں یا ترس کھا رہے ہیں اور اگر فرض کرو ایسا ہو بھی تو تمہیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔''

''اگر آپ میری جگہ ہوتیں تو آپ کو پتا چلتا۔'' بنٹی کی بات اس کے دل پر لگی تھی۔ وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔ اسے لگا جیسے دنیا میں کہیں سکھ ہے ہی نہیں۔ بس دکھ ہی دکھ......دل پر عجیب سا بوجھ آن پڑا تھا' کہ پھر آفس میں بھی وہ کوئی کام نہیں کرسکی اور وقت سے پہلے ہی باس سے کہہ کر آفس سے نکل آئی اور ابھی اسٹاپ پر پہنچی تھی کہ جاذب نے اس کے قریب گاڑی کو بریک لگائے تھے۔

''یا اللہ......'' اس نے سر اونچا کرکے دور تک پھیلے آسمان کو دیکھا پھر خود ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی تو جاذب نے فوراً گاڑی آگے بڑھادی۔ وہ خاموش تھی تو جاذب بھی کچھ نہیں بولا۔ اسی خاموشی سے دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے تھے۔

''میں دوپہر میں تمہیں فون کررہا تھا لیکن تمہارا سیل آف تھا۔'' جاذب نے بیٹھتے ہی پہلی بات کی۔

''ہاں' میں باس کے ساتھ میٹنگ میں تھی۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''اچھا......کیسے ہیں تمہارے باس۔ آئی مین ان کی ایج؟'' جاذب نے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیوں' یہ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''یونہی......'' جاذب نے انجان بن کر کندھے اچکائے۔

''یونہی تو میں نہیں بتاؤں گی۔''

''تمہاری مرضی۔'' جاذب نے پھر کندھے اچکائے تو اس نے ادھر ادھر دیکھا پھر چائے کا کپ اٹھا کر بولی۔

''جلدی چائے پیو اور چلو۔ امی پریشان ہورہی ہوں گی۔''

''فکر مت کرو۔ میں نے انہیں فون کردیا تھا۔'' وہ گویا پوری پلاننگ سے آیا تھا۔

''فون تو میں بھی کرسکتی ہوں لیکن وہ اکیلی ہوں گی۔'' اس نے احساس دلایا تو وہ یونہی بولا۔

''ہاں' امی اور نگار بھی تو نہیں ہیں۔''

''سنو......وہ چائے کا سپ لے کر بولی۔ ''اگر نگار اور مامی جی ہوتیں تو ہم یہاں نہ بیٹھے ہوتے۔''

''اب تم فضول باتیں شروع کردو۔'' وہ شاکی ہوا۔

''سچ فضول ہی لگتا ہے۔''

''بہرحال میں نے سوچ لیا ہے کہ امی کے آتے ہی میں ان سے اپنی اور تمہاری شادی کی بات کروں گا۔ تمہیں میرا اعتبار کرنا چاہیے۔'' اس نے کہا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔

''اعتبار کیا ہے جب ہی تو تمہارے ساتھ آئی ہوں۔''



محسن نے ٹھیک کہا تھا چچا جان زیادہ دن یہاں نہیں رہیں گے۔ دوسرے دن ہی بلال احمد کے لیے اپنا گھر لینا کوئی بڑی بات نہیں تھی چاہتے تو کہیں بھی کھڑے کھڑے گھر خرید سکتے تھے اور شاید وہ ایسا ہی چاہتے تھے لیکن جلال احمد نے سمجھایا کہ پہلے اپنا بزنس سیٹ کرلیں اس کے بعد اطمینان سے گھر خریدیں' یوں بلال احمد اپنا بزنس سیٹ کرنے میں لگ گئے اور وہ گو کہ اپنے طور پر فیصلہ کرچکی تھی کہ ان کے ساتھ نہیں جائے گی لیکن یہ بھی جانتی تھی کہ اگر بلال احمد نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ انکار بھی نہیں کرسکے گی' اس لیے فی الحال ان کے یہیں

رہنے پر قدرے مطمئن ہو گئی تھی۔
اس کے معمولات وہی تھے۔ بس کسی کسی وقت مریم کو کمپنی دیتی تھی۔ مریم فطرتاً کم گو تھی جتنی دیر وہ اس کے پاس بیٹھتی تو وہی بولتی مریم خاموش رہتی تھی۔ وہ حد درجہ تنہائی کا شکار لگتی تھی۔ جبکہ لبنیٰ آنٹی مزاجاً اچھی خاتون تھیں۔ اس کے ساتھ بھی دوستانہ ماحول اور نرمی سے بات کرتی تھیں۔ بس ان کی ایک عادت جو اس نے ابھی تک تو محسوس نہیں کی تھی اور اگر محسوس کی بھی تھی تو برا نہیں مانا تھا وہ ان کا ہر بات میں ٹوکنا تھا' خود جینز پہنتیں اور اسے دوپٹہ ڈھنگ سے اوڑھنے کو کہتی۔ غالباً ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جو دوسروں پر فتوے لگانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔ اس وقت وہ ششدر رہ گئی جب وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔
''محسن تمہارا عم زاد ہے نشاء' وہ تمہارے لیے نامحرم ہے اور تمہارا اکیلے اس کے کمرے میں جانا اچھی بات نہیں۔''
''یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں آنٹی۔'' وہ تاسف سے بولی۔
''میں غلط نہیں کہہ رہی۔ تم میری نیت پر شک مت کرو۔'' لبنیٰ نے اسی نرمی سے کہا تو وہ دکھ سے گویا ہوئی۔
''میں آپ کی نیت پر شبہ نہیں کر رہی آنٹی لیکن یہ بھی تو دیکھیں کہ میں شروع سے یہاں رہی ہوں' تایا ابو اور تائی امی نے مجھے ماں باپ کی طرح پالا ہے اور مونی......'' اس کی آواز حلق میں دب گئی۔
''یہ سب ٹھیک ہے لیکن......''
''بس کریں آنٹی میں مونی سے غافل نہیں ہو سکتی' وہ ان کی بات کاٹ کر بولی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گئی اور محسن کے کمرے میں داخل ہوئی تو خاصی مضمحل تھی۔
''کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟'' محسن نے اس کا چہرہ دیکھتے ہی پوچھا۔
''نہیں تو......'' وہ موڑھا کھینچ کر بیٹھی اور اپنے ناخن دیکھنے لگی۔
''آنٹی سے لڑائی ہوئی ہے؟'' محسن نے پوچھا تو اس نے ایک دم سر اونچا کیا' جس پر وہ ہنس پڑا۔
''بھئی اس تمام عرصے میں تمہاری مجھ سے یا امی سے تو لڑائی ہوئی نہیں' اس لیے مجھے لبنیٰ آنٹی کا نام لینا پڑا۔''
''لیکن میری ان سے لڑائی نہیں ہوئی۔'' اسے کہنا پڑا۔
''لیکن ان کی کوئی بات بری ضرور لگی ہے۔ تم نہ بتانا چاہو الگ بات ہے ورنہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی ہی کوئی بات ہے۔'' محسن نے بغور اسے دیکھا اور اس کے خاموش رہنے پر کہنے لگا۔
''سنو' تمہارا اور ان کا رشتہ ہی ایسا ہے اور ابھی تو ابتدا ہے آئندہ اور بہت ساری باتیں ہو سکتی ہیں لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا کرو ورنہ جتنا زیادہ محسوس کرو گی اتنی ہی تکلیف بڑھے گی۔'' نشاء کا دل چاہا صاف بات بتا کر پھر اس سے پوچھے کہ یہ بات نظر انداز کر دینے والی ہے لیکن اس کی دل آزاری کے خیال سے سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''چائے پیو گے؟''
''اگر تم پیو گی تو لے آؤ۔'' اس نے کہا تو وہ سر ہلا کر کمرے سے نکل آئی۔ پھر کچھ دیر بعد چائے لے کر آئی تو وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے مگ لیا' تب بھی بیٹھا نہیں یونہی ٹہل ٹہل کر چائے پینے لگا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے بیڈ کے پاس جو کرسی رکھی تھی وہاں جا بیٹھی۔
''امی کیا کر رہی ہیں؟'' وہ رک کر پوچھنے لگا۔
''نماز پڑھ رہی ہیں۔ اب پلیز تم بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گے۔''
''میں تو پہلے ہی تھکا ہارا انسان ہوں مزید کیا تھکوں گا۔'' وہ خالی مگ ٹیبل پر رکھ کر اپنی جگہ پر آ کر بیٹھا تو کہنے لگا۔
''پتا ہے نشاء' کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہر وہ کام کروں جس کے لیے مجھے سختی سے منع کیا گیا ہے۔''
''مثلاً'' وہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ ٹکا کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی۔
''کبھی میرا دل چاہتا ہے میں خوب تیز بھاگوں' اتنا تیز کہ ساری تیز رفتار چیزوں کو پیچھے چھوڑتا جاؤں' کوئی آواز کوئی پکار مجھ تک نہ پہنچے۔'' سامنے دیوار پر نظریں جمائے وہ یاس بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
''اور کبھی دل چاہتا ہے میں سگریٹ سلگا کر اتنا گہرا اور طویل کش لوں کہ میرے اندر باہر ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل جائے۔''

''بس کرو مونی۔'' وہ جھرجھری لے کر بولی۔ ''جانتے ہو سگریٹ پینے سے تمہاری کیا حالت ہوگی تھی۔''

''ہاں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔ ''کھانسی کا شدید دورہ پھر میری سانس سینے میں دب کر رہ جائے گی اور اگر اسی حالت میں میری موت لکھی ہوگی تو مر جاؤں گا۔''

''خدا کے لیے مونی مت کرو ایسی باتیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''ایک دن تو ایسا ہونا ہی ہے۔ چاہے میں تیز نہ بھاگوں' سگریٹ نہ پیوں تب بھی۔''

''نہیں' ایسا نہیں ہوگا۔ تم بہت جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے اور اب تم دوا پینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' وہ اٹھنے کو تھی کہ بلال احمد اسے پکارتے ہوئے وہیں آ گئے۔

''آیئے چچا جان۔'' محسن اٹھنے لگا کہ انہوں نے روک دیا۔

''بیٹھے رہو بیٹا' کیسے ہو۔'' انہوں نے محسن کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا پھر اس سے مخاطب ہوئے۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''جی......'' وہ واقعی حیران ہوئی کیونکہ اب سے پہلے تو کسی نے کبھی ایسی بات نہیں کی تھی۔

''چلو' مریم تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' بلال احمد نے گویا حکم سنایا۔ انداز ایسا تھا جیسے انکار سنتے ہی بھڑک اٹھیں گے اور وہ محسن کا خیال کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ چلیں ابو۔ میں مونی کو دوا دے کر آتی ہوں۔''

''دوا' میں خود لے لوں گا تم جاؤ۔'' محسن اس سے زیادہ حساس تھا بلال احمد کا ناگوار لہجہ فوراً محسوس کر گیا۔

''تمہیں تو پتا ہی نہیں ہے' کون سی دوا لینی ہے۔ میں دیتی ہوں۔'' وہ میز کی طرف بڑھ گئی۔ بلال احمد نے اسے کپ میں دوا ڈالتے ہوئے دیکھا پھر اسے جلدی آنے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

''لو مونی۔'' اس نے کپ محسن کے سامنے کیا تو کچھ کہے بغیر کپ اس کے ہاتھ سے لے کر دوا حلق میں اتاری اور کپ اس کے ہاتھ میں تھما کر لیٹتے ہی بولا۔

''لائٹ آف کرتی جانا۔''

''مونی......'' وہ بلال احمد کے سمجھ میں نہ آنے والے رویے کی معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن محسن نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تو وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی۔ اس کا خیال تھا بلال احمد اب لبنیٰ کی زبان بولتے ہوئے اسے پتا نہیں کیا سمجھانے کی کوشش کریں گے لیکن وہ اپنے بیڈروم میں جا چکے تھے۔ وہ شکر کرتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی تو مریم سو چکی تھی۔ وہ اس کے برابر لیٹ گئی۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی لبنیٰ آنٹی اور اب بلال احمد کا رویہ اس کے سامنے سوالیہ نشان بن گیا تھا۔



''وعدہ کرو نشاء میرے جانے کے بعد محسن کا خیال رکھو گی۔ خاص طور سے دوا کی طرف سے کبھی بے پروائی نہ ہو۔'' اس شخص نے کہا تھا جو اس کے کومل جذبوں کو چھیڑنے اور بیدار کرنے کا ذمہ دار تھا اور جس کے حوالے سے وہ اب تک کتنے خواب سجا چکی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے خوابوں کو تعبیر دینے سے پہلے وہ یہ ضرور پوچھے گا۔ تم نے محسن کا کتنا خیال رکھا اور وہ کہے گی اپنے آپ سے بڑھ کر' حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اب تک محسن کی طرف سے غافل نہیں ہوئی تھی لیکن اب جان بوجھ کر اسے غافل کیا جا رہا تھا۔ یعنی وہ جب اس کے کمرے میں جانے لگتی' لبنیٰ راہ میں حائل ہو جاتی' کسی نہ کسی کام کے بہانے روک لیتی' وہ اکثر رک جاتی لیکن اگر محسن کی دوا کا وقت ہوتا تو وہ سہولت سے کہہ دیتی۔

''میں مونی کو دوا دے آؤں پھر آتی ہوں۔'' اور وہ محسن کو دوا دے کر فوراً آ بھی جاتی تھی لیکن لبنیٰ کو پتا نہیں کیوں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ وہ اس بیمار شخص کو اتنی اہمیت دیتی ہے اور اس بات کو اس نے انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ شروع میں خود ٹوکا کہ محسن اس کا مسئلہ نہیں ہے جب اس نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تو غالباً اس نے بلال احمد سے کوئی ایسی بات کہی ہوگی جب ہی اس روز وہ اس سے کہنے لگے۔

''بیٹا محسن کو اپنا محتاج مت بناؤ۔ اسے خود بھی ہاتھ پاؤں چلانے دو ورنہ وہ زندگی بھر دوسروں کا سہارا ڈھونڈتا رہے گا اور بیٹا تم کب

تک اس کا ساتھ دو گی' ویسے بھی کچھ دنوں بعد ہم نئے گھر میں شفٹ ہونے والے ہیں۔ وہاں سے تم صبح شام اسے دوا دینے نہیں آ سکو گی۔''

ان کی باتیں غلط نہیں تھیں لیکن بعد از وقت اگر یہی باتیں اسے پہلے سمجھائی جاتیں تو وہ یقیناً محسن کو خود اپنے آپ پر بھروسا کرنا سکھاتی۔ اب بھی وہ ایسا کر سکتی تھی لیکن اس کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا جبکہ بلال احمد کچھ دنوں بعد نئے گھر جانے کی بات کر رہے تھے۔ وہ خاموش نہیں رہ سکی۔

''ابو آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ مونی میرا محتاج نہیں ہے۔ وہ جب بہتر حالت میں ہوتا ہے تو اپنا کام خود کرتا ہے' دوسری صورت میں بھی کوئی خاص طور سے مجھ سے نہیں کہتا۔ میں خود اپنی خوشی سے اس کے کام کرتی ہوں' کیونکہ یہ میرا فرض ہے' تایا ابو اور تائی امی نے جو کچھ میرے لیے کیا وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے ماں اور باپ وہی ہیں اور بیٹی ہونے کے ناتے کیا یہ میرا فرض نہیں بنتا کہ میں جب کچھ کرنے کے قابل ہوئی ہوں تو ان کے کچھ کام کر سکوں۔ آخر انہوں نے بھی تو میرے لیے کیا ہے۔ میں کتنی سی تھی جب آپ نے مجھے ان کی گود میں ڈالا تھا۔'' بلال احمد ذرا سا مسکرائے تو وہ حوصلہ پا کر کہنے لگی۔

''مجھے آپ سے یا کسی سے بھی کوئی گلہ نہیں' میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ جس طرح انہوں نے ماں باپ بن کر میری پرورش کی اس طرح میں بھی بیٹی ہونے کا حق ادا کروں اور میں آپ سے یہ بھی کہوں گی کہ مجھے یہاں سے لے جانے کا سوچنے سے پہلے آپ تایا ابو سے ضرور پوچھ لیں' اگر وہ خوشی سے اجازت دیں تو ٹھیک ورنہ آپ مجھے یہیں رہنے دیجیے گا۔''

''اوکے بیٹا' اوکے۔'' بلال احمد نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا پھر کہنے لگے۔ ''مجھے تمہارے یہاں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں اور میرا خیال ہے بھائی جان بھی خوشی سے تمہیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''جی۔'' اس نے سر ہلایا۔

''چلو اگر تم یہیں خوش ہو تو ٹھیک ہے۔''

''تھینک یو ابو۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں اب جاؤں۔''

''محسن کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔ بلال احمد کے ہلکے پھلکے مذاق پر وہ ہنس پڑی۔ پھر محسن کو دوا دے کر اپنے کمرے میں آئی تو مریم گھٹنوں کے گرد بازو لپٹائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ قصداً اس کے سامنے دھم سے بیٹھی تو مریم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ہر وقت کن سوچوں میں گم رہتی ہو؟'' اس نے ٹوکا تو مریم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''لگتا ہے تمہیں یہاں آ کر اچھا نہیں لگا۔ اکیلی کمرے میں بیٹھی رہتی ہو' کسی سے بات بھی نہیں کرتی۔'' اس نے کہا تو مریم سادگی سے بولی۔

''مجھے عادت ہو گئی ہے اکیلے رہنے کی۔''

''تو بدلو اپنی عادت۔ اب تو تم اکیلی نہیں ہو۔ ایسا کرو مجھ سے دوستی کر لو اور اپنی ساری باتیں میرے ساتھ شیئر کیا کرو۔'' وہ خلوص سے بولی تھی۔

''محسن بھائی کو کیا ہوا ہے؟'' یہ اس کی بات کا جواب نہیں تھا۔

''اب کیا بتاؤں کہ کیا ہوا ہے لمبی کہانی ہے پھر کبھی سناؤں گی۔ اب سو جاؤ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' وہ مریم کا گال تھپک کر لیٹ گئی لیکن پھر اچانک خیال آیا کہ اس نے محسن کے کمرے کی کھڑکی تو بند کی نہیں' اور ان دنوں ہوا میں خاصی نمی تھی جو محسن کے لیے نقصان دہ تھی۔ اس لیے وہ فوراً اٹھ کر بھاگی تھی اور جب ہر طرف سے اپنا اطمینان کر کے وہ محسن کے کمرے سے نکل رہی تھی تب لابی میں لبنیٰ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی اور ایسی مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی کہ وہ اندر تک کانپ گئی تھی۔

''تم اتنی رات کو محسن کے کمرے میں کیا کرنے گئی تھی؟'' لبنیٰ کا چبھتا ہوا لہجہ اسے چھلنی کر گیا۔

''و...... وہ آنٹی مونی کے کمرے کی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔''

''تو......؟''

''آپ کو نہیں پتا آنٹی نم ہوا مونی کے لیے کتنی نقصان دہ ہے۔ آپ پلیز کچھ غلط نہ سوچیں' مونی میرا بھائی ہے۔'' وہ کہہ کر تیزی سے اس کے قریب سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی تو اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

O......O......O

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ صبا جانے کہاں اور کیا کر رہی تھی۔ ثریا نے سالن کی پتیلی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر چولہا آہستہ کیا اور دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔''

''کون ثریا بول رہی ہو؟'' دوسری طرف راحیلہ خاتون تھیں۔

''جی بھابی! السلام علیکم! کیسی ہیں آپ اور آپ کے بہنوئی کی طبیعت اب کیسی ہے؟'' ثریا نے سنبھل کر حال احوال کے ساتھ پوچھا۔

''ابھی میرے بہنوئی ہاسپٹل میں ہی ہیں' گھر آ جائیں گے تب میں واپسی کا سوچوں گی۔'' راحیلہ خاتون نے کہا۔

''جی' جیسے آپ کو مناسب لگے۔'' ثریا یہی کہہ سکتی تھیں۔

''اور ہاں' ابھی میں نے یہ بتانے کے لئے تمہیں فون کیا ہے کہ میرا بھانجا ہے عابد ماشاء اللہ انجینئر ہے' اچھا کماتا ہے' میں نے صبا کے لئے بات کی ہے۔'' راحیلہ خاتون کو وہاں بھی چین نہیں تھا ثریا پریشان ہو گئیں۔

''میری بہن تو نگار کے لیے کہہ رہی تھی لیکن میں پہلے صبا کی شادی کرنا چاہتی ہوں ورنہ لوگ کہیں گے میاں کی بھانجی تھی ناں اس لیے اس کا خیال نہیں کیا۔'' راحیلہ خاتون نے احسان کرتے ہوئے کہا تو ثریا جزبز ہو کر بولیں۔

''لوگ تو ہر حال میں کچھ نہ کچھ کہتے ہی ہیں بھابی' آپ لوگوں کی پروا نہ کریں۔''

''لو تم بھی نیا سبق پڑھا رہی ہو' لوگوں کی پروا نہ کروں تو گھر میں جو دو جوان لڑکیاں ہیں انہیں کون بیاہنے آئے گا۔ خیر تم صبا کو بتا دینا لڑکا انجینئر ہے۔ میں اس کی بات پکی کر کے آؤں گی۔'' راحیلہ خاتون نے اپنا فیصلہ سنا کر فون بند کر دیا تھا۔

ثریا صرف پریشان ہی ہو سکتی تھی۔ اس کے پاس اختلاف کا حق نہیں تھا۔ جب ہی مرے مرے قدموں سے کمرے میں آئی تھی۔ صبا اپنا سوٹ پریس کر رہی تھی۔ ثریا کچھ دیر اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر خود پر قابو پا کر پوچھنے لگیں۔

''کہیں جا رہی ہو؟''

''ابھی تو نہیں' جاذب نے کہا تھا شام میں......'' صبا اپنے کام میں مصروف رہ کر بول رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔

''جاذب کے ساتھ تم کہیں نہیں جاؤ گی۔''

''جی......'' صبا نے نا سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھا تو وہ ضبط سے کہنے لگیں۔

''ہاں' جاذب کا خیال چھوڑ دو' کیونکہ اس کے ماں باپ کو تمہارا خیال نہیں ہے۔ انہیں بس یہ فکر ہے کہ تم جلد سے جلد یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔''

''جانتی ہوں' لیکن جاذب تو ایسا نہیں چاہتا اور وہ اپنے ماں باپ کو منا لے گا۔'' صبا کے یقین پر ثریا نفی میں سر ہلانے لگیں۔

''مجھے نہیں امید۔''

''مجھے ہے۔'' صبا فوراً بولی۔ ''کیونکہ یہ دو چار دن کا نہیں پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ جاذب خواہ کتنا مامی جی سے دبتا ہو اپنی زندگی کا اہم فیصلہ صرف ان کی مرضی پر نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ ضرور آواز اٹھائے گا۔''

''یہ تم سے جاذب نے کہا ہے؟'' ثریا کو یقین نہیں تھا۔

''جی اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ مامی جی کے آتے ہی ان سے بات کرے گا۔''

''وہ کیا بات کرے گا وہاں تمہاری مامی جی اپنے بھانجے سے تمہارا رشتہ طے کر رہی ہیں۔'' ثریا کو اپنی بیٹی کی امیدوں پر پانی پھیرتے دکھ ہوا تھا۔

''مامی جی کو وہاں بھی چین نہیں۔'' صبا نے زور سے استری پٹخی۔ ''میری طرف سے صاف انکار ہے۔ اور آپ بھی سن لیں امی' بے شک میری شادی جاذب سے نہ ہو' ساری عمر کنواری بیٹھی رہوں' مامی جی کے کہنے پر ہرگز ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ سمجھیں آپ۔'' صبا پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ثریا مزید پریشان ہو گئی۔ صبا کی ضدی طبیعت سے واقف تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے کیسے سمجھائے۔ اس سوچ میں کھڑی تھی کہ سلیم احمد کی آواز سن کر وہ جلدی سے کچن میں آ گئی اور چائے بنا کر ان کے کمرے میں لے آئی۔

''جاذب آ گیا؟'' سلیم احمد نے ان کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بھائی ابھی تو نہیں آیا البتہ کچھ دیر پہلے بھابی کا فون آیا تھا۔'' انہوں نے بتایا تو سلیم احمد چائے کا سپ لے کر پوچھنے لگے۔

''اچھا' کیا کہہ رہی تھیں؟''
''بس خیریت اور......وہ......'' وہ رک گئی تو سلیم احمد سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔
''کیا وہ......؟''
''وہ بھابی اپنے بھانجے کا ذکر کر رہی تھیں کہہ رہی تھیں صبا کے لیے بات کی ہے۔'' ثریا نے جھجک کر بتایا تو سلیم احمد افسوس سے گویا ہوئے۔
''اب میں کیا کہوں' اس عورت نے صبا کی شادی کو ہوا بنا لیا ہے۔ جہاں جاتی ہے وہیں بات چھیڑ دیتی ہے جبکہ لڑکا گھر میں موجود ہے۔''
''جی؟'' ثریا چونکی تھیں۔
''تو اور کیا تمہاری بھاوج فکر کرے تو نگاری کرے' صبا کا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ صبا اس گھر میں رہے اور جاذب نے بھی مجھ سے کہا ہے۔ ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' سلیم احمد نے آخر میں اسے دیکھا تو وہ اپنی خوشی چھپا نہیں سکی۔
''جی بھابی' بچوں کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور سچ پوچھیں تو یہ میری بھی دلی خواہش ہے۔''
''ہوں' سب کی خوشی اسی میں ہے۔ اب دیکھو تمہاری بھاوج کیا کہتی ہیں۔ ویسے میں انہیں منانے کی کوشش کروں گا۔ تم فکر مت کرو مان جائیں گی۔''
''اللہ کرے۔'' ثریا نے دل میں دعا کی۔

......☆☆☆......

اس نے ثریا سے تو کہہ دیا تھا کہ وہ مامی جی کے کہنے پر ہرگز شادی نہیں کرے گی لیکن خود پریشان بھی ہو گئی تھی' کیونکہ وہ اکیلی اس عورت سے نہیں لڑ سکتی تھی جو جانے کیوں اس سے اتنا خار کھاتی تھیں۔ حالانکہ وہ انہی کے سامنے اسی گھر میں پروان چڑھی تھی۔ بندہ کوئی جانور بھی پالتا ہے تو اس سے مانوس ہو جاتا ہے وہ تو پھر انسان تھی' اور شروع میں تو وہ ہمیشہ راحیلہ خاتون کی ہر بات مانتی تھی ان کے کام بھی بلا چوں چرا کیا کرتی تھی پھر بھی ان کے دل میں جگہ نہیں بنا سکی بلکہ راحیلہ خاتون اسے اپنے دل تو کیا گھر میں بھی جگہ دینے کو تیار نہیں تھیں۔ جیسے جیسے اسے یہ بات سمجھ آتی گئی وہ بھی نہ صرف ان سے اکھڑ گئی بلکہ ان سے ضد بھی باندھ لی تھی۔
''لائے ان کا بھانجا بارات سب کے سامنے تماشا بنوا دوں گی۔'' وہ تلملا تلملا کر برتن پٹخ رہی تھی کہ جاذب کچن کے دروازے میں آ کر پوچھنے لگا۔
''تم فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟''
''نہیں اٹھا رہی تھی بس۔'' وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑی۔
''الٰہی خیر' مزاج برہم لگ رہا ہے' کیا ہوا ہے کچن کی گرمی ہے یا......؟''
''فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے سمجھے۔'' وہ دھاڑی۔
''چلو تو کام کی باتیں کر لیتے ہیں لیکن اس کے لیے ماحول خوش گوار ہونا چاہیے۔'' جاذب نے فوراً کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔
''ماحول خوش گوار تبھی ہو سکتا ہے جب ایک بات ہو۔ یہاں تو صبح کچھ ہوتا ہے شام کچھ۔''
''کیا مطلب' اب کیا نئی بات ہوئی ہے۔'' وہ سنجیدہ ہو کر آگے بڑھا۔
''اپنی امی سے پوچھو جو وہاں اپنے بھانجے سے میرا رشتہ طے کر رہی ہیں۔'' اس نے پھر سلگ کر کہا تو جاذب زچ ہو کر بولا۔
''پاگل ہو تم۔ امی تو بس ایسے ہی۔''
''بس ایسے ہی۔'' کسی دن بس ایسے ہی میری قسمت پھوٹ جائے گی۔'' وہ غصے میں پھنکاری۔
''تمہاری قسمت صرف میرے ساتھ پھوٹے گی سمجھیں۔ میں ابو سے بات کر چکا ہوں۔'' جاذب نے تیز ہو کر کہا تو وہ ایک دم اسے دیکھنے لگی۔
''کیا بات؟''

''بس رہنے دو تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے۔'' وہ روٹھنے لگا۔
''اب زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی جیسے وہ نہیں بتائے گا تو اس پر جھپٹ پڑے گی۔
''یہاں نہیں باہر چلو۔ آئی مین خوب گھومیں پھریں گے باتیں کریں گے۔'' جاذب کو موقع مل گیا تھا۔
''نہیں اب میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ اسے دھکیل کر اپنے کمرے میں بند ہوئی تو پھر اگلی صبح ہی نکلی تھی۔ آفس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا' وہ چائے کا کپ لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی کہ آفس کے لیے نکلتا جاذب اسے بیٹھے دیکھ کر رک گیا۔
''تم اتنے آرام سے بیٹھی ہو...... آفس نہیں جاؤ گی؟''
''نہیں' آج موڈ نہیں ہے۔'' اس نے بے پروائی سے کہا تو وہ جتا کر بولا۔
''نوکری میں اپنا نہیں باس کا موڈ دیکھنا پڑتا ہے۔''
''پتا ہے' کیا ہوگا' زیادہ سے زیادہ نکال دی جاؤں گی۔'' اس نے مزید بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔
''ہاں تمہیں کون سا گھر چلانے کی فکر ہے' جو نکالے جانے کا خوف ہو۔ یہ جھمیلے تو ہم مردوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔'' جاذب نے آہ کھینچی تو وہ چڑ کر بولی۔
''بس زیادہ اموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آج گھر میں کچھ کام ہے جب ہی آفس نہیں جا رہی۔''
''تو یہ بات پہلے بھی کہہ سکتی تھیں۔'' جاذب نے جل کر کہا تو وہ قصداً ہنس دی۔
''پھر تمہارے خیالات کا پتا کیسے چلتا۔''
''کون سے خیالات؟'' وہ سمجھا نہیں۔
''کیوں؟ ابھی تم نے کہا نہیں کہ یہ جھمیلے تم مردوں کے ساتھ لگے ہوتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے یعنی تمہاری نظر میں عورتیں ہر فکر سے آزاد پیدا ہوئی ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔
''یہ لمبی بحث ہے اور ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔''
''ہاں جاؤ' اللہ حافظ۔'' اس نے فوراً ہاتھ ہلایا تو وہ جاتے جاتے پلٹا۔
''سنو' شام میں تیار رہنا' باہر چلیں گے۔''
''میں ابھی مامی جی کو فون کرتی ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً ہاتھ ہلاتا ہوا چلا گیا' جس پر وہ ہنسی ضرور لیکن آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔

○......○......○

''رات محسن بہت دیر تک کھانستا رہا۔'' ساجدہ بیگم انتہائی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔ ''میں اس کے کمرے میں گئی بھی لیکن اس نے مجھے بیٹھنے ہی نہیں دیا' بس ایک ہی ضد آپ اپنے کمرے میں جائیں۔''
''ہاں تو تم کیا کر سکتی تھیں۔ پریشان ہی ہوتیں۔'' جلال احمد نے کہا تو وہ انہیں دیکھتے ہوئے بولیں۔
''تو کیا اپنے کمرے میں آ کر میں پریشان نہیں ہوئی۔ پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ فجر سے کچھ پہلے محسن سویا' تب جا کر میری بھی آنکھ لگی۔ میں تو اس لڑکے کی طرف سے بہت فکرمند رہتی ہوں۔ سوچتی ہوں ہمارے بعد اس کا کیا ہوگا' احسن بھی چلا گیا۔''
''احسن ہمیشہ کے لیے نہیں گیا۔'' جلال احمد ان کی آخری بات پر جھنجلا گئے تھے۔
''آ جائے گا' احسن' پھر نشاء ہے۔ ہم سے زیادہ تو وہ محسن کا خیال رکھتی ہے۔''
''ہاں لیکن کب تک' جب اس کی اور احسن کی شادی ہو جائے گی تو کیا اس کے بعد بھی وہ دونوں محسن...... محسن کریں گے۔'' ساجدہ بیگم نے اپنے خدشے کو زبان دی تو جلال احمد کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔
''میرا خیال ہے احسن سے پہلے ہمیں محسن کی شادی کا سوچنا چاہیے۔''
''محسن کی شادی۔'' ساجدہ بیگم حیران ہوئیں۔
''کیوں' تم ماں ہو تمہیں محسن کی شادی کا ارمان نہیں ہے۔'' جلال احمد نے فوراً ٹوکا تو وہ افسردگی سے بولیں۔
''ارمان کیوں نہیں ہے' لیکن کوئی......''

''بھئی جو اس کی قسمت میں لکھی ہو گی مل جائے گی' تم اب پریشان ہونا چھوڑ و۔'' جلال احمد نے ان کی بات کاٹ کر تسلی دی۔
''محسن کی حالت دیکھتی ہوں تو دل دکھتا ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔
''ٹھیک ہو جائے گا۔ شادی کے بعد تو بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' جلال احمد جانے کیا سوچ کر مطمئن تھے لیکن ساجدہ بیگم کی فکر کم نہیں ہو رہی تھی۔
''ابھی آپ دیکھیں بلال اگر نشاء کو اپنے ساتھ لے گیا تو ہمارے لیے کتنی مشکل ہو گی۔''
''تم کیا چاہتی ہو؟'' جلال احمد نے سوالیہ انہیں دیکھا تو وہ نیک نیتی سے کہنے لگیں۔
''سچ تو یہ ہے کہ میں بلکہ ہم سب نشاء کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ایک دن بھی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے میں نہیں چاہتی کہ وہ بلال کے ساتھ جائے۔''
''نہیں جائے گی۔'' جلال احمد فوراً کہہ کر وضاحت دینے لگے ''میرا مطلب ہے ابھی تو بلال یہیں ہے جب اپنے گھر شفٹ ہو گا تب دیکھیں گے۔''
''لیکن آپ ابھی اس کے کان میں ڈال دیں۔''
''ایسے نہیں بیگم' طریقے سے بات کرنی پڑے گی۔ ویسے میں کچھ اور سوچے بیٹھا ہوں۔'' جلال احمد نے کہا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔
''کیا؟''
''بتاؤں گا۔ بروقت آنے پر ہی بتاؤں گا۔''
''ابھی بتانے میں کیا حرج ہے؟''
''حرج تو کوئی نہیں۔ بس تم عورتوں کو کوئی بات آسانی سے ہضم نہیں ہوتی۔ سو مین میخ نکالنے بیٹھ جاتی ہو۔ اس لئے صبر سے کام لو اور نشاء کو قابو میں رکھو۔'' جلال احمد کی آخری بات پر وہ ٹھٹک گئیں لیکن اب ان سے کچھ پوچھنا فضول تھا۔ البتہ سوچنے سے باز نہیں آئیں۔ ان کا ذہن الجھ رہا تھا کہ احسن کے نام پر چونک کر جلال احمد کو دیکھنے لگیں۔ وہ سیل فون کان سے لگائے احسن سے بات کر رہے تھے۔
''ہاں احسن' ہاں بیٹا محسن کافی بہتر ہے۔ تم نے جو میڈیسن بھیجی تھیں ان سے کافی فرق پڑا ہے۔'' ساجدہ بیگم بیٹے سے بات کرنے کو بے چین ہو گئیں لیکن جلال احمد بولے جا رہے تھے۔
''نہیں تمہارے چچا جان ابھی یہیں ہیں۔ گھر لیا ہے دیکھو کب وہاں شفٹ ہوں گے۔''
''ارے نہیں بیٹا نشاء کہاں جائے گی۔ نشاء محسن کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ بہت خیال رکھتی ہے محسن کا۔''
''نہیں...... نہیں تم فکر مت کرو۔ نشاء کہیں نہیں جائے گی۔'' شاید لائن کٹ گئی تھی' جلال احمد نے سیل فون کو دیکھا پھر ساجدہ بیگم کو دیکھ کر کہا۔
''لائن کٹ گئی۔''
''کیسا ہے احسن۔ ٹھیک ہے ناں۔'' ساجدہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا۔
''ہاں' ماشاء اللہ ٹھیک ہے۔''
''آئے گا کب؟''
''ہیں تم ابھی سے دن گننے لگیں۔'' جلال احمد ہنسے تھے۔
''میں تو اس دن سے دن گننے لگی تھی جس دن وہ گیا تھا۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ محفوظ ہو کر بولے۔
''پھر تو تمہارے حساب سے اسے اب تک آ جانا چاہیے۔'' ساجدہ بیگم انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

......☆☆☆......

نشاء کو جلال احمد اور ساجدہ بیگم کے ساتھ بہت ساری باتیں کرنی تھیں۔ اسی غرض سے وہ ان کے پاس آ بیٹھی تھی۔ اور ابھی سوچ ہی رہی تھی بات کہاں سے شروع کرے کہ لبنیٰ اور بلال احمد آ گئے۔
''بھابی جان!'' بلال احمد بیٹھتے ہی کہنے لگے۔ ''گھر کی تھوڑی بہت سیٹنگ تو ہو گئی ہے' باقی وہیں رہ کر ہو جائے گی۔''
''ان کا مطلب ہے اب آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنے گھر شفٹ ہو جائیں۔'' لبنیٰ نے بلال احمد کی بات کو مزید بڑھایا تو ساجدہ

بیگم کہنے لگیں۔
''اس میں میری اجازت کی کیا بات ہے۔ اگر تم لوگوں کی یہی خوشی ہے تو ہم سب تمہاری خوشی میں خوش۔''
''لیکن بھائی جان نشاء کو تو ہم آپ کی اجازت کے بغیر نہیں لے جاسکتے۔ اس کے لیے تو جیسا آپ اور بھائی جان کہیں گے' البتہ میری خواہش ہے کہ ابھی نشاء ہمارے ساتھ چلے۔'' بلال احمد کی آخری بات پر نشاء نے ایک دم جلال احمد کو دیکھا لیکن وہ فراخدلی سے بولے۔
''ضرور' تمہاری خواہش ہے تو ضرور نشاء کو لے جاؤ' پھر واپس تو اسے یہیں آنا ہے۔'' نشاء کا دل ڈوب کر ابھرا تھا اور یقیناً اسے اپنے چہرے پر اترتے رنگوں کا احساس بھی ہوگیا تھا جب ہی وہاں سے اٹھ آئی' اپنے کمرے میں آکر بیگ میں چند جوڑے کپڑے رکھے پھر محسن کے کمرے میں آکر اس سے کہنے لگی۔
''مونی' میں ابو جی کے ساتھ جارہی ہوں۔''
''میں جانتا تھا' تم ان کے ساتھ چلی جاؤ گی۔'' محسن افسردگی سے مسکرایا۔
''لیکن میں ہمیشہ کے لیے نہیں جارہی۔'' وہ فوراً بولی۔ ''بس ابو جی کی خواہش ہے کہ میں کچھ دن ان کے ساتھ رہوں۔''
''اچھی بات ہے' ضرور جاؤ تاکہ مجھے بھی کچھ دن دواؤں سے چھٹکارا ملے۔'' محسن نے خوش ہوکر کہا۔
''جی نہیں تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا پڑے گا' کہ تم دوا پابندی سے لو گے۔''
''میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔''
''ٹھیک ہے پھر میں ابو جی کو منع کردیتی ہوں۔'' وہ جانے لگی تو محسن اس کے سامنے آگیا۔
''ایک ہی صورت ممکن ہے پہلے تم وعدہ کرو۔''
''اچھا بابا کیا وعدہ...... وعدہ' دوا میں کبھی ناغہ نہیں ہوگا۔ ویسے اب تمہاری ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے کیونکہ احسن بھائی آنے والے ہیں۔'' محسن نے وعدے کے ساتھ بتایا تو وہ بے اختیار بولی۔
''کب؟''
''کب......!'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔ ''اگلے مہینے تو ان کے امتحان ہیں اس کے بعد انہوں نے کہا ہے فوراً واپسی کا قصد کریں گے۔''
''اچھا'' اس نے سر جھکایا تو جلال احمد کی بات یاد آئی۔ ''پھر تو اسے یہیں آنا ہے......''
''کیا ہوا؟'' محسن نے ٹوکا تو وہ مسکرائی۔
''کچھ نہیں۔ اچھا میں چلوں' ابو جی انتظار کررہے ہوں گے۔''
''پھر کب آؤ گی؟''
''آجاؤں گی...... جلدی ہی۔''
''اچھا چلو اگر چچا جان جانے کے لیے تیار کھڑے ہیں تو میں ان سے مل لوں۔'' وہ اس کے ساتھ ہی کمرے سے نکل آیا تو جلال احمد اور بلال احمد برآمدے میں کھڑے تھے' ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر جلال احمد کہنے لگے۔
''بھئی بلال یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔'' جلال احمد کی معنی خیز مسکراہٹ جانے کیا کہہ رہی تھی کہ وہ فوراً محسن کے پاس سے ہٹ کر اندر چلی گئی۔
بلال احمد کا نیا گھر بہت شاندار تھا' اس کے باوجود وہ زیادہ خوش نہیں تھی شاید اس لیے کہ فراغت اور تنہائی ایک ساتھ میسر آگئی تھی اور جب یہ دونوں چیزیں یکجا ہوجائیں تو ذہن آپ ہی آپ مختلف خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے بس شروع کے چند دن ہی اس کی خلوتوں کو اس شخص کا خیال مہکاتا رہا جو جاتے جاتے اس کے دامن میں انمول کلیاں ڈال گیا تھا' جن کے عوض وہ اپنی ہر سانس اسے دان کر بیٹھی تھی' اس وقت بھی وہ انہی انمول کلیوں کی لڑیاں پرو رہی تھی کہ احسن کا فون آگیا۔
''کیسی ہو نشاء؟'' انہوں نے پوچھا تو خوشگوار احساس میں گھر کر وہ اسی قدر کہہ سکی۔
''آپ؟''
''تمہیں تو لگتا ہے فرصت ہی نہیں ہے' کبھی دل نہیں چاہتا مجھ سے بات کرنے کو۔'' انہوں نے ہلکا سا شکوہ کیا۔
''چاہتا ہے۔'' وہ جھجک کر بولی۔

''پھر فون کیوں نہیں کرتی ؟''
''آپ جو کر لیتے ہیں۔''
''تو تم اسی انتظار میں رہتی ہو۔ خیر نیا گھر مبارک ہو۔'' انہوں نے کہا تو وہ اپنے آپ صفائی پیش کرنے لگی۔
''جی وہ ابو جی کی خواہش پر میں ان کے ساتھ آ گئی۔''
''اچھی بات ہے' کچھ وقت تم ان کے ساتھ رہ لو پھر تو......'' ان کی شرارت پر بند باندھنے کا ایک ہی طریقہ تھا اس نے سیل فون آف کر دیا تھا۔



بلال احمد چھ مہینے کی نشاء کو ساجدہ بیگم کی گود میں ڈال کر امریکا گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ سال بھر بعد ہی انہوں نے وہاں سارہ نامی لڑکی سے شادی کر لی تھی لیکن یہ دوسری شادی بھی انہیں راس نہیں آئی تھی۔ سارہ انہیں ایک بچی کا تحفہ دے کر ملک عدم سدھار گئی اور وہاں کوئی ایسا تو تھا نہیں جو بلال احمد ننھی مریم کو اس کی گود میں ڈال کر خود آزاد ہو جاتے' وہ فطرتاً صرف آزاد ہی نہیں عیاش طبع بھی تھے۔ شادی ان کی ضرورت نہیں تھی لیکن ایک تو سوسائٹی میں اپنا امیج بنانے کی غرض دوسرے مریم کے لیے انہیں تیسری شادی کرنی پڑی تھی۔ لبنیٰ شروع میں ایک گھریلو لڑکی تھی' اگر اس نے مریم کو ممتا نہیں دی تو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا تھا جب تک مریم اسکول جانے والی نہیں ہو گئی لبنیٰ گھر تک ہی محدود رہی بلکہ بلال احمد نے ہی اسے محدود رکھا تھا۔ اس کے بعد وہ اسے کلب' پارٹیز اور خصوصاً بزنس میٹنگز میں اپنے ساتھ لے جانے لگے اور یوں رفتہ رفتہ لبنیٰ بھی ان کے رنگ میں رنگ گئی تو پھر مریم کو انہوں نے بورڈنگ میں ڈال دیا تھا۔
مریم فطرتاً بہت حساس تھی۔ آزاد ماحول اور مکس گیدرنگ کے باوجود وہ دبی دبی اور خائف سی رہتی تھی۔ شاید اس لیے کہ نہ اسے ممتا کی گود کی نرمی گرمی ملی تھی اور نہ باپ کی وہ شفقتیں جو اسے لاڈ کرنا سکھاتیں' گو کہ بلال احمد اس کی ہر ضرورت اور خواہش بھی بنا کہے پوری کر دیا کرتے تھے لیکن اسے نہ کسی چیز کی ضرورت تھی نہ خواہش' ایک انجانے خول میں بند وہ شاید خود کو تلاشتی رہتی تھی۔ جب ہی باہر کی دنیا میں اسے کوئی کشش نظر نہیں آتی تھی۔ پھر اس نے سینئر کیمرج کیا تھا کہ بلال احمد نے اچانک پاکستان جانے کا سوچ لیا' اور انہوں نے ہی اسے بتایا کہ پاکستان میں اس کی ایک بہن بھی ہے۔ مریم رشتوں سے ناآشنا تھی' بہن اسے اچھی ضرور لگی لیکن اپنے خول سے وہ پھر بھی نکل نہیں سکی تھی۔
بلال احمد نے اپنے گھر شفٹ ہونے کے بعد پہلا کام اسے کالج میں ایڈمیشن دلانے کا کیا تھا۔ اس کی پڑھائی میں دلچسپی بھی بس واجبی سی تھی۔ دیگر سرگرمیاں تو تھیں ہی نہیں۔ ٹی وی آن ضرور کرتی لیکن دیکھتی نہیں تھی۔ البتہ موبائل میں گیمز کھیلتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی شغل میں مصروف تھی کہ اس کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔ اسکرین پر ان نون نمبر دیکھ کر وہ حیران ہوئی کیونکہ اسے لبنیٰ اور بلال احمد کے علاوہ کبھی کسی نے فون نہیں کیا تھا اور اس نے اپنا نمبر بھی کسی کو نہیں دیا تھا۔ سیل فون کی ٹون بند ہوئی پھر دوبارہ بجنے لگی تو اس نے کچھ الجھ کر کال ریسیو کی تھی۔
''ہیلو۔''
''سوری' میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' ادھر جانے کون تھا۔
''آپ کون؟'' اس نے پوچھا تو وہ آہ بھر کر بولا۔
''کیا ستم ہے' ہم کہیں گے حال دل آپ فرمائیں گے کیا۔''
''کون ہیں آپ؟'' اس نے نا سمجھتے ہوئے پھر پوچھا۔
''آپ نہیں جانتیں مجھے' لیکن میں آپ کو روز دیکھتا ہوں۔ اگر کسی دن آپ نظر نہ آئیں تو میرا سارا دن بور گزرتا ہے۔'' اس کی بات پر وہ مزید الجھی۔
''میرا نمبر کس نے دیا آپ کو؟''
''کسی نے نہیں۔ میں نے خود آپ کے سیل فون سے چرایا تھا۔ اب آپ سوچیں کب کیسے؟'' اس نے دلفریب ہنسی کے ساتھ لائن ڈراپ کر دی' تو سیل فون کو دیکھتے ہوئے وہ واقعی سوچ میں پڑ گئی تھی۔



ثریا نے جلدی جلدی چائے بنائی پھر کپ چھوٹی ٹرے میں رکھ کر کچن سے نکلی تھی کہ لاؤنج میں راحیلہ خاتون اور نگار کو کھڑے دیکھ کر کچھ گھبرا گئی۔ وہ دونوں شاید ابھی ابھی آئی تھیں۔ نگار ہینڈ کیری کھینچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا بات ہے ہمیں دیکھ کر تمہارا رنگ کیوں فق ہو گیا۔'' راحیلہ خاتون نے اس پر نظر پڑتے ہی طنز کیا تو بولتے ہوئے وہ ہکلا گئی۔

''نہیں وہ' اصل میں آپ اچانک......''

''جیسے اچانک جانا ہوا ویسے اچانک آ بھی گئی یا تم سمجھ رہی تھیں کہ اب میں کبھی واپس نہیں آؤں گی۔'' راحیلہ خاتون نے صوفے میں دھنستے ہوئے ایک اور تیر چھوڑا۔

''اللہ نہ کرے بھابی' میں ایسا کیوں سمجھوں گی۔ آپ کا گھر ہے' اور سچی بات ہے آپ کے بغیر گھر بہت سونا لگ رہا تھا۔'' اس نے چائے کی ٹرے آگے بڑھ کر راحیلہ خاتون کے سامنے رکھ دی۔

''بس اب مسکا مت لگاؤ۔'' راحیلہ خاتون سر جھٹک کر پوچھنے لگیں۔ ''صبا کہاں ہے؟''

''جی آفس۔''

''بس اب گھر بٹھاؤ اسے۔ میں وہاں اس کی بات پکی کر آئی ہوں۔ ذرا میرے بہنوئی چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں تو پھر بارات لے آئیں گے۔'' راحیلہ خاتون نے کہا تو ثریا پریشان ہو گئی۔

''اتنی جلدی۔''

''ارے شکر کرو وہ مان گئے۔ یہاں تمہاری بیٹی تو کسی رشتے کو دوبارہ آنے جوگا نہیں چھوڑتی۔ اس لیے میں نے آنے جانے کا سلسلہ ہی نہیں رکھا۔ ڈائریکٹ شادی ہو گی۔'' راحیلہ خاتون چمک کر بول رہی تھیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے بھابی' لیکن تیاری بھی تو۔''

''تمہیں کیا تیاری کرنی ہے جو کرنا ہے مجھے ہی کرنا ہے۔ میں کرلوں گی سب' تم فکر مت کرو۔'' راحیلہ خاتون اس کی بات کاٹ کر بول رہی تھیں کہ جاذب کے آنے پر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس پر واری صدقے ہونے لگیں۔

''ہائے میرا بچہ' چند دن میں کیسا کمزور ہو گیا ہے' پھوپی کھانا نہیں دیتی تھی کیا؟''

''ارے نہیں امی' آپ کو تو وہم ہو گیا ہے' ویسا ہی تو ہوں جیسا آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔'' جاذب ثریا کی موجودگی کے باعث بوکھلا گیا تھا۔

''خاک ویسے ہو' آدھے بھی نہیں رہے۔ مجھے پتا تھا میرے پیچھے تمہیں کوئی نہیں پوچھے گا' جبھی میں بھاگی چلی آئی۔'' راحیلہ خاتون نے ایک ناگوار نظر ثریا پر بھی ڈالی تھی۔ وہ اپنی جگہ جز بز ہو کر رہ گئی۔

''ہاں آپ کا تو اگلے ہفتے آنے کا پروگرام تھا' پھر اچانک......'' جاذب کو ان کی اچانک آمد کا خیال آیا تھا۔

''تمہارے لیے آئی ہوں بیٹا وہاں بھی میں چین سے تھوڑی تھی۔ ہر وقت دھیان تمہاری طرف رہتا تھا اور تم تو مجھے یاد بھی نہیں کرتے ہو گے۔'' وہ ثریا کو دکھا کر دلار کر رہی تھیں۔

''یاد نہ کرتا تو روزانہ فون کیوں کرتا۔'' جاذب نے کہا تو وہ فوراً بولیں۔

''مذاق کر رہی ہوں مجھے پتا ہے میرا بیٹا مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ بہت خیال کرتے ہو تم میرا۔ اللہ تمہارے جیسا بیٹا سب کو دے۔'' وہ جذباتی ہونے لگی تھیں کہ جاذب کے موبائل کی ٹون بجنے لگی۔ جس سے ان کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

جاذب نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا۔ صبا کی کال تھی۔ وہ یقیناً اسٹاپ پر اس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے ری پلے نہیں کر سکا' موبائل آف کر کے دوبارہ جیب میں ڈالتے ہوئے بے اختیار اس نے ثریا کو دیکھا تو وہ نا سمجھتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان ہو گئی تھیں کہ اگر راحیلہ خاتون واقعی صبا کی شادی طے کر آئی تھیں تو وہ صبا کو کیسے راضی کریں گی۔ پھر اب انہیں جاذب پر بھی غصہ آ رہا تھا جو ماں کے سامنے بھیگی بلی بن جاتا تھا۔ وہ اگر ان سے بات نہیں کر سکتا تھا تو اسے کوئی حق نہیں تھا کہ وہ صبا کو اپنے انتظار میں بٹھائے رکھے۔ اس وقت وہ متضاد سوچوں میں گھری ہوئی تھی کہ صبا کی آواز پر چونک گئی۔

''السلام علیکم۔'' صبا نے سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' اس کا انداز ڈھیلا ڈھالا تھا۔ صبا نے فوراً محسوس نہیں کیا۔

''جاذب آ گیا امی؟''

''ہاں' جلدی آ گیا' تمہاری مامی جی آ گئی ہیں۔ شاید انہوں نے راستے ہی سے فون کر کے بلایا ہو۔'' ثریا نے بظاہر سرسری انداز میں بتایا۔

''اوہ تو اس لیے اس نے میرا فون کاٹ دیا تھا۔'' صبا سمجھ کر پوچھنے لگی۔ ''ابھی کہاں ہے جاذی؟''

''وہیں تمہاری مامی جی کے پاس' تم جا کر سلام کر آ ؤ انہیں۔'' ثریا نے زبردستی اسے بھیجا تھا' تو اس نے بھی لٹھ مارنے کے انداز میں سلام کیا تھا۔

''سلام مامی جی۔''

''آ گئیں آفس سے۔'' راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''جی ابھی آئی ہوں۔ جلدی آ جاتی لیکن انتظار میں دیر ہو گئی۔'' دوسری بات اس نے جاذب کو دیکھ کر کی تھی۔

''کس کے انتظار میں؟'' راحیلہ خاتون کی پیشانی پر مزید بل پڑ گئے۔

''بس کے انتظار میں' لیکن بس کو نہ آنا تھا نہ آئی آخر مجھے رکشہ سے آنا پڑا۔'' وہ ابھی بھی جاذب کو سنا رہی تھی۔

''کیا ضرورت تھی پیسے ضائع کرنے کی۔ کچھ دیر اور انتظار کر لیتیں۔''

''کچھ دیر کیوں مامی جی' میں ساری زندگی انتظار کر سکتی ہوں۔'' اس نے جاذب کو بوکھلا دیا تھا اور شاید راحیلہ خاتون بھی تاڑ گئی تھیں جب ہی ٹوکا۔

''اچھا جاؤ' مجھے اپنے بیٹے سے بات کرنے دو۔''

''جی۔'' وہ جاتے جاتے پلٹی تھی۔ ''جاذی تمہارا سیل آف ہے کیا؟''

''پتا نہیں۔'' وہ اپنی جیبوں پر ہاتھ مارنے لگا۔

''چیک کرو۔'' اس نے کہہ کر کچن کا رخ کیا تھا۔

......☆☆☆......

وہ لائٹ آف کرنے لگی تھی کہ ثریا پر نظر پڑی جو جانے کن سوچوں میں گم تھی کہ چہرے پر تفکرات کا جال بن گیا تھا۔ اس نے بٹن سے انگلی ہٹائی پھر ثریا کے پاس آ بیٹھی۔

''کیا بات ہے امی' کیا سوچ رہی ہیں۔''

''کوئی ایک سوچ ہو تو بتاؤں۔'' ثریا بے دھیانی میں بولی تھیں۔

''الٰہی خیر۔'' اس نے ثریا کا ہاتھ پکڑا۔ ''بتائیں کیا بات ہے؟'' ثریا اسے دیکھنے لگیں بولی کچھ نہیں۔

''بتائیں ناں امی کس بات سے پریشان ہیں؟'' اس نے اصرار کیا تو ثریا گہری سانس کھینچ کر بولیں۔

''سب سے زیادہ مجھے تم پریشان کرتی ہو۔''

''میں؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''میں نے کیا کیا ہے اب؟''

''تم میری بات نہیں مانتی۔''

''خدا کے لیے امی' یہ سب باتیں چھوڑیں' مجھے اصل بات بتائیں۔'' وہ زچ ہوئی۔

''اصل بات' پہلے وعدہ کرو کوئی شور ہنگامہ نہیں کرو گی۔ سکون سے میری بات سنو گی اور آرام سے سوچو گی۔'' ثریا نے وعدے کے لیے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا' تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

''جب تک وعدہ نہیں کرو گی' میں کچھ نہیں بولوں گی۔'' ثریا نے کہا تو ناچار اسے وعدہ کرنا پڑا۔

''ٹھیک ہے وعدہ' اب بتائیں۔'' ثریا چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

''بیٹا تم نے اور شاید میں نے بھی جاذب سے غلط امیدیں باندھ لی ہیں۔ وہ اپنی امی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ اس میں ہمت ہی نہیں ہے اور صرف وہی نہیں تمہارے ماموں بھی کم ہمت ہیں۔ اور ہماری عافیت بھی اسی میں ہے کہ ہم راحیلہ بھابی کے سامنے سر جھکا دیں۔ وہ اگر اپنے بھانجے کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کر آئی ہیں تو......''

''امی......'' اس نے ایک دم ٹوکا تو ثریا بھی فوراً بولی تھیں۔

''تم نے وعدہ کیا ہے' سکون سے سنو اور آرام سے سوچو۔''
''مجھے اور کچھ نہیں سننا۔'' وہ کھڑی ہوئی۔
''ٹھیک ہے مت سنو۔ مجھے بھی اور کچھ نہیں کہنا۔'' ثریا نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تو وہ غصے میں لائٹ آف کر کے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ لیکن اب نیند کہاں آنی تھی۔ کتنی دیر کروٹیں بدلتی رہی' اس کے اندر الاؤ دہک رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالے۔
جاذی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے کھولتے ذہن کے ساتھ سوچا اور پھر صبح کا انتظار نہیں کیا' اسی وقت اٹھ کر جاذب کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔
''تم اس وقت؟''
''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' وہ اس کے پریشان ہونے سے مزید طیش میں آ گئی تھی۔
''ہاں لیکن صبح۔''
''نہیں ابھی۔ ابھی بات ہوگی۔'' اس نے اڑ کر کہا تو جاذب نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا پھر اس خیال سے کہ اس کی آواز باہر تک نہ جائے وہ بڑھ کر دروازہ بند کرنا چاہتا تھا کہ راحیلہ خاتون کی پکار سنائی دی۔
''جاذب......''
''اف......'' وہ اس کی طرف پلٹا۔ ''جاؤ خدا کے لیے۔''
''نہیں جاؤں گی۔'' عجیب ضد تھی جاذب ہاتھ جوڑنا چاہتا تھا کہ راحیلہ خاتون دروازہ دھکیل کر اندر آتے ہی پہلے ٹھٹکیں پھر انتہائی غضب ناک ہو گئیں۔
''تم......تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟''
''وہ......میں......'' وہ پہلی بار خائف ہوئی تھی۔
''کیا' میں شرم نہیں آتی یا گھول کر پی لی ہے۔ ماں کہاں ہے تمہاری چلو۔'' راحیلہ خاتون نے تیزی سے بڑھ کر جھپٹنے کے انداز میں اس کی کلائی پکڑی اور کھینچتے ہوئے اس کے کمرے میں لا کر سوئی ہوئی ثریا کے اوپر اسے پٹخا تھا۔
''کیسی ماں ہو جوان بیٹی کو کھلا چھوڑ کر بے خبر سو رہی ہو۔'' راحیلہ خاتون کی تیز آواز نے ثریا کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔
''ک......کیا ہوا بھابی؟''
''یہ پوچھو کیا نہیں ہوا' یہ تمہاری بیٹی ذرا پوچھو اس سے یہ اس وقت جاذب کے کمرے میں کیا گل کھلا رہی تھی۔''
''مامی جی۔'' اس کے غصے کو راحیلہ خاتون خاطر میں نہیں لائیں الٹا اس پر چڑھ دوڑیں۔
''چپ حرام خور' ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ہائے ہائے بس یہی دن دیکھنا رہ گیا تھا۔ ارے منہ کالا کرنے کے لیے تمہیں میرا ہی بیٹا ملا تھا۔''
''خدا کے لیے مامی جی' بولنے سے پہلے سوچ لیں' مت جھوٹے بہتان لگائیں۔'' وہ کانپتی ہوئی ثریا کو تھام کر چیخی تھی۔
''میں جھوٹے بہتان لگا رہی ہوں' تم بتاؤ سچ کیا ہے۔ بتاؤ ابھی تم جاذب کے کمرے میں تھیں کہ نہیں۔''
''ہاں لیکن......''
''سن لیا......'' راحیلہ خاتون نے اسے مزید بولنے ہی نہیں دیا ثریا کو سنانے لگیں۔
''تم پڑی بے خبر سوتی رہو' ارے اپنا نہیں تو ہماری عزت کا خیال کرو۔ نہیں سنبھال سکتی اسے تو بھیج دو اس کے باپ کے پاس' وہ بہت خوش ہوگا بیٹی کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھ کر۔''
''بس کریں بھابی۔'' ثریا نے ہاتھ جوڑ دیئے۔
''اب بس نہیں ہوگی' میں تمہارے بھیا سے بات کروں گی۔ بہت ترس کھاتے ہیں نا وہ تم ماں بیٹی پر' اب ذرا تمہارے لچھن بھی دیکھیں۔'' راحیلہ خاتون پیر پٹختی چلی گئیں تو ثریا کی نظریں صبا پر آن ٹھہریں۔
''امی میں......'' اس سے بولا ہی نہیں گیا۔
''تم مجھے جینے دو گی کہ نہیں۔'' ثریا کے لہجے میں دکھ تاسف اور جانے کیا کچھ تھا۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

''امی آپ میری بات تو سنیں۔''
''نہیں سننی مجھے تمہاری کوئی بات جاؤ اپنی جگہ پر۔'' ثریا نے اس کی پیٹھ پر دو ہتیر مار کر اٹھایا اور خود لیٹ کر سر تک چادر اوڑھ لی۔
وہ جانتی تھی اس کی ماں سوئے گی نہیں روتی رہے گی اور پھر سوئی تو وہ بھی نہیں تھی البتہ رونے سے اسے نفرت تھی۔ رت جگے کے باعث اس کی آنکھیں سرخ اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا پھر بھی وہ آفس کے لیے تیار ہو کر نکل رہی تھی کہ ثریا سامنے آ گئیں۔
''کہاں جا رہی ہو؟'' ٹھہرا ہوا سرد لہجہ تھا۔
''آفس......'' وہ ہمیشہ کی طرح پر اعتماد نہیں تھی۔
''کوئی ضرورت نہیں بس اب گھر بیٹھو۔''
''یہ مامی جی کا آرڈر ہے؟''
''تم سے میں کہہ رہی ہوں اور مجھے تم نے مجبور کیا ہے کہ میں تمہاری مامی جی کی بات مان لوں۔'' ثریا چبا کر بولی تھیں وہ چیخ گئی۔
''ایسا کیا کیا ہے میں نے جو آپ مجبور ہو گئی ہیں۔ مجھے الزام مت دیں امی' اپنی مجبوریوں کو مجھ سے منسوب مت کریں۔''
''میری کیا مجبوریاں ہیں' سب کچھ مجھے تمہاری وجہ سے سہنا پڑتا ہے لیکن تمہیں احساس ہی نہیں۔'' ثریا کی آواز بھرانے لگی تھی۔
''ہاں نہیں ہے احساس۔'' وہ ہٹ دھرمی سے کہہ کر جانے لگی کہ ثریا نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔
''کون سی زبان سمجھتی ہو تم۔ میں منع کر رہی ہوں تم جاب نہیں کرو گی۔''
''تو آپ میری ضرورتیں میری خواہشات پوری کر دیں۔ میں بیٹھ جاؤں گی گھر۔''
''کیا' ہیں تمہاری خواہشات۔'' ثریا تاسف سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔
''کوئی لمبی چوڑی فہرست نہیں ہے' واپس آ کر بتاؤں گی۔ وہ کہہ کر تیزی سے نکل گئی تھی۔



محسن کی ناراضگی پھر دھمکی کہ اگر آج وہ نہ آئی تو وہ دوا نہیں لے گا' اس کی جان پر بن آئی تھی۔ بلال احمد اور لبنیٰ بھی گھر پر نہیں تھے اور اس نے محسن سے کہا بھی کہ لبنیٰ آنٹی اور ابو جی کے آنے پر ہی وہ اس کی طرف آ سکے گی لیکن اس نے کوئی عذر نہیں سنا تھا۔ وہ بار بار کھڑکی سے جھانک کر دیکھ رہی تھی۔ پورچ میں گاڑی تو موجود تھی لیکن ڈرائیور ندارد۔ اس نے پھر محسن کو فون کیا۔
''میں آ جاؤں گی مونی' ابو جی بس آنے والے ہیں۔''
''تو جب آؤ گی تب ہی بات ہو گی۔'' محسن نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ روہانسی ہو گئی پھر بلال احمد کو فون کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ ان کی گاڑی کا ہارن سن کر خوش ہو گئی اور جلدی جلدی تیار ہو کے نیچے آئی تو بلال احمد اور لبنیٰ کے سامنے ایک اجنبی خاتون کے ساتھ بیٹھے لڑکے کو دیکھ کر وہ پہلے جھجک کر رکی پھر اچانک ذہن میں جھماکا ہونے پر صرف ٹھٹکی ہی نہیں اس کا دل بھی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ وہی لڑکا تھا جس نے ایک بار کالج گیٹ پر اسے روکنے اور بات کرنے کی کوشش کی تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ یہاں تک کیسے اور کیوں آیا ہے؟
''یہ ثریا کی بیٹی ہے نا۔'' خاتون نے اسے دیکھ کر بلال احمد سے پوچھا تھا اور وہ اپنی ماں کے نام پر بری طرح چونکی تھی۔
''جی' یہ نشاء ہے میری بیٹی۔'' بلال احمد نے اپنے تئیں تصحیح کی تھی۔
''بہت مشابہت ہے ثریا سے۔ میں دیکھتے ہی پہچان گئی۔'' خاتون نے بلال احمد کی بات ان سنی کر کے کہا تو وہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔
''بیٹا' آپ کو کہیں جانا ہے؟''
''جی۔'' وہ جو گم صم کھڑی تھی چونک کر بولی۔ ''جی ابو' تایا ابو کے گھر۔''
''شیور' ڈرائیور سے کہو لے جائے گا۔'' انہوں نے کہا تو وہ جلدی سے باہر نکل آئی لیکن پھر راستے میں اسے احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی ہے' اسے وہیں رکنا چاہیے تھا' وہ خاتون جو بھی تھیں اس کی ماں کو جانتی تھیں جس کے بارے میں کسی نے اسے نہیں بتایا تھا۔ وہ ان سے پوچھ سکتی تھی لیکن بلال احمد کی موجودگی میں تو یہ ممکن نہیں تھا۔ اسے لگا جیسے بلال احمد نے جان بوجھ کر اسے وہاں سے ہٹایا تھا۔ گویا وہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اپنی ماں کے بارے میں سوال کرے۔ بہر حال اب اس کے اندر جو سوال اٹھ رہے تھے ان پر وہ کراس کا نشان نہیں لگا پائی جب ہی ساجدہ بیگم سے مل کر وہ محسن کے پاس آئی تو چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔
''مونی' تم نے میری امی کو دیکھا ہے؟''

''یہ اچانک تمہیں اپنی امی کا خیال کیسے آ گیا؟'' محسن نے ٹوکا۔
''بس آ گیا' تم میری بات کا جواب دو۔'' اس نے کہا تو محسن سوچتے ہوئے بولا۔
''یاد نہیں' میرا مطلب ہے میں اس وقت بہت چھوٹا تھا' شاید دو ڈھائی سال کا تو سوچو مجھے کیسے وہ یاد رہ سکتی ہیں۔ تم ایسا کرو امی سے پوچھ لو۔''
''چھوڑو تائی امی نے کبھی مجھے ان کے بارے میں نہیں بتایا۔'' وہ مایوس ہوئی تھی۔
''اچھا تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔'' محسن نے کہا تو وہ روٹھے انداز میں بولی۔
''میں رو تو نہیں رہی۔''
''تو پھر ہنس کے دکھاؤ۔''
''پہلے تم بتاؤ میڈیسن وقت پر لے رہے ہو کہ نہیں۔'' اس نے ایک دم یاد آنے پر پوچھا۔
''لے رہا ہوں بابا لے رہا ہوں۔ اب چلو ادھر میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔'' محسن اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیرس پر لے آیا جہاں چھوٹے سے پنجرے میں خوب صورت چڑیاں دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔
''ہائے مونی' یہ کہاں سے لیں؟''
''کیسی ہیں؟'' وہ اس کا اشتیاق دیکھ کر خوش ہوا۔
''بہت خوب صورت۔'' وہ کتنی دیر چڑیوں کو ادھر ادھر پھدکتے دیکھتی رہی' پھر شامی کھانے کے لیے بلانے آئی تو وہ محسن کے ساتھ نیچے آ گئی۔
کھانے کی ٹیبل پر ساجدہ بیگم اور جلال احمد پہلے سے موجود تھے۔ وہ اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھی تو ساجدہ بیگم کہنے لگیں۔
''بیٹا' مریم کو بھی لے آیا کرو۔''
''میں کہتی ہوں اس سے تائی امی لیکن وہ کہیں جاتی ہی نہیں ہے۔ بات بھی کم کرتی ہے۔'' اس نے کہا تو ساجدہ بیگم افسوس سے بولیں۔
''ہاں' لبنیٰ نے بچی کو بالکل اکیلا چھوڑ دیا ہے۔''
''میں تو کوشش کرتی ہوں تائی امی کہ وہ میرے ساتھ باتیں کرے' ہنسے بولے لیکن وہ چپ ہی رہتی ہے۔''
''آہستہ آہستہ کھل مل جائے گی۔'' جلال احمد نے کھانے میں مصروف رہ کر یوں کہا جیسے تم لوگ بھی کھانا کھاؤ۔ اس نے محسن کو دیکھ کر کھانے کی طرف اشارہ کیا اور اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔
پھر کھانے کے بعد اس نے خود محسن کو دوا دی اس کے بعد ساجدہ بیگم سے اجازت لے کر گھر آئی تو ٹی وی لاؤنج میں لبنیٰ اکیلی بیٹھی تھیں' وہ اسے سلام کر کے اپنے کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ اچانک کچھ خیال آنے پر پلٹ کر لبنیٰ کے پاس آ بیٹھی۔
''آنٹی' شام میں جو خاتون آئی تھیں کون تھیں؟''
''وہ دوسرے بلاک میں رہتی ہیں۔'' لبنیٰ نے ٹی وی سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا تو وہ جز بز ہو کر پوچھنے لگی۔
''میرا مطلب ہے آنٹی وہ امی کا نام لے رہی تھیں کیا وہ امی سے ملنے آئی تھیں؟''
''نہیں' وہ تمہارا پرپوزل لے کر آئی تھیں وہ جو ان کے ساتھ ان کا بیٹا تھا' اس کے لیے۔'' لبنیٰ کے جواب نے اسے صرف بوکھلایا ہی نہیں پریشان کر دیا تھا کہ وہ فوراً کچھ بول ہی نہیں سکی۔
''لڑکا دیکھنے میں تو اچھا ہے' بزنس بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ بلال کہہ رہے تھے تم سے پوچھ لوں تمہاری کیا مرضی ہے۔'' لبنیٰ یوں بول رہی تھیں جیسے کوئی ڈیوٹی نبھا رہی ہوں۔ صاف لگ رہا تھا اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔
''سوچ لو' سوچ کر جواب دینا۔'' لبنیٰ ایک نظر اس پر ڈال کر پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تو وہ فوراً اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا تھا جب ہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے' ایسا تو اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا' اس کی زندگی تو بس ایک ہی ڈگر پر چل رہی تھی' جس میں کوئی موڑ نہیں تھا اور اس اچانک موڑ نے اسے بے حد پریشان کر دیا تھا۔ کتنی دیر وہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی جب ذہن کسی قدر سوچنے کے قابل ہوا تو اسے پہلا خیال احسن کا آیا تھا۔ اس نے جھٹکنے کے انداز میں اپنا سیل فون اٹھا کر احسن کو کال ملائی اور ان کی آواز سنتے ہی وہ رونے لگی۔

○......○......○

ساجدہ بیگم نے سکون سے احسن کی بات سنی اور پھر انہیں تسلی دی تھی کہ وہ بالکل فکر نہ کرے' نشاء پر پہلا حق ان کا ہے' وہ ابھی ان کے ابو سے بات کریں گی اور آج ہی بلال احمد کی طرف جائیں گی۔ انہیں یقین تھا بلال احمد نشاء کے معاملے میں ان کی بات ٹال ہی نہیں سکتے اور یہ یقین جلال احمد کو بھی تھا جب ہی ساجدہ بیگم نے انہیں نشاء کے پرپوزل کا بتا کر یہ کہا کہ اس سے پہلے کہ بلال احمد نشاء کے لیے آئے پرپوزل کے بارے میں سوچیں انہیں فوراً بات کر کے نشاء کو احسن کے ساتھ منسوب کر دینا چاہیے تو اس پر جلال احمد بڑے آرام سے بولے تھے۔

''احسن کے ساتھ نہیں بیگم' محسن کے ساتھ۔''

''محسن کے ساتھ۔'' ساجدہ بیگم چکرا گئیں۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ٹھیک کہہ رہا ہوں' احسن کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں لیکن محسن کے لیے صرف نشاء ہی ہو سکتی ہے' ابھی بھی وہی اس کا خیال رکھتی ہے۔'' جلال احمد نے کہا تو ساجدہ بیگم پریشانی سے بولیں۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن احسن نے خود نشاء کے لیے کہا تھا' ابھی بھی اس نے فون پر مجھ سے یہی کہا ہے' وہ نشاء کو پسند کرتا ہے۔''

''یہ سب احمقانہ باتیں ہیں۔ آج نشاء پسند ہے کل کوئی اور پسند آ جائے گی اسے۔ تم اس کی باتوں کو دل پر مت لو' محسن کا سوچو' ہر پل تمہیں کیا یہ فکر نہیں ستاتی کہ ہمارے بعد محسن کا کیا ہوگا؟''

''بالکل ستاتی ہے لیکن احسن سے میں کیا کہوں گی۔'' ساجدہ بیگم الجھ گئیں۔

''تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ احسن کو میں خود سمجھا دوں گا۔'' جلال احمد گویا فیصلہ کر چکے تھے اور یہ فیصلہ کب ہوا تھا وہ ساجدہ بیگم کے گوش گزار کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''پہلے میرا ارادہ احسن اور نشاء کی شادی کرنے کا تھا لیکن جب تمہیں محسن کے لیے فکر مند دیکھا تو میں نے بھی سوچا کہ ابھی تو احسن اور نشاء محسن کا خیال کر رہے ہیں لیکن شادی کے بعد ان کی اپنی زندگی ہوگی اور پھر بچوں میں مصروف ہو کر تو یہ دونوں محسن کو بالکل ہی بھول جائیں گے پھر محسن کی حالت ایسی نہیں کہ کوئی اپنی بیٹی دینے کو تیار ہوگا' جبکہ احسن کے لیے کمی نہیں ہے' اس لیے میں نے محسن اور نشاء کی شادی کا نہ صرف سوچا بلکہ اسی وقت فیصلہ بھی کر لیا تھا۔'' ساجدہ بیگم گم صم انہیں دیکھے جا رہی تھیں۔ بے اختیار بول پڑیں۔

''تو کیا بلال مان جائے گا؟''

''بلال کو میں تقریباً منا چکا ہوں۔'' جلال احمد فخریہ انہیں دیکھ کر کہنے لگے۔ ''شروع میں بلال اس رشتے پر راضی نہیں تھا' اس نے بھی یہی کہا کہ محسن کی بجائے احسن کی بات کریں' تو پتا ہے میں نے کیا کہا' میں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں' لیکن خود نشاء ایسا ہی چاہتی ہے' اور پھر مجھے اسے یقین دلانا پڑا کہ نشاء اور محسن ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے' اور یہ یقین دلانے کے لیے مجھے کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑا۔ نشاء ویسے بھی محسن کا خیال رکھتی تھی' بلال نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کیسے نشاء ہر کام چھوڑ کر محسن کے پاس پہنچ جاتی ہے' جب تک اسے اپنے ہاتھوں سے دوا نہ دے چین سے نہیں بیٹھتی۔''

''یہ زیادتی ہے۔'' ساجدہ بیگم کی متاسف آواز آئی تو وہ ناگواری سے بولے۔

''کیسی زیادتی' تم عورتیں کسی حال میں خوش نہیں ہوتیں' بہرحال ایک مہربانی کرو تم صرف محسن کا سوچو اور احسن کے لیے جیسا میں کہوں ویسا کرنا' سمجھیں۔'' ساجدہ بیگم کا سر آپ ہی آپ جھک گیا تھا۔

......☆☆☆......

مریم سیل فون ہاتھ میں لیے شش و پنج میں بیٹھی تھی۔ ان نون نمبر سے مسلسل کال آ رہی تھی' آخر اس نے ہچکچاتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

''ہیلو۔''

''کہاں ہیں آپ' میں کب سے فون کر رہا ہوں' آپ میرا فون کیوں نہیں ریسیو کرتیں۔'' دوسری طرف وہی تھا' مریم کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے۔

''بہت انتظار کرواتی ہیں آپ۔'' اس کا لہجہ اچانک گھمبیر ہو گیا۔ ''اچھی لڑکی کبھی کبھی انتظار جان بھی لے لیتا ہے۔''

''آپ کیوں مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' وہ بلا کی سادہ تھی۔
''میں تنگ کر رہا ہوں' فون آپ نہیں ریسیو کرتیں۔'' وہ فوراً بولا تھا۔
''مم......میں آپ کو نہیں جانتی' پھر میں کیسے آپ سے بات کر سکتی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔
''جنہیں جانتی ہیں ان سے باتیں کرتی ہیں؟'' اس نے پوچھا تو وہ پھر خاموش ہو گئی۔
''آپ کی خاموشی بتا رہی ہے آپ کسی سے بات نہیں کرتیں۔''
''ہاں نہیں کرتی' میں کسی سے بات نہیں کرتی' آپ سے بھی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ پلیز مجھے آئندہ فون مت کیجیے گا۔'' اس نے سیل آف کر کے ایک طرف اچھال دیا پھر اپنا ٹیڈی بیئر اٹھا کر اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس سے پوچھ رہی ہو کہ میں کیا کروں' تب ہی بی بی (بوا) آ کر پوچھنے لگیں۔
''بیٹا' تمہارے لیے کھانا لگا دوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''کیوں بیٹا' بھوک نہیں لگتی تمہیں۔ ناشتا بھی نہیں کیا تھا۔'' بی بی اس کے قریب آ گئیں۔
''لگتی ہے لیکن کھانے کی نہیں۔'' اس کی نظریں ہنوز بیئر پر تھیں۔
''پھر جو تمہارا دل چاہتا ہے وہ بتا دو۔ پکا دیتی ہوں۔'' بی بی نے پیار سے کہا لیکن اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بیئر بازوؤں میں بھینچ کر دائیں بائیں جھولنے لگی۔ تو بی بی ترحم آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے چلی گئیں۔ تب کچھ دیر بعد جانے اسے کیا خیال آیا' کمرے سے نکل کر بی بی کے پاس جانا چاہتی تھی کہ لبنیٰ نے پکار لیا۔
''مومو یہاں آؤ۔''
''جی مما۔''
''بیٹھ جاؤ۔'' لبنیٰ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ وہیں بیٹھ گئی۔
''بی بی بتا رہی ہیں تم کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو۔ اینی پرابلم؟'' لبنیٰ نے ٹوک کر پوچھا۔
''نو......نو پرابلم مما۔'' اس نے رک کر کہا۔
''ہاں بیٹا' یہاں تمہیں پرابلم نہیں ہونی چاہیے' کیونکہ یہاں تم اکیلی نہیں ہو' تمہاری بہن ہے نشاء' پھر تایا' تائی بھی ہیں۔ جیسے نشاء ان کے پاس جاتی ہے تم بھی چلی جایا کرو۔ خود کو اکیلا رکھو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں؟'' لبنیٰ نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''جی۔''
''اور کھانے کو منع نہیں کرتے۔ جاؤ بی بی سے کہو کھانا نکال دیں۔'' لبنیٰ نے اس کا کندھا تھپتھپایا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

○......○......○

اس نے ٹائم دیکھا ایک بج رہا تھا اور بنٹی ابھی بھی اسے جانے نہیں دے رہا تھا' اور گو کہ اس کے لیے یہ مسئلہ نہیں تھا کہ وہ آفس نہیں پہنچی تو باس ناراض ہوں گی' ان ہی کے آرڈر پر پہلے اسے بنٹی کو دیکھنا بہلانا تھا' لیکن اس وقت وہ خود ذہنی انتشار کا شکار تھی' اس لیے بنٹی کی باتوں اور اس کی ایکٹویٹیز میں اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی کتنی بار اس کا دل چاہا وہ ڈانٹ کر بنٹی کو خاموش کرا دے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی جبھی یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ پھر دوپہر کے کھانے کے بعد خدا خدا کر کے بنٹی کو نیند آئی تب اس کی جان چھوٹی۔ وہ جلدی سے اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکلی تو آگے گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر خان جنید کو دیکھ کر وہ رک گئی۔
''خان جنید ملازم سے شاید اسی کو بلانے کا کہہ رہے تھے اسے دیکھا تو اشارے سے آنے کا کہہ کر انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ خائف تو نہیں ہوئی البتہ بیٹھتے ہوئے قدرے ہچکچائی تھی۔
''کیا کر رہا ہے بنٹی؟'' خان جنید نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے پوچھا۔
''جی ابھی سونے لیٹا تھا۔ اس نے ساری سوچوں پر بند باندھ کر اپنا دھیان ان کی طرف منتقل کیا تھا۔
''گڈ' بہت مانوس ہو گیا ہے بنٹی تم سے۔ میں اب کافی ریلیکس ہو گیا ہوں ورنہ بنٹی نے مجھے بہت پریشان کر رکھا تھا۔ کسی گورنس کو ٹکنے ہی نہیں دیتا تھا پھر تنہائی اسے سائیکی بنا رہی تھی۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا وہ کسی دن خود کو نقصان پہنچا لے گا۔'' خان جنید یوں بول رہے تھے جیسے کسی

بزنس پروجیکٹ پر بات کر رہے ہوں۔

''سر یہ تو بہت خطرناک بات ہے۔''اس نے کہا۔

''ہوں......اس لیے میں چاہتا ہوں تم فل ٹائم کے لیے بنٹی کے پاس آ جاؤ۔''انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''فل ٹائم۔''اس نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

''ہاں، میں تمہیں شادی کی آفر کر رہا ہوں۔''انہوں نے بڑے آرام سے اسے چکرا دیا تھا۔اس کا حلق کڑوا اور زبان خشک ہوگئی تھی۔

''سوچ لو میں تمہیں اچھی زندگی دے سکتا ہوں۔ابھی مجھے لگتا ہے تم پرابلمز میں ہو تمہاری ساری پرابلمز سولو ہو جائیں گی۔'' خالص کاروباری انداز تھا اسے راہ فرار کے لیے ایک ہی بات سمجھ میں آئی تھی۔

''سر مجھے یہیں اتار دیں۔''

''اوکے، سوچنا ضرور۔''انہوں نے گاڑی روک دی تو وہ جلدی سے اتر گئی اور جب ان کی گاڑی آگے بڑھ گئی تب وہ تیز تیز چلنے لگی یوں جیسے وہ وقت کی ساری سرحدیں پار کر جانا چاہتی ہو۔سر پر تپتا آسمان تھا اور کہیں جائے پناہ نہیں تھی۔اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا لیکن اس کی آنکھیں دھندلا گئیں تب اس نے بیگ سے سیل فون نکال کر جاذب کا نمبر پش کر دیا اور جیسے ہی اس نے کال ریسیو کی اسے آنے کا کہہ کر سیل آف کر دیا۔اور وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اچھے ریسٹورنٹ میں جاذب کے سامنے بیٹھی تو وہ الٹا اسے الزام دینے لگا۔

''مان لو کہ غلطی تمہاری ہے' کیا ضرورت تھی میرے کمرے میں آنے کی۔اب امی کو موقع مل گیا ناں۔''

''مامی جی کو پروپیگنڈہ کرنے کے لیے کسی موقع کی تلاش نہیں رہتی وہ جب جو چاہیں کر سکتی ہیں۔تم اپنی بات کرو۔''اس نے سلگ کر کہا تو وہ زچ ہوا۔

''اپنی کیا بات کروں؟''

''تم میرے لیے اسٹینڈ لے سکتے ہو کہ نہیں۔''وہ اسی وقت فیصلہ چاہتی تھی۔

''اور کیا اسٹینڈ لوں' ابو سے بات کر تو چکا ہوں۔'' جاذب نے کہا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''ابو سے نہیں امی سے' میرا مطلب ہے مامی جی سے۔''

''دیکھو صبا' یہ میرا مسئلہ ہے کہ میں امی تک بات خود پہنچاؤں یا ابو کے ذریعے سے' تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔'' جاذب نے دھیما پڑ کر اسے بھی ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''پھر کس سے غرض رکھوں؟''

''مجھ سے' میرا مطلب ہے تم دیکھتی جاؤ کہ میں امی کو کیسے راضی کرتا ہوں۔'' جاذب نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔

''کر چکے تم انہیں راضی!!!''

# ترے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

## ﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

احسن کے جانے کے بعد نشا محسن کی تیمارداری بااحسن طریقے سے کرتی ہے۔ جبکہ اسی دوران بلال احمد اپنی بیگم اور ایک بیٹی کے ہمراہ وطن واپس لوٹ آتے ہیں۔ لبنٰی بیگم کو نشا کا یوں محسن کی طرف التفات پسند نہیں آتا محسن کے ساتھ اس کی ہمدردی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے جلال احمد بھی نشا کی شادی محسن سے کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں جبکہ ساجدہ بیگم محسن کے جذبات کا خیال کر کے شاکڈ رہ جاتی ہیں جبکہ اس سارے معاملے سے نشا کو بے خبر رکھا جاتا ہے بلال احمد اسے اپنے ہمراہ نئے گھر لے آتے ہیں۔ یہاں اس کے لیے ایک اور شخص کا پرپوزل بھی آتا ہے جسے اس نے اپنے کالج کے باہر بھی دیکھا تھا دوسری طرف وہ خاتون بھی نشا میں ثریا کی مشابہت سے کافی متاثر ہوتی ہیں۔ راحیلہ خاتون اپنے بہنوئی کی خراب حالت کا سن کر چند دنوں کے لیے وہاں چلی جاتی ہیں جب ہی جاذب اپنی محبت کا اظہار صبا کے لیے کر کے سلیم احمد کی حمایت حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اپنی بیگم کے سامنے اس بات کا ذکر کرتے وہ بھی کتراتے ہیں۔ دوسری طرف راحیلہ خاتون اپنے بھانجے سے صبا کا رشتہ خود ہی طے کر لیتی ہیں اور اچانک گھر پہنچ کر سب کو اس بات سے آگاہ کرتی ہیں صبا کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہوتا ہے جب ہی وہ دن کا انتظار کیے بغیر رات کو ہی جاذب سے اس سارے معاملے کو ڈسکس کرتی ہے ایسے میں راحیلہ خاتون اچانک وہاں پہنچ کر سارا معاملہ بگاڑ دیتی ہیں اور صبا پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتی ہیں جبکہ جاذب اپنی بزدلانہ طبیعت کے پیش نظر خاموش رہ جاتا ہے۔ بٹی کافی حد تک صبا سے مانوس ہو جاتا ہے جب ہی خان جنید صبا کو مستقل طور پر یہاں رکھنے کی غرض سے اسے اپنا پرپوزل پیش کرتے ہیں جبکہ ان کی اس بات پر صبا دنگ رہ جاتی ہے۔ بلال احمد کی دوسری بیٹی مریم ہوتی ہے جبکہ لبنٰی اس کی سوتیلی ماں ہے وہ ایک کم گو اور حساس لڑکی ہے یہاں پاکستان پہنچ کر بھی اس کا یہی رویہ رہتا ہے جب ہی اس کے نمبر پر کسی انجان آدمی کی کالز کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ مریم اس صورت حال پر کافی متفکر رہتی ہے۔

## ﴿اب آگے پڑھیے﴾



وہ انجانے خدشوں میں گھری بے حد مضطرب پھر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کوئی ہمدرد، ہم نوا ہو جسے وہ اپنی بے چینیوں کا احوال سنا سکے، پھر اسے محسن کا خیال آیا لیکن ایک جھجک مانع آ گئی تو وہ اسے فون کرنے کا خیال چھوڑ کر کچن میں آ گئی۔ بی بی ٹرے میں چائے کے ساتھ دوسرے لوازمات سجا رہی تھیں۔

''یہ کس کے لیے بی بی؟'' اس نے ٹرالی پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے تایا تائی آئے ہیں بیٹا۔'' بی بی نے بتایا تو وہ حیران ہوئی۔

''ہیں تائی امی کب آئیں؟''

''کچھ دیر ہوئی۔''

''مجھے کیوں نہیں بتایا' لائیے ٹی پاٹ رکھیں یہ میں لے جاتی ہوں۔'' اس نے ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا تو بی بی ٹی پاٹ اٹھا کر ٹرے کو دیکھنے لگیں جس میں جگہ نہیں تھی۔

''چلیں' یہ آپ لے آیئے گا۔'' وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو جلال احمد کہہ رہے تھے۔

''احسن اگلے مہینے آ رہا ہے' میرا خیال ہے منگنی ابھی کر دیتے ہیں شادی احسن کے آنے پر......'' وہ جلدی سے ٹرے میز پر رکھ کر وہاں سے چلی آئی۔ زندگی میں کچھ لمحے بے پناہ خوشی سے ہم کنار کر جاتے ہیں۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ اور جو انجانے خدشے سر ابھارنے لگے تھے سب اپنی موت آپ مر گئے' اگر کوئی کسک رہی بھی تو وہ اس وقت دور ہو گئی جب جاتے وقت ساجدہ بیگم نے اس کے کمرے میں آ کر اسے انگوٹھی پہنائی پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کر کتنی دیر اسے دیکھتی رہیں۔ پہلے تو وہ نظریں جھکائے رہی پھر ذرا سی پلکیں اٹھا کر دیکھا' ساجدہ بیگم کا وہی سپاٹ چہرہ' پتا نہیں انہیں اظہار کرنا نہیں آتا تھا یا وہ اظہار کرنا نہیں چاہتی تھیں' اب بھی وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ اس بندھن سے خوش ہیں یا ناخوش۔

''سکھی رہو۔'' ساجدہ بیگم کے ہونٹوں سے بس یہی دو لفظ نکلے پھر وہ اس کی پیشانی چوم کر کمرے سے نکل گئیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ان کے شروع سے اب تک کے رویے پر غور کرتی لیکن اب انگلی میں پڑی جگمگاتی انگوٹھی اور اس کے خیال میں جس کے حوالے سے پہنائی

گئی تھی اس کا خیال ہی اتنا زورآور تھا کہ کوئی اور بات سوچی ہی نہ گئی۔ اس کا دل چاہا کوئی ہو جس سے وہ ڈھیر ساری باتیں کرے۔ وہ سارے حسین خواب جو اس نے اپنی پلکوں پہ سجائے تھے' وہ ساری خوب صورت باتیں جو اس کے حوالے سے سوچی تھیں اور اسے حیرت ہوئی کہ اس کی کوئی دوست نہیں تھی' اسکول کالج میں پڑھنے کے باوجود کسی سے اتنی دوستی نہیں ہوئی کہ اپنے دل کی بات کہی جاسکے۔

رات جب سونے لیٹی تو نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر تک ایک میگزین کی ورق گردانی کرتی رہی پھر اکتا کر اسے سائیڈ پر رکھ دیا۔ گھڑی کی طرف دیکھا گیارہ بجنے والے تھے۔ اس کا ذہن آپ ہی آپ اس نگر کی طرف چلا گیا جہاں اسے واپس جانا تھا۔

''مونی' آج تایا اور تائی امی کے ساتھ مونی نہیں آیا' اس نے سوچا اور اسے اپنے آپ پر حیرت ہوئی کہ اس وقت سے اس نے یہ بات محسوس کیوں نہیں کی۔ جبکہ اسے اسی وقت مونی کا پوچھنا چاہیے تھا۔ اس نے سیل فون اٹھا کر محسن کا نمبر پش کیا۔ ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں وہ سو نہ رہا ہو لیکن پہلی بیل پر ہی محسن نے کال ریسیو کی تو اسے حیرت ہوئی۔

''ارے مونی' میرا خیال تھا تم سوچکے ہوگے۔'' اس نے حیرت اور اشتیاق سے کہا تو ادھر سے وہ شوخی سے بولا۔

''اب نیند کہاں؟''

''کیا مطلب تم نے دوا نہیں لی؟'' وہ یہی سوچ سکی تھی۔

''دوا کو چھوڑو یہ بتاؤ اس وقت کیسے فون کیا' سب خیریت تو ہے ناں؟'' محسن نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا تو وہ جھجک کر بولی۔

''ہاں بس' تم سے بات کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔''

''اچھا۔'' وہ ہنسا۔ ''یہی خواہش میری بھی تھی۔''

''یہ بتاؤ' تم شام میں کیوں نہیں آئے تایا ابو اور تائی امی کے ساتھ؟'' اس نے پھر یاد آنے پر پوچھا۔

''کیا مجھے بھی آنا چاہیے تھا؟'' محسن الٹا اس سے پوچھنے لگا۔

''کیوں تمہیں یہاں آنا منع ہے کیا؟'' سوال واضح تھے جواب مبہم۔

''نہیں بس اب اکٹھے ہی آؤں گا تمہیں لینے۔'' وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔

''سنو ابھی احسن بھائی کا فون آیا تھا' بہت مبارک باد دے رہے تھے۔''

''کسے؟'' اس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

''مجھے۔''

''تمہیں کیوں؟''

''بھئی تمہیں دیں یا مجھے ایک ہی بات ہے۔''

''اچھا۔'' وہ ہنس دی پھر بے اختیار پوچھا۔ ''کب آ رہے ہیں احسن؟''

''کہاں' پاکستان یا بارات کے ساتھ۔'' محسن نے چھیڑا تو وہ جھینپ کر بولی۔

''مونی' میں فون رکھ رہی ہوں۔''

''ایک منٹ' تم خوش تو ہوناں۔'' اس نے روک کر پوچھا۔

''پتا نہیں؟''

''تمہیں نہیں پتا لیکن مجھے پتا ہے نشاء کہ میں بہت خوش ہوں۔'' وہ جیسے کھو گیا تھا۔ ''تمہیں یاد ہے ایک بار میں نے کہا تھا کہ بجھتے ہوئے دیئے کو کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہاتھ کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے اور اب مجھے لگ رہا ہے جیسے مجھے کچھ برس اور زندہ رہنے کی خاطر تمہارا......''

''مونی پلیز۔'' وہ فوراً ٹوک گئی۔ ''ایسی باتیں مت کرو' تمہیں زندہ رہنا ہے۔''

''ہاں اب تو خود میرے اندر بھی زندہ رہنے کی خواہش جاگنے لگی ہے اور یہ یقیناً تمہاری دواؤں' دعاؤں اور محبتوں کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسا مایوس بندہ بھی زندگی سے پیار کرنے لگا۔''

''یہ اچھی بات ہے مونی' زندہ رہنے کی خواہش اور زندگی سے پیار انسان کو بہت مضبوط بنا دیتا ہے اور اب ان شاء اللہ تم اپنی بیماری کو

شکست دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔‘‘
’’ہاں ......احسن بھی یہی کہہ رہے تھے۔‘‘
’’اور کیا کہا انہوں نے؟‘‘ وہ اپنے حوالے سے کوئی بات سننا چاہتی تھی۔
’’زیادہ بات نہیں ہوسکی کیونکہ اچانک لائن کٹ گئی تھی۔‘‘ اس نے بتایا تو وہ قدرے مایوس ہوئی پھر اسے شب بخیر کہہ کر سیل آف کر دیا۔



احسن کا صرف ذہن ہی نہیں پورا وجود آندھیوں کی زد میں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا؟ نشاء ان کی محبت تھی اور یہ بات ساجدہ بیگم بھی جانتی تھیں پھر وہ محسن کے ساتھ کیسے منسوب ہوگئی۔ انہیں جلال احمد نے فون کر کے بتایا تھا۔
’’خوشی کی خبر سنو احسن، ابھی ہم محسن کی منگنی کر کے آرہے ہیں نشاء کے ساتھ۔ محسن بہت خوش ہے۔ تم آجاؤ تو پھر اس کی شادی کریں۔ ابھی تم اسے منگنی کی مبارکباد دے دو۔‘‘
’’محسن، نشاء......‘‘ ان کے ذہن میں جھکڑ چلنے لگے تھے۔ یقین بھی نہیں آرہا تھا پھر یقین کی خاطر ہی انہوں نے محسن کو فون کیا تو اس کی کھنکتی ہوئی آواز جسے سننے کو ان کی سماعتیں ترس گئی تھیں۔
’’بھائی آپ کو پتا چل گیا؟‘‘
’’ہاں، بہت مبارک ہو۔‘‘ وہ بالکل ہی ڈھے گئے۔
مونی خوش ہے اور کون جانے نشاء بھی خوش ہو۔ پھر وہ کس سے کیا کہیں۔ سینے میں دل شور مچا رہا تھا۔ احتجاج کر رہا تھا اور وہ بے بسی کی تصویر بنے خود سے بے گانہ ہو گئے تھے۔
’’کتنے دن گزر گئے، ان کا کسی بات کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ان کے لیے دنیا اندھیر نگری بن گئی تھی۔ سوچنے بیٹھتے تو ذہن ماؤف ہو جاتا۔ سیل فون کی ٹون بجتی تو خالی خالی نظروں سے اسکرین پر روشن نام دیکھے جاتے۔ زیادہ نشاء ہی انہیں کال کر رہی تھی۔ جب وہ کچھ سوچنے کے قابل ہوئے تب نشاء کی کال آنے پر انہوں نے سوچا۔
’’نشاء کیوں کال کر رہی ہے، کیا یہ بتانے کے لیے کہ اس نے کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہن لی ہے یا اسے زبردستی پہنائی گئی ہے۔‘‘ دوسری بات پر وہ خود ہی ٹھٹکے تھے اور پھر اسی نہج پر سوچتے ہوئے انہوں نے تصدیق یا تردید کے لیے نشاء کی کال لینے کی خاطر سیل فون اٹھایا تھا کہ سماعتوں میں محسن کی کھنکتی آواز گونجی۔
’’بھائی آپ کو پتہ چل گیا۔‘‘
’’نہیں۔‘‘ ان کے ہاتھ سے سیل فون چھوٹ گیا۔ ’’نشاء خوش ہے یا ناخوش مجھے مونی کی خوشی عزیز ہے۔ اس کی خاطر تو میں جان بھی دے سکتا ہوں۔‘‘ پھر کتنے دن لگے انہیں خود کو سمجھانے میں اس کے بعد بھی خود کو کڑے پہروں میں مقید کر کے انہوں نے ساجدہ بیگم کو فون کیا تھا۔
’’مونی خوش ہے ناں امی۔‘‘ انہوں نے جو باتیں ذہن میں ترتیب دی تھیں ان میں یہ بات تو کہیں نہیں تھی۔
’’ہاں بیٹا مونی خوش ہے لیکن میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔‘‘ ساجدہ بیگم کا لہجہ ان کی بات کی گواہی دے رہا تھا۔
’’کیوں ......کیوں امی؟‘‘ وہ بے چین ہوئے۔
’’کیونکہ تم مجھے اپنی خواہش بتا کر گئے تھے۔‘‘ ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ فوراً بولے۔
’’میں ایسی ہزاروں خواہشیں مونی پر قربان کر سکتا ہوں امی، آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔‘‘
’’لیکن بیٹا تم......‘‘ ساجدہ بیگم جانے کیا کہنے جا رہی تھیں کہ وہ بول پڑے۔
’’میں ٹھیک ہوں امی۔ مجھے کوئی ملال نہیں، مونی کی خوشی میری خوشی ہے۔ اور آپ بھی خوشی خوشی اس کی شادی کی تیاری کریں۔‘‘
’’تم آؤ گے تو تیاری کروں گی ناں۔‘‘
’’نہیں امی، میں نہیں آؤں گا، میں نہیں آسکوں گا۔ آپ مجھے مجبور مت کیجیے گا اور ہاں ابھی مونی کو مت بتایئے گا کہ میں نہیں آسکوں گا۔ وقت پر میں خود کوئی بہانہ کر دوں گا، آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔‘‘ انہوں نے زور دے کر کہا اور جواب میں ساجدہ بیگم کی خاموشی کا بوجھ دل پر محسوس کرتے ہوئے فون بند کر دیا تھا۔



مریم ابھی کالج سے لوٹی تھی۔ ڈریس چینج کر کے واش روم سے نکلی تو اس کا سیل بج اٹھا۔ اس کے ذہن میں اس وقت کوئی سوچ نہیں تھی جب ہی اس نے معمول کی طرح فون اٹھالیا تھا۔

''ہیلو......''

''کیسی ہو؟'' اس کی آواز سن کر وہ الجھ کر بولی۔

''آپ ہیں کون؟''

''ریان...... آئی مین میرا نام ریان ہے۔'' اس نے آرام سے اپنا تعارف کرایا۔

''میں نے آپ کا نام نہیں پوچھا۔'' وہ روٹھے انداز میں بولی۔

''پھر......؟'' وہ اس کے روٹھے انداز پر محظوظ ہوا۔

''آپ کیوں مجھے فون کرتے ہیں؟'' اس نے کہا تو وہ روانی سے بولا۔

''کیونکہ تم مجھے اچھی لگتی ہو'میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ بتاؤ کب مل رہی ہو؟''

''ایسا تو نہیں سوچا میں نے۔'' وہ اپنی سادگی و معصومیت سے مات کھاتی تھی۔

''حیرت ہے' یعنی اتنے دنوں سے ہم بات کر رہے ہیں اور تمہارے اندر ملنے کی خواہش نہیں جاگی۔'' اس کے اکسانے پر وہ افسردگی سے بولی۔

''میرے اندر کوئی خواہش نہیں ہے۔''

''عجیب لڑکی ہو' خواہشوں کے بغیر کیسے زندہ ہو۔''

''میں زندہ ہوں' پتا نہیں۔'' اس نے خود کلامی کی' جسے سن کر ہی اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''مائی گاڈ' کہیں میرا واسطہ کسی روح سے تو نہیں پڑ گیا۔'' پھر سوچنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔ ''نہیں دیکھنے میں تو تم انسانوں جیسی ہی لگتی ہو۔''

''آپ نے مجھے کہاں دیکھا؟'' اس نے بے اختیار پوچھا۔

''یہ جب تم ملو گی تب بتاؤں گا' اب بتاؤ کب' کہاں مل رہی ہو' کہو تو تمہارے گھر آ جاؤں۔''

''نہیں......'' اس نے گھبرا کر سیل فون آف کر دیا۔ لیکن پھر بھی اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کم نہیں ہوئی کہ کہیں وہ آ تو نہیں رہا' ایسی ہی سہمی ہوئی وہ نشاء کے بلانے پر کھانے کی ٹیبل پر آ ئی تھی۔

''اب آنٹی نے یہ میری ڈیوٹی لگائی ہے کہ میں تمہیں کھانا اپنے ساتھ کھلایا کروں۔'' نشاء نے اس کی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا پھر اسے دیکھ کر مسکراہٹ اس کے ہونٹوں تک آتے آتے رہ گئی۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟ آئی مین تم پریشان لگ رہی ہو؟''

''نن...... نہیں......'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''کالج میں کوئی پرابلم ہے؟'' نشاء نے نرمی سے پوچھا۔

''نہیں......'' وہ خائف تھی۔

''اچھا چلو کھانا کھاؤ۔'' نشاء نے کہہ کر کھانا شروع کر دیا تب وہ بھی آہستہ آہستہ کھانے لگی۔

اور پھر رات کے تین بجے ریان نے فون کیا تھا۔ اس وقت وہ بے خبر سو رہی تھی۔ نیند میں ہی ادھر ادھر ہاتھ مار کر اس نے سیل فون اٹھایا تھا۔

''ہیلو۔'' اس کی آواز بھی نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''سنو' مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' ریان نے کہا۔ اس کی خاک سمجھ میں نہ آیا۔

''کون؟''

''نیند میں ہو جب ہی معاف کرتا ہوں۔ جاگتے میں اب نہ پہچاننے کی غلطی مت کرنا۔'' ریان کی وارننگ پر اس نے ایک دم آنکھیں

کھولیں تو سامنے وال کلاک پر نظر پڑی۔
''آپ......رات کے تین بجے؟''
''کیا کروں، بہت بھوک لگ رہی ہے۔خالی پیٹ نیند نہیں آ رہی۔'' ریان نے اتنی مسکینی سے کہا کہ وہ فون بند نہیں کر سکی۔
''تو کچھ کھالیں۔کھانا یا کچھ اور۔''
''کچھ نہیں ہے۔فریج خالی پڑا ہے۔صرف دو انڈے رکھے ہیں۔'' اس نے مجبوری بتائی تو وہ عاجز ہوئی۔
''پھر میں کیا کر سکتی ہوں؟''
''کم از کم آملیٹ بنانے کا طریقہ تو بتا سکتی ہو۔'' وہ جانے کیا چاہ رہا تھا۔
''آملیٹ...... مجھے نہیں پتا، میں نے کبھی نہیں بنایا۔'' وہ بے بسی سے بولی۔
''شٹ، چلو پھر میں بھوکا ہی سو جاتا ہوں۔'' ریان مایوس ہوا تو وہ فوراً بولی۔
''نہیں نہیں میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔''
''کس سے؟'' وہ پوچھ رہا تھا لیکن وہ عجلت میں اٹھی اور بے خبر سوئی ہوئی بی بی کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔
''بی بی...... بی بی اٹھیں۔''
''کیا ہوا؟'' بی بی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔
''جلدی بتائیں، آملیٹ کیسے بنتا ہے؟''
''بھوک لگی ہے بیٹا۔میں ابھی بنا دیتی ہوں۔'' بی بی اٹھنے لگیں کہ اس نے روک دیا۔
''نہیں، بس آپ ریسپی بتا دیں، مطلب کیسے بنتا ہے۔''
''بہت آسان ہے۔انڈے پھینٹ لو۔'' بی بی کے ساتھ ساتھ وہ دہراتی گئی اور ادھر وہ ہنس رہا تھا۔



راحیلہ خاتون کو ثریا اور صبا کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لیے گو کہ کسی موقع کی تلاش نہیں رہتی تھی۔وہ جب جس وقت چاہتیں انہیں ذلیل کرتی تھیں، لیکن اب تو ایک ٹھوس وجہ ان کے ہاتھ آ گئی تھی، اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتی تھیں۔اس وقت وہ مکاری سے سوچ رہی تھیں کہ بات کہاں سے شروع کریں کہ ان کے میاں سلیم احمد جو بغور انہیں دیکھ رہے تھے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگے۔
''کیا بات ہے بیگم یہ صبح ہی صبح کس کے خلاف سازش سوچ رہی ہو؟''
''میں تو صرف سوچتی ہوں میاں، میری جگہ آپ ہوتے تو اسی وقت نکال باہر کرتے ماں بیٹی کو۔'' وہ تنک کر بولیں تو سلیم احمد ان کا اشارہ سمجھ کر بوکھلا گئے۔
''ہیں...... یہ تم کس کی بات کر رہی ہو؟''
''آپ کی چہیتی بہن اور بھانجی کی۔بس اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے سلیم احمد۔'' راحیلہ خاتون کا تنفر عروج پر تھا۔وہ زچ ہو گئے۔
''اوہو...... پتا بھی تو چلے کیا ہوا ہے؟''
''کیا نہیں ہوا، میں چار دن گھر سے دور کیا رہی، ادھر ماں بیٹی کو موقع مل گیا۔رات آپ کی بھانجی جاذب کے کمرے میں تھی۔'' راحیلہ خاتون نے انہیں چکرا دیا تھا۔
''یہ...... یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''
''وہی جو اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن آپ کہاں میری بات کا یقین کریں گے۔آپ تو......'' سلیم احمد جلدی سے ان کی بات کاٹ کر بولے۔
''ساری زندگی تمہارا ہی یقین تو کیا ہے۔جو تم نے کہا مان لیا پھر بھی تمہیں شکایت ہے۔ابھی بتاؤ کیا کرنا ہے۔''
''کرنا کیا ہے، میں بہن کو فون کرتی ہوں چار آدمی لے کر آ جائے اور دو بول پڑھا کر رخصت کریں بھانجی کو۔'' راحیلہ خاتون کو اسی بات کی جلدی تھی۔

"لیکن بیگم میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں۔" سلیم احمد نے کچھ ہمت باندھی۔
"کیا...... کیا سوچا ہے آپ نے؟" راحیلہ خاتون نے تیز لہجے میں ٹوکا تو وہ رک رک کر کہنے لگے۔
"میں سوچ رہا ہوں بیگم کہ گھر کی لڑکی گھر میں ہی رہے تو ہمارے لیے اچھا ہے۔ میرا مطلب ہے اگر ہم باہر رشتہ ڈھونڈنے کی بجائے جاذب اور صبا کی شادی کر دیں تو......؟"
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" راحیلہ خاتون دھاڑی۔ "آپ نے یہ سوچا کیسے، میں جتنا اس لڑکی سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں آپ اتنا ہی اسے مجھ پر مسلط کرنے کی سوچ رہے ہیں۔"
"اوہو، تم بات سمجھو تو......" سلیم احمد جھنجلائے تھے۔
"کیا سمجھوں۔ کیا سمجھانا چاہتے ہیں آپ مجھے۔"
"دیکھو لڑکی تمہارے سامنے پلی بڑھی ہے پھر تمہارے کہنے میں بھی ہے۔ گھر داری بھی کر لیتی ہے باہر سے لڑکی لاؤ گی جاذب کے لیے تو جانے کس مزاج کی ہو، ہمیں کچھ سمجھے نہ سمجھے۔" سلیم احمد نے انہیں نئی سوچ دینی چاہی لیکن راحیلہ خاتون کہاں سننے ماننے والی تھیں۔
"ایسے ہی نہ سمجھے۔ بڑے گھروں کی لڑکیاں سلجھی ہوئی تمیز دار ہوتی ہیں۔ میں اپنے جاذب کے لیے ایسے ہی گھر سے دلہن لاؤں گی۔"
"لیکن بیگم......"
"بس رہنے دیں۔ مجھے سمجھانے کی کوشش نہ کریں۔ میں صبا کا رشتہ طے کر آئی ہوں اس کی شادی وہیں ہوگی۔" راحیلہ خاتون دوٹوک انداز میں کہتے ہوئے ان کے پاس سے اٹھ آئیں۔ پتا نہیں کس مٹی سے بنی تھیں، شروع دن سے جو ثریا کے خلاف دل میں گرہ باندھی تو وقت اور حالات بھی اسے کھولنے میں ناکام رہے تھے۔ حالانکہ ثریا کی صورت انہیں ایک مفت کی نوکرانی مل گئی تھی۔ پھر بھی وہ اس سے اور اس سے زیادہ اب صبا سے خار کھاتی تھیں۔ کیونکہ اپنی لالچی فطرت کے باعث انہوں نے جاذب اور نگار کے لیے بڑے اونچے پلان بنائے ہوئے تھے۔ اس لیے پہلے وہ صبا کو راہ سے ہٹانا چاہتی تھیں اور اب تو انہوں نے ٹھان لی تھی کہ وہ اسے رخصت کر کے ہی دم لیں گی۔



وہ دل گرفتہ اور مایوس سی ڈھیلے ڈھیلے ہاتھوں سے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہی تھی، یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھوں و بازوؤں میں جان ہی نہ ہو۔ وہ وقت اور حالات سے لڑتے نہیں تھکی تھی، خود سے لڑنے میں پہلے مقام پر ہی ہار رہی تھی۔ اور کیسے نہ ہارتی، یہ کوئی دو چار دن کی بات تو نہیں تھی، لڑکپن کی عمر سے ہی جس شخص نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کے دل میں اپنی محبت کا بیج بویا تھا وہ اپنے وعدوں اپنی قسموں میں لاکھ سچا سہی اسے تحفظ نہیں دے سکتا تھا اور وہ ہمیشہ کی عدم تحفظ کا شکار اسی ایک بات پر اسے اکساتے اکساتے تھک گئی تھی اور اب وہ جو بھی کرلے وہ اس سے بات نہیں کرے گی۔ اس نے سوچ لیا اور واش بیسن کا نل بند کر کے اس نے بہتے دھاروں کے ساتھ گویا اپنے جذبوں پر بھی بند باندھ لیا تھا۔ پھر واش روم سے نکل آئی۔
ثریا گم صم بیٹھی تھی، اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے اسے نوٹس کیا پھر برش رکھ کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔ بولیں کچھ نہیں تھی۔ ثریا چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر کہنے لگیں۔
"تم نے ٹھیک کہا تھا مجھے تمہیں بھی تمہارے باپ کے پاس چھوڑ دینا چاہیے تھا۔ کم از کم وہ تمہارے ساتھ تو برا نہ کرتا۔ جو تم چاہتیں تمہیں مل جاتا۔"
"نہیں ملا تو میری قسمت۔" وہ دکھ سے بولی۔
"تو اب جو مل رہا ہے اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لو۔" ثریا نے اس کی بات پر گرفت کر کے منت کی تو یکلخت اس کی تمام حسیات سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی تھیں۔
"کیا مل رہا ہے مجھے، کیا قبول کرلوں؟"
"وہ تمہاری مامی جی......"
"مامی جی کا نام مت لیں، میں ان کی کوئی بات نہیں مانوں گی۔" اس کا تنفر عود کر آیا۔
"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں صبا۔" ثریا نے عاجزی سے کہا۔ "بھابی نے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ جمعہ کو ان کی بہن آ رہی ہیں۔"
"ضرور آئیں، نگار بیٹھی ہے ناں اس کا نکاح کر کے رخصت کر دیں بہن کے ساتھ۔" اس نے کہا تو ثریا رو دینے کو ہو گئیں۔

''تم سمجھتی کیوں نہیں صبا۔''

''آپ کیوں نہیں سمجھتیں لیکن نہیں آپ نہیں سمجھیں گی۔ مجھے مامی جی کو ہی سمجھانا پڑے گا۔'' وہ کہتے ہوئے ایک دم اٹھ کر کمرے سے نکلی تھی۔

''صبا......'' ثریا پریشان ہو کر اس کے پیچھے بھاگیں' لیکن لاؤنج میں سلیم احمد' راحیلہ خاتون اور جاذب کو بیٹھے دیکھ کر وہیں رک گئیں' جبکہ صبا راحیلہ خاتون کے سر پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

''یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے آپ نے مامی جی۔'' اس نے سارے لحاظ بھلا دیئے تھے۔ ''میری شادی کی اتنی فکر کیوں ہے آپ کو۔ میں کوئی یتیم لاوارث نہیں ہوں' نہ ہی آپ پر بوجھ ہوں' جسے آپ اتار پھینکنا چاہتی ہیں۔ فکر کرنی ہے تو اپنی بیٹی کی کریں۔''

''تم......'' راحیلہ بیگم ایک لحظہ کو اس پر پھنکاری تھیں پھر فوراً ہی سلیم احمد سے مخاطب ہو گئیں۔ ''دیکھ رہے ہو سلیم احمد' اس گز بھر کی چھوکری کی زبان' نیکی کا یہ صلہ دے رہی ہے۔ ذرا اس سے پوچھو کس نے اسے اتنی جرأت دی کہ یہ میرے مقابل آن کھڑی ہوئی ہے۔''

''میں بتاتی ہوں' مجھے یہ جرأت آپ کے بیٹے نے دی۔ اس بیٹے نے۔'' وہ جاذب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بالکل ہی آپے سے باہر ہو گئی۔ ''پوچھئے اس سے' یہ جو آپ کے سامنے بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے' اس نے مجھ سے محبت کی قسمیں کھائیں' شادی کے وعدے کیے' اس کے کہنے پر میں اب تک ہر رشتے سے انکار کرتی رہی ہوں۔ پوچھیں اس سے...... پوچھیں۔''

''جاذی......'' راحیلہ خاتون نے کڑے تیوروں سے جاذب کو دیکھا۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہے؟'' جاذب میں اتنی ہمت ہوتی تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ اس کا تو حلق تک خشک ہو گیا تھا۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں جواب دو۔'' راحیلہ خاتون دھاڑیں تو وہ مدد کے لیے سلیم احمد کو دیکھنے لگا۔

''کیا ہو گیا ہے بیگم۔''

''تم چپ رہو سلیم احمد' یہ لڑکی میرے بیٹے پر بہتان لگا رہی ہے۔'' راحیلہ بیگم نے فوراً سلیم احمد کو ٹوک کر کہا تو وہ چیخ پڑی۔

''میں بہتان نہیں لگا رہی۔ جاذی تم بولتے کیوں نہیں' بتاؤ انہیں سچ کیا ہے؟ بتاؤ انہیں کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔''

''اچھی زبردستی ہے' ترس کھا کر گھر میں رہنے کی جگہ کیا دی یہ تو مالک بننے کے خواب دیکھنے لگی۔ اوقات میں رہو لڑکی' میرا بیٹا تم جیسیوں کو گھاس نہیں ڈالنے والا۔ چلو جاذب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' راحیلہ خاتون نے اسے سناتے ہوئے جاذب کو مشکل سے نکالا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''یہ کیا گھاس ڈالے گا۔ میں خود ہزار بار لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔ اس جیسے میرے باپ کے جوتے صاف کرتے ہیں۔'' محبت رسوا ہو کر نفرت کی انتہا پر جا پہنچی تھی۔ وہ جو منہ میں آیا کہتی گئی۔ بپھری ہوئی راحیلہ خاتون نے اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

''نکل جا میرے گھر سے۔ بلا اپنی ماں کو۔ میں اب تم دونوں کو ایک منٹ برداشت نہیں کر سکتی۔''

''بھابی۔'' ثریا نے آ کر صبا کو ان سے چھڑانا چاہا۔ ''بھیا روکیں بھابی کو۔''

''بیگم ہوش میں آؤ۔'' سلیم احمد نے راحیلہ خاتون کو کلائی سے پکڑ کر کھینچا لیکن ان کی زبان نہیں روک سکے۔ ہر بات کے اختتام پر وہ ثریا اور صبا کو یہاں سے نکل جانے کو کہہ رہی تھیں۔

سلیم احمد نے ثریا کو وہاں سے ہٹ جانے کا اشارا کیا تو وہ صبا کو کھینچتے ہوئے کمرے میں لے آئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔



رات نصف سے زیادہ سفر طے کر چکی تھی اور اپنی اپنی جگہ وہ دونوں ہی جاگ رہی تھیں۔ ثریا حد درجہ خائف تھیں اور خود اس کے اندر ایسا الاؤ دہک رہا تھا جو سب کچھ بھسم کر دینا چاہتا تھا۔ کوئی ایک دکھ نہیں تھا' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کس کس بات کا ماتم کرے' گو کہ جاذب سے اس نے کوئی بڑی امیدیں نہیں باندھ رکھی تھیں لیکن جس طرح وہ اس کے گرد محبت کا حصار کھینچ کر اسے خود پر بھروسہ کرنے کو کہتا تھا تو وہ سچ مچ اس کا اعتبار کر لیتی تھی' اور اسی نے یقین دلایا تھا کہ وہ وقت آنے پر ضرور اسٹینڈ لے گا۔ اسٹینڈ لینا تو دور کی بات وہ اس کے حق میں ایک لفظ نہیں کہہ سکا تھا۔ وہ اس وقت اتنی شاکڈ تھی کہ راحیلہ خاتون کے تابڑ توڑ حملوں کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ جاذب دم دبا کر بھاگ رہا تھا۔

''تف ہے تم پر۔'' اس نے دانت پیسے پھر ایک دم اٹھ بیٹھی تو ثریا گھبرا کر اسے دیکھنے لگیں کہ وہ پھر تو کوئی تماشا کرنے نہیں جا رہی۔

''کیا ہوا؟'' ثریا کی آواز پر اس کے بال سمیٹتے ہاتھ رک گئے۔
''آپ سوئیں نہیں؟'' جواب ندارد۔ اس نے آرام سے بال سمیٹے پھر ثریا کو دیکھ کر بولی۔
''باپ بیٹا ایک ہی جیسے ہیں۔'' ثریا کا ذہن اس وقت کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا جب ہی نا سمجھی میں اسے دیکھے گئی تو وہ سلگ کر بولی۔
''ماموں اور جاذب۔'' ثریا نے آنکھیں بند کرلیں تو وہ چڑ گئی۔
''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔''
''تم چاہتی کیا ہو؟'' ثریا کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی۔
''آپ فکر مت کریں اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔'' اس کے تنفر میں بلا کا یقین تھا۔ ثریا دہل گئیں۔
''خدا کے لیے صبا ہمارا کوئی اور ٹھکانا نہیں ہے۔''
''تو آپ اس بات سے ڈرتی ہیں کہ مامی جی نے نکال دیا تو ہم کہاں جائیں گی۔ تو میری ماں آپ سن لیں' مامی جی نکالیں نہ نکالیں میں خود اب یہاں نہیں رہوں گی۔ اور یہاں والوں کو بھی چین سے اس گھر میں رہنے نہیں دوں گی' کیونکہ یہ صرف ان کا گھر نہیں ہے آپ برابر کی حصہ دار ہیں۔'' اس کے ارادے سن کر ثریا اٹھنے لگی تھیں کہ اس نے روک لیا۔
''بس اب سو جائیں آرام سے' مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' اپنی بات کہتے ہی اس نے لیٹ کر سر تک چادر اوڑھ لی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ سوئی نہیں' وہ آئندہ کی پلاننگ کرنا چاہتی تھی لیکن اس کا ذہن یکسو نہیں ہو پا رہا تھا۔ جب ہی وہ کسی ایک سوچ پر گرفت کر ہی نہیں سکی آخر تھک کر سو گئی۔
رات دیر سے سونے کے باوجود صبح وہ معمول سے پہلے ہی اٹھ گئی' کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں آنکھ کھلتے ہی گھر کے بکھیڑوں میں لگ جائے۔ وہ اب اسے نوکرانی نہیں بننے دے گی' یہ اس نے طے کرلیا تھا۔ جب ہی اٹھتے ہی واش روم میں بند ہوگئی۔ منہ ہاتھ دھو کر نکلی تو ثریا کو اٹھتے دیکھ کر فوراً ٹوک کر بولی۔
''کیوں اٹھ رہی ہیں' لیٹیں آرام سے' میں ناشتہ یہیں لے آؤں گی۔''
''تمہیں آفس جانا ہے۔'' ثریا نے اس پر بات رکھی' وہ چڑ گئی۔
''کہیں نہیں جانا مجھے۔ آپ سن لیں اگر آپ کمرے سے نکلیں تو میں کل سے بڑا ہنگامہ کروں گی۔'' اس نے دھمکی دی اور ثریا کو خائف چھوڑ کر کچن میں آ گئی۔
وہ جانتی تھی اس وقت ثریا سب سے پہلے چائے بنا کر سلیم احمد اور راحیلہ خاتون کے کمرے میں پہنچاتیں پھر سب کے لیے ناشتہ بنانے میں لگ جاتیں اور اس نے چائے کا پانی رکھا ضرور لیکن آنچ دھیمی کر کے اپنے اور ثریا کے لیے ناشتا بنانے لگی۔ سلائس' گرم کیے پھر انڈا فرائی کر رہی تھی کہ راحیلہ خاتون آندھی طوفان کی طرح آن نازل ہوئیں۔ اسے دیکھ کر ایک لحظہ کو رکیں پھر پاٹ دار آواز میں بولیں۔
''وہ مہارانی سو رہی ہے کیا ابھی تک؟''
''جی۔'' اس نے اپنے کام میں مصروف رہ کر سہولت سے جواب دیا۔
''کیوں' ناشتا کون بنائے گا؟''
''مہارانیاں ناشتا کیا کوئی بھی کام نہیں کرتیں۔'' اس نے سلائس اور انڈے کی پلیٹیں ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا پھر دو مگ رکھ کر ان میں چائے ڈالنے لگی۔
''بہت زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔'' راحیلہ خاتون تیز ہو کر اس کے قریب آئیں۔ اس نے جواب نہیں دیا ٹرے اٹھا کر سیدھی کمرے میں آ گئی۔
''مجھے نہیں یاد کہ ہم نے کبھی ساتھ ناشتہ کیا ہو؟'' وہ ٹرے ثریا کے سامنے رکھ کر بیٹھتے ہوئے بولی پھر ثریا کو دیکھا اس کے چہرے پر واضح ناراضگی پھیلی تھی۔
''کیا ہو گیا ہے امی' ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں۔ میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔'' اس نے ٹوک کر کہا تو ثریا پوچھنے لگیں۔
''بھیا اور بھابی کو چائے دے دی؟''
''صرف چائے ہی تمہیں ناشتا بھی دے آئی ہوں۔ کہیں تو یہ ٹرے بھی اٹھا کر دے آؤں۔'' اس نے جل کر کہا پھر سر جھٹک کر پہلا نوالا لیا

کہ راحیلہ خاتون کے چلا چلا کر بولنے کی آواز آنے لگی۔ ثریا ایک دم پریشان ہوگئیں جبکہ وہ آرام سے ناشتے میں مصروف رہی جیسے سدا کی بہری ہو۔ پھر چائے کا کپ لے کر اٹھتے ہوئے بولی۔

''آپ ناشتا کریں امی' مامی جی تو اب یونہی چلایا کریں گی۔'' ثریا نے غصے سے اسے دیکھا۔ پھر دروازے کھولنے کے ارادے سے اٹھی تھیں کہ وہ بھاگ کر دروازے سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔

''مامی جی نے آپ کو مہارانی کا صرف خطاب دیا ہے اور میں آپ کو مہارانی بناؤں گی۔''



محسن بے حد خوش تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں کوئی خوش گوار موڑ آسکتا ہے' وہ سوچنے بیٹھتا تو اسے لگتا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے' پھر وہ خود کو سرزنش کرتا اور اس میں ایک بڑی تبدیلی آئی تھی کہ وہ خود اپنا بہت خیال رکھنے لگا تھا۔ پہلے جو وہ ذرا سی تکلیف کو خود پر طاری کر لیتا تھا تو اب اس میں برداشت کی ہمت پیدا ہو رہی تھی اور یہ سب نشاء کی محبت کا اعجاز تھا۔ ساجدہ بیگم نے اس سے یہی کہا تھا کہ نشاء اس سے محبت کرتی ہے اور اس کے نام کی انگوٹھی پہن کر بہت خوش ہے اور خوش تو وہ بھی تھا جب ہی تو چاہتا تھا کہ وقت کو پر لگ جائیں اور نشاء اس کے پاس آجائے۔ اس وقت اس کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے سامنے بٹھا کر اس سے ڈھیروں باتیں کرے اور اس نے اپنی خواہش دبائی نہیں' اسے فون کر کے آنے کو کہا تو وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔

''ابھی......ابھی کیسے آسکتی ہوں۔''

''جیسے بھی' بس آجاؤ' ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''ہائے نہیں مونی' ناراض نہ ہو۔''

''تو پھر آرہی ہو ناں؟''

''آرہی ہوں بابا آرہی ہوں۔'' نشاء نے فون بند کیا تو وہ مسکراتا ہوا کچن میں آگیا' جہاں بوارات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔

''کھانے میں کیا کیا ہے بوا؟'' اس نے پوچھا تو وہ الٹا اس سے پوچھنے لگیں۔

''تم کیا کھاؤ گے بیٹا؟''

''میں تو کچھ بھی کھا لوں گا' آپ نشاء کے لیے کوئی اچھی ڈش پکا لیں۔''

''نشاء آرہی ہے؟'' بوا بھی خوش ہوگئیں۔

''جی' آپ کو تو پتا ہوگا وہ کیا شوق سے کھاتی ہے۔'' اس نے کہا تو بوا ہنس کر بولیں۔

''لو مجھے نہیں پتا ہوگا تو کسے پتا ہوگا؟''

''چلیں آپ جلدی سے کھانا پکائیں۔'' وہ کہتے ہوئے کچن سے نکل کر ساجدہ بیگم کے پاس آبیٹھا۔ اندرونی خوشی اس کے چہرے پر چھلک رہی تھی۔ ساجدہ بیگم نظریں چراتے چراتے بھی پوچھ گئیں۔

''کیا بات ہے' بہت خوش نظر آرہے ہو؟''

''اچھا۔'' وہ جھینپ کر ہنسا۔

''نشاء سے بات ہوئی ہے؟'' ساجدہ بیگم نے خود ہی قیاس کیا۔

''جی اور میں نے اسے ابھی آنے کو کہا ہے۔'' اس نے بتایا تو ساجدہ بیگم نے بے ساختہ ٹوکا۔

''کیوں......'' پھر یک دم سنبھلتے ہوئے کہنے لگیں۔ ''بیٹا اب تو کچھ ہی دنوں کی بات ہے' تمہیں اسے نہیں بلانا چاہیے' بلال برا مانے گا اور لبنیٰ بھی باتیں بنائے گی۔''

''لیکن امی اب تو وہ آرہی ہے۔'' وہ ان کی بات سمجھ کر قدرے خائف ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے لیکن اسے زیادہ دیر مت روکنا۔''

''جی۔'' وہ ڈھیروں باتیں کرنے کی خواہش دل میں دبائے اٹھا کھڑا ہوا۔



وہ دس منٹ میں تیار ہو کر نیچے آئی کہ لبنیٰ اسے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔
''نشاء میں مارکیٹ جا رہی ہوں چلو گی؟''
''مارکیٹ تو نہیں آنٹی آپ مجھے تایا ابو کے گھر چھوڑ دیجیے گا۔'' اس نے کہا تو لبنیٰ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔
''تایا کے گھر' نہیں اب تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔''
''میں خود مناسب نہیں سمجھتی آنٹی لیکن مونی نے بلایا ہے' نہیں جاؤں گی تو ناراض ہوگا۔'' اس نے جز بز ہو کر کہا تو لبنیٰ ناگواری سے بولیں۔
''چند دن صبر نہیں کر سکتا وہ' تو تمہیں خیال کرنا چاہیے' دلہن بننے والی ہو اس کی۔''
''کس کی؟'' اسے جیسے سننے میں غلطی ہوئی۔
''محسن کی اور کس کی۔''
''محسن کی؟'' اس کا ذہن بری طرح چٹخا۔ ''یہ محسن کہاں سے آ گیا آنٹی؟''
''اچانک تو نہیں آیا' ہمیشہ سے تمہارے ساتھ ہے' خیر میں جا رہی ہوں۔'' لبنیٰ اسے زلزلوں کی زد میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹتی ہوئی صوفے تک آئی کہ اس کے سیل فون کی ٹون بجنے لگی۔ خود کو صوفے پر گراتے ہوئے اس نے بلا ارادہ کال ریسیو کی تھی۔
''کتنا انتظار کرواؤ گی؟'' ادھر محسن تھا۔
''خدا کرے تمہارا انتظار کبھی ختم نہ ہو۔'' اس نے کہہ کر ادھر سیل بند کیا ادھر آنسوؤں نے سارے بند توڑ ڈالے تھے۔
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا یہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے؟ محسن کے ساتھ اس کی وابستگی کو غلط رنگ کس نے دیا..... جلال احمد اور ساجدہ بیگم نے..... بلال احمد اور لبنیٰ..... احسن اور محسن؟ کون ہے اس کی کومل خواہشوں اور آرزوؤں کا دشمن' یہ سب تو اس کے اپنے تھے' پھر.....؟ اس کے سر میں شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں جبکہ دل جیسے سہم کر خاموش ہو گیا تھا۔
اپنے کمرے میں آ کر وہ ایک پل چین سے نہیں بیٹھ سکی۔ مسلسل ادھر سے ادھر چکرا رہی تھی اسی حساب سے اس کے ذہن میں ان گنت سوچیں گڈ مڈ ہو رہی تھیں۔ کبھی احسن کا ٹھوس لہجہ۔
''اپنے اندر کونفیڈینس پیدا کرو نشاء' زندگی کوئی کھیل نہیں ہے جسے تم اس چار دیواری کے اندر آرام سے گزار دو گی' اگر آگے کی جستجو نہیں ہے تب بھی اپنا دفاع کرنا سیکھو یا یونہی ہر ایک کے سامنے ہتھیار ڈال کر رونے کھڑی ہو جاؤ گی..... نہیں۔'' اس نے سختی سے آنکھیں میچیں تو سماعتوں پر محسن کی آواز دستک دینے لگی۔
''اب تو خود میرے اندر بھی زندہ رہنے کی خواہش جاگنے لگی ہے اور یہ یقیناً تمہاری دواؤں' دعاؤں اور محبتوں کا اعجاز ہے کہ مجھ جیسا مایوس بندہ بھی زندگی سے پیار کرنے لگا ہے۔'' اس نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ بیڈ پر رکھا اس کا سیل بج رہا تھا۔ اسے پہلا خیال یہی آیا کہ محسن کال کر رہا ہوگا' یکلخت اس کے ذہن میں ایک سوچ ابھری تھی کہ اس نے تیر کی سی تیزی سے سیل فون اٹھا لیا اور ریسیو کا بٹن پش کرتے ہی زہر خند سے بولی۔
''تم کسی خوش فہمی میں مت رہو مونی' میں کبھی بھی تم سے شادی نہیں کروں گی' بتا دو تائی امی کو کہ میں.....''
''نشاء.....'' بھاری بوجھل پکار نے اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔ وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ احسن ٹوٹے لہجے میں بولے تھے۔
''ایسا مت کرو نشاء' مونی مر جائے گا۔ کیا تم اسے مرتے ہوئے دیکھ سکتی ہو۔'' اس کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبنے لگا۔
''نہیں' میں جانتا ہوں تم ایسا تصور بھی نہیں کر سکتیں' پھر بھی تمہیں میری قسم' تمہیں اپنی محبت کی قسم مونی سے اس کی خوشی مت چھینو' تمہاری محبت کے احساس نے اس کے اندر جینے کی امنگ پیدا کی ہے' اس سے یہ احساس مت چھینو نشاء۔'' وہ ٹوٹ کر بول رہے تھے اور وہ گم صم کھڑی تھی۔
''مجھ سے وعدہ کرو' تم جیسے اب مونی کا خیال کرتی ہو' شادی کے بعد اس سے بھی زیادہ.....''
''نہیں.....'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔ ''میں کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔ میں اب کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔''
''نشاء..... نشاء..... میری بات سنو۔'' انہوں نے پکار کر کہا لیکن اس نے سیل فون آف کر دیا تھا۔



گزشتہ دنوں وہ جتنی خوش تھی اب اسی قدر آزردگیوں میں گھر گئی تھی اور فطری بات تھی کہ اس مقام پر اسے اپنی ماں یاد آنے لگی تھی' کہ اگر وہ ہوتی تو کبھی اس کے ساتھ یہ ظلم نہ ہونے دیتیں۔ اس وقت اپنی ماں کے بارے میں سوچتے ہوئے اچانک اسے وہ خاتون یاد آئیں جو اس کا پرپوزل لے کر آئی تھیں اور اسے ثریا کی بیٹی کہہ رہی تھیں۔ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ لبنیٰ کے پاس آ گئی۔

''آنٹی وہ آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔'' اس نے کہا تو لبنیٰ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

''وہ جو اس روز خاتون آئی تھیں اپنے بیٹے کا پرپوزل لے کر......'' اس نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ لبنیٰ جانے کیا سمجھ کر بول پڑیں۔

''ہاں انہیں تو میں نے بلال کے کہنے پر منع کر دیا تھا کیونکہ اگلے روز ہی تمہارے تایا تائی آ گئے تھے۔''

''آپ نے خود جا کر انہیں منع کیا تھا؟'' اس نے اس خیال سے پوچھا کہ گھر کا ایڈریس معلوم کر سکے گی۔

''نہیں......میں نے فون کر دیا تھا۔'' لبنیٰ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھنے لگیں۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو' کوئی کام ہے ان سے؟''

''جی' آپ مجھے ان کا فون نمبر دے دیں۔'' اسے ڈھیٹ بننا پڑا۔

''فون نمبر۔'' لبنیٰ سوچتے ہوئے بولیں۔ ''دیکھو شاید میں نے وہاں ڈائری میں لکھا تھا۔''

''کس نام سے؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''مسز شاہ' لیکن دیکھو کوئی ایسی حرکت مت کرنا۔'' لبنیٰ نے انگلی اٹھا کر اپنی تنبیہ مکمل کی تو وہ کوئی بھی جوابی تاثر دیئے بغیر پلٹ آئی اور ڈائری سے نمبر نوٹ کر کے اپنے کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے سیل فون سے نمبر ملایا تھا۔

تیسری بیل کے بعد خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔

''ہیلو......''

''آنٹی میں نشاء بول رہی ہوں۔'' اس نے فوراً تعارف کرایا۔ ''نشاء بلال احمد۔ ثریا کی بیٹی۔''

''ارے بیٹا' کیسی ہو۔'' شفقت سے پوچھا گیا۔

''ٹھیک ہوں' آپ سے ملنا چاہتی ہوں آنٹی۔'' اس نے مدعا بیان کرنے میں بھی جلدی کی۔

''ضرور بیٹا' جب چاہو تم آ سکتی ہو یا میں آ جاؤں۔'' انہوں نے پوچھا تو اب وہ سہولت سے بولی۔

''میں آ جاؤں گی آنٹی' آپ ایڈریس بتا دیں۔'' اس نے ایڈریس نوٹ کیا پھر انہیں جلدی ملنے کا کہہ کر فون بند کرتے ہی جانے کیا کچھ سوچنے لگی اور کوئی اچھی سوچ نہیں تھی' کیونکہ دل پر ایسی چوٹ پڑی تھی جس نے اسے سب سے متنفر کر دیا تھا۔

اور پھر اگلے روز ہی وہ مسز شاہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ وہ اس سے بہت محبت سے ملیں تو اس نے پہلا سوال اپنی ماں کے بارے میں کیا تھا۔

''آپ میری امی کو کیسے جانتی ہیں آنٹی؟''

''ثریا میری دوست تھی بیٹا۔'' انہوں نے بتایا تو اسے دھچکا لگا۔

''تھی مطلب؟''

''ارے بیٹا تم کچھ غلط مت سمجھو۔'' انہوں نے سمجھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ''میرا مطلب ہے کہ اب مجھے نہیں پتا وہ کہاں ہے۔ بہت سال پہلے ہم یوں بچھڑے کہ پھر ملاقات ہی نہیں ہوئی۔''

''پھر آپ نے مجھے کیسے پہچانا کہ میں ثریا کی بیٹی ہوں؟'' اس نے پوچھا تو وہ بے ساختہ مسکرائیں پھر کہنے لگیں۔

''ایسا ہے بیٹا کہ تمہارے ابو کے نام سے مجھے شبہ ہوا تھا پھر تمہیں دیکھ کر تو یقین ہو گیا کہ تم ثریا کی بیٹی ہو کیونکہ تم ہوبہو اپنی ماں کی تصویر ہو۔ اب کہاں ہے تمہاری ماں؟'' آخر میں انہوں نے پوچھا تو وہ مایوسی سے بولی۔

''مجھے نہیں پتا آنٹی' میں تو خود آپ سے پوچھنے آئی ہوں۔''

''کیا مطلب......؟'' وہ حیران ہوئیں۔ ''تمہیں تمہارے ابو نے نہیں بتایا؟''

''نہیں' میں نے خود ابو سے نہیں پوچھا' اصل میں میں ابو کے ساتھ نہیں رہی' ابو مجھے تایا ابو اور تائی امی کے پاس چھوڑ کر خود باہر چلے گئے

تھے اور اتنے سالوں بعد اب واپس لوٹے ہیں۔'' اس نے بتایا تو وہ پوچھنے لگیں۔
''تمہارے تایا تائی نے تمہیں پالا؟''
''جی۔'' وہ اپنے ناخن دیکھنے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا اب کیا بات کرے تو قدرے رک کر مسز شاہ کہنے لگیں۔
''بہر حال ثریا کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی' میں ان دنوں کوئٹہ میں تھی جب مجھے ثریا کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا کہ بلال احمد نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور چھوٹی بچی نشاء بھی اس سے چھین لی ہے شاید وہ صبا کو بھی چھین لیتا لیکن؟''
''صبا......'' اس نے چونک کر بے اختیار پوچھا۔
''تمہاری بہن......'' مسز شاہ نے کہا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
''میری بہن' مجھے تو تائی امی نے کبھی نہیں بتایا کہ میری بہن بھی ہے۔''
''انہوں نے تو تمہیں ثریا کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔'' مسز شاہ کے شاکی انداز پر وہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی۔



کتنے دن ہو گئے تھے ریان کا فون نہیں آیا تھا۔ پہلے وہ لاشعوری طور پر منتظر تھی' پھر با قاعدہ سوچنے لگی اور انتظار الگ۔ دن میں ہی نہیں رات میں بھی نیند سے اٹھ اٹھ کر سیل فون چیک کرتی کہ شاید اس کی کال آئی ہو۔ اس وقت اسے سوچتے ہوئے وہ رہ نہیں سکی اور خود اس کا نمبر پش کر دیا تو دوسری بیل پر ہی کال ریسیو تو ہو گئی لیکن وہ بولا نہیں تھا۔
''ہیلو۔'' وہ جھجک رہی تھی' نروس بھی تھی اور وہ خاموش رہ کر اسے محسوس کر رہا تھا۔
''ہیلو ریان۔'' اس کی خاموشی سے گھبرا کر مریم نے پکارا تب وہ بولا۔
''سوری......میں کھو گیا تھا۔''
''کہاں کھو گئے تھے اتنے دنوں سے فون نہیں کیا؟'' اس نے سادگی سے ٹوک کر کہا تو وہ جیسے انتظار میں تھا۔
''تمہیں میرے فون کا انتظار تھا؟''
''ہاں......نہیں......آئی مین......'' وہ کنفیوز ہوئی۔
''ایک بات کہو ہاں یا ناں۔ وضاحتیں مت دو۔'' ٹھہرا ہوا لہجہ تھا' وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔
''میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہیں میرے فون کا انتظار تھا۔'' اس نے پھر پوچھا تو وہ چند لمحات بعد بولی۔
''ہاں۔''
''تھینکس۔ تم نے مجھے زندگی دے دی۔'' ریان نے لمبی سانس کھینچی تھی۔
''یہ......یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''
''سچ کہہ رہا ہوں' میری سانسیں رک گئی تھیں کہ کہیں تم ناں نہ کہہ دو' اب پوچھو میں نے اتنے دن فون کیوں نہیں کیا۔'' ریان نے وضاحت کے ساتھ کہا تو اب وہ سوچتے ہوئے بولی تھی۔
''آپ بتا دیں۔''
''یہی جاننے کے لیے کہ تم مجھے مس کرتی ہو کہ نہیں اور میں چاہتا تھا تم مجھے فون کرو۔ تم سے زیادہ میں نے تمہارے فون کا انتظار کیا ہے۔ ہر روز ہر پل۔'' وہ بہت دھیرے دھیرے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہا تھا' یوں کہ برسوں سے وہ جس خول میں بند تھی وہ چٹخ رہا تھا۔ بے ترتیب دھڑکنوں میں امنگوں کے ساتھ جستجو بھی انگڑائیاں لے رہی تھی اور یہ جستجو ہی تھی کہ وہ اس سے ملنے پر آمادہ ہوئی اور اگلے دن جہاں اس نے کہا وہاں پہنچ بھی گئی لیکن بہت نروس تھی۔
''تم کیوں اتنی تنہا اور بیزار ہو۔'' ریان کے پوچھنے پر وہ یوں دھیرے دھیرے بولنے لگی جیسے اس نے ٹیپ کا بٹن دبا دیا ہو۔
''میری اسٹیپ مدر ہیں' شاید اس لیے ان کے اور میرے درمیان ہمیشہ فاصلہ رہا اور پاپا اپنے بزنس میں مصروف' اس لیے میں تنہائی فیل کرتی ہوں' آپ سوچیں سارا دن آپ سے کوئی بات کرنے والا نہ ہو' دیواروں کو تکنا پڑے' بے جان تصویروں پر نظریں جمائے یہ سوچنا کہ یہ ابھی بولنے لگیں گی' ایسے میں کوئی کیسے نارمل رہ سکتا ہے۔''
''مجھے دیکھو' کیا میں تمہیں نارمل نہیں لگ رہا۔'' ریان نے کہا تو وہ نا سمجھنے کے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں' میں...... میں نارمل ہوں کیونکہ میں نے اس بات کو خود پر طاری ہی نہیں کیا کہ میرا کوئی نہیں ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اب کوئی کسی کا نہیں ہے ہر شخص اپنی زندگی جی رہا ہے۔ پھر تم نے کیوں خود پر زندگی تنگ کر رکھی ہے۔'' ریان نے اپنے بارے میں بتا کر کہا تو وہ بے بسی سے بولی۔

''میں کیا کروں' مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''تم کسی چیز میں دلچسپی لو گی تو اچھا لگے گا۔ دنیا اتنی بے رنگ نہیں ہے' اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھو تو......''

''کیا دیکھوں؟'' مریم گلاس وال سے باہر دیکھنے لگی پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔ ''وہ......'' ریان نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا' ایک بوڑھی عورت بھاری سامان اٹھائے بمشکل چل رہی تھی بلکہ خود کو گھسیٹ رہی تھی۔

''وہ......'' مریم نے دوسری سمت اشارہ کیا تو ریان کی نظریں اس سمت اٹھ گئیں' دو آدمی ایک دوسرے کا گریبان پکڑے جھگڑ رہے تھے۔ وہ نفی میں سر ہلا کر اسے دیکھنا چاہتا تھا کہ نظر دو بہت چھوٹے بچوں پر پڑی' ایک لڑکا ایک لڑکی کندھوں پر اسکول بیگ لٹکائے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چل رہے تھے۔

''نہیں وہ۔'' ریان نے فوراً ان کی طرف اشارہ کیا تو اس سمت دیکھتے ہوئے مریم کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ چمکی تھی اور جب تک بچے نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے وہ انہیں دیکھتی رہی پھر ریان کو دیکھ کر بے ساختہ پوچھا تھا۔

''آپ کون ہیں؟''

''تمہارا دوست۔'' ریان نے کہا تو وہ قدرے الجھی۔

''میرا مطلب ہے آپ مجھے کیسے جانتے ہیں' آپ نے کہا تھا کہ آپ نے میرا نمبر میرے سیل فون سے چرایا تھا...... کیسے؟''

''وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔'' وہ محظوظ ہو کر مسکرایا تھا۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میں اپنے بارے میں بعد میں بتاؤں گا' آئی مین نیکسٹ ملاقات میں۔ ابھی کھانا کھاؤ۔'' ریان نے خوب صورتی سے آئندہ ملاقات طے کر کے اس کی توجہ کھانے کی طرف دلائی تھی۔ اور پھر اس نے بھی اصرار نہیں کیا۔ شاید وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ وہ جو اسے زندگی اور اس کی خوب صورتیوں سے روشناس کرا رہا تھا اس سے وہ دوبارہ اور شاید بار بار مل سکتی تھی۔ بہرحال جب وہ گھر لوٹی تو بہت مگن سی تھی' سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ لبنیٰ کے پکارنے پر چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

''آج سارا دن کہاں رہی ہو؟'' لبنیٰ نے پوچھا۔ ''بی بی بتا رہی تھیں تم دوپہر میں گئی تھی۔''

''جی' دوپہر میں گئی تھی۔'' وہ اندر سے خائف ہوئی تھی۔

''کہاں؟'' لبنیٰ کا انداز سرسری تھا۔

''جی فرینڈ کے پاس۔'' یہ جھوٹ نہیں تھا پھر بھی اسے بولنے میں دقت ہوئی تھی۔

''اچھی بات ہے' جایا آیا کرو' کوئی نئی فرینڈ ہے؟''

''جی۔''

''تو کیسا رہا آج کا دن' نئی فرینڈ کے ساتھ انجوائے کیا۔'' لبنیٰ کو شاید اس کی تبدیلی اچھی لگ رہی تھی۔

''جی۔''

''گڈ۔'' لبنیٰ سراہ کر آگے بڑھ گئی تب اس نے گہری سانس کھینچی پھر سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔



جانے قسمت میں کیا لکھا تھا کہ وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو رہی تھی۔ ایسے مسلسل مایوسی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ گو کہ کسی اور جگہ جاب کی کوشش تو وہ اسی روز سے کر رہی تھی جب خان جنید نے اسے شادی کی آفر کی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ انہیں کوئی جواب دیئے بغیر آرام سے الگ ہو جائے گی' اس لیے وہ پریشان بھی نہیں تھی لیکن اب جس طرح راحیلہ خاتون نے اس کا اور اس سے زیادہ اس کی ماں کا جینا حرام کر دیا تھا تو وہ جتنا چاہ رہی تھی کہ جلد سے جلد ماں کو لے کر اپنا کہیں الگ انتظام کر لے تو اسی قدر اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ایک دو جگہ اس نے دو کمرے کا فلیٹ دیکھا بھی' کرایہ تو مناسب تھا لیکن ایڈوانس کی مد میں جمع کرانے کے لیے جو رقم بتائی گئی اتنی تو وہ اپنی چھ

مہینے کی تنخواہ جمع کر کے بھی ادا نہیں کر سکتی تھی۔ مزید اچھی جاب کے لیے اس نے کتنی جگہوں پر اپلائی کر رکھا تھا تو کسی طرف سے بھی کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اگر اس کی ماں کے دل میں راحیلہ خاتون کا اتنا خوف نہ ہوتا تو شاید وہ پریشان نہ ہوتی' اور سہولت سے اپنا الگ انتظام کر سکتی تھی لیکن راحیلہ خاتون تو سر پر ڈنڈا لیے کھڑی تھیں کہ ابھی نکل جاؤ۔ وہ تو سارا دن گھر پر نہیں ہوتی تھی عتاب اس کی ماں پہ نازل ہوتا تھا۔ وہ جب گھر لوٹتی ثریا کی سہمی ہوئی شکل اور آنکھوں میں ایک ہی سوال......

''کچھ بنا......؟'' وہ نظریں چرا جاتی' یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں کیونکہ وہ خود پریشان تھی اور یہ تو نہیں تھا کہ یہ پریشانی اس کی اپنی پیدا کردہ تھی' وہ اگر اسٹینڈ نہ لیتی تو راحیلہ خاتون اسے اپنے بھانجے کے ساتھ رخصت کر دیتیں اس کے بعد ثریا مکمل ان کے رحم و کرم پر ہوتی۔ بہر حال یہ مشکل وقت کسی طور کٹ ہی جانا تھا اگر جو سلیم احمد بیوی کی زبان نہ بولنے کھڑے ہو جاتے۔

''ثریا' میں تنگ آ گیا ہوں روز روز کے جھگڑوں سے' تمہاری بیٹی کی بدلحاظی نے مجھے راحیلہ خاتون کے سامنے شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے' اب میں اس سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔ بہتر ہے تم بیٹی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔'' ثریا تو مارے صدمے کے کچھ بول ہی نہیں سکی اور وہ بھی بمشکل بولی تھی۔

''میں کوشش کر رہی ہوں ماموں جی۔''

''کیا کوشش کر رہی ہو؟'' نروٹھے پن کی انتہا تھی۔

''یہی کہ کہیں سر چھپانے کی جگہ مل جائے۔''

''مفت میں کہیں جگہ نہیں ملے گی۔'' انہوں نے جتا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور چند نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔ ''یہ لو۔'' اسے اگر رشتے اور عمر کا خیال نہ ہوتا تو نوٹ لے کر ان کے منہ پر دے مارتی' بمشکل ضبط سے بولی تھی۔

''یہ آپ رکھیں ماموں جی' اور فکر نہ کریں' ہم جلدی یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''ہاں جلدی' میں راحیلہ سے کہہ دیتا ہوں بس ایک ڈیڑھ ہفتے کی بات ہے۔'' سلیم احمد خود ہی اسے ایک ڈیڑھ ہفتے کی مہلت دے کر چلے گئے تو ثریا نے اس کا بازو تھام لیا۔

''کیا ہوگا؟ اب کہاں جائیں گی ہم' اسی دن کے لیے منع کرتی تھی' مت زوم دکھاؤ۔ اب بتاؤ کون ہے ہمارا؟ کہاں سر چھپائیں گی ہم...... یا اللہ۔'' ثریا اپنے پیچھے پلنگ پر ڈھے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دل تو اس کا بھی چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لے لیکن جانتی تھی کہیں شنوائی نہیں ہوگی' کتنی دیر وہ ثریا کو سسکتے ہوئے دیکھتی رہی اتنی ہمت نہیں تھی کہ ان کے آنسو پونچھ سکے۔ ذہن الگ ماؤف' کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھا۔

''کیا کروں؟'' دل میں اٹھتی درد کی لہر دباتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کی تھیں کہ اچانک ذہن میں جھماکا ہوا تھا اور پھر اس نے کچھ نہیں سوچا اپنا سیل فون لے کر واش روم میں بند ہو گئی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ واش روم سے نکلی اور عجلت دکھاتے ہوئے ثریا سے مخاطب ہوئی۔

''اٹھیں امی' ہمیں ابھی یہاں سے جانا ہے۔''

''کہاں؟'' ثریا رونا بھول کر اسے دیکھنے لگیں۔

''یہ سوال جواب بعد میں بس آپ جلدی سے جو ضروری چیزیں لینی ہوں لے لیں۔'' اس نے کہتے ہوئے بیگ نکالا اور اس میں اپنی ضروری چیزیں رکھنے لگی تو ثریا اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔

''صبا مجھے بتاؤ ہم کہاں جائیں گی۔''

''گھر...... گھر مل گیا ہے' کہیں روڈ پر نہیں بٹھاؤں گی آپ کو۔ اب خدا کے لیے جلدی کریں گاڑی آنے والی ہے۔'' اس نے زچ ہو کر کہا تو ثریا مزید الجھ گئیں۔

''گاڑی؟''

''میرے آفس کی گاڑی ہے' ہمیں گھر پہنچا دے گی۔'' وہ مزید تیزی دکھانے لگی۔

جلدی جلدی بیگ میں چیزیں ٹھونس کر زپ بند کی پھر سوٹ کیس میں اپنے اور ثریا کے کپڑے رکھنے لگی۔ تب ثریا نے جو سمجھ میں آیا سوٹ کیس میں ڈال دیا۔ پھر گاڑی آنے کا فون سن کر وہ بیگ اور سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکلی تو ثریا نے پوچھا نہیں تھا شاید اپنا

ارادہ ظاہر کیا تھا۔
''بھیا کو بتادوں۔''
''کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔'' اور واقعی لاؤنج میں سلیم احمد اور راحیلہ خاتون بھی موجود تھیں۔ راحیلہ خاتون نے تو نخوت سے منہ موڑ لیا البتہ سلیم احمد ٹک ٹک انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ثریا کے قدم رک رک کر اٹھ رہے تھے۔ وہ ایک بار پہلے ماں باپ کے گھر سے وداع ہوئی تھیں اور اب نکالی جارہی تھیں بس گھروں کا فرق تھا' لیکن تھا تو یہ بھی اس کے باپ کا گھر۔ ماں باپ نہیں رہے تھے ماں جایا تو تھا۔ کاش سر پر ہاتھ ہی رکھ دیتا۔ وہ اسی انتظار میں دہلیز پر رکی تھیں کہ شاید لیکن صبا نے سامان ڈرائیور کے حوالے کیا اور اسے کھینچ کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔
گاڑی جانے کن کن راستوں پر دوڑ رہی تھی ثریا تو کیا خود اسے خبر نہیں تھی۔ اس کا ذہن ان راستوں پر بھٹک رہا تھا جو اس کا ماضی بننے جارہے تھے۔ گھنٹے بھر میں اس نے اپنی اب تک کی زندگی کا سفر طے کرلیا تھا' جب گاڑی رکی تب اس نے چونک کر دیکھا۔ سی ویو کے قریب خوب صورت اپارٹمنٹ تھا۔
''چلیں امی۔'' اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے ثریا کو دیکھا وہ اپنے آنسو پونچھ رہی تھیں۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ پھر وہ ثریا کا ہاتھ تھامے ہوئے ڈرائیور کے پیچھے سیکنڈ فلور پر اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک گئی۔ ڈرائیور نے پہلے ان کا مختصر سامان اندر رکھا پھر اپارٹمنٹ کی چابی کے ساتھ ایک لفافہ اسے تھما کر بولا تھا۔
''کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں نیچے موجود ہوں۔'' اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور ثریا کے ساتھ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔
''یہ...... یہ کس کا گھر ہے صبا؟'' ثریا سب بھول کر نئی پریشانی میں مبتلا ہوگئی۔
''آپ کا...... پہلے ڈرائیور کو فارغ کردیں پھر آرام سے دیکھئے گا۔'' اس نے قصداً سرسری انداز اختیار کیا اور جلدی سے بیگ میں سے پین اور پیپر نکال کر خصوصاً کچن کے لیے فوری ضرورت کی اشیاء لکھ کر ڈرائیور کو فون کیا تو وہ فوراً ہی آ گیا۔ وہ پرچہ اسے تھما کر واپس آئی تو ثریا بت بنی کھڑی تھی۔
''اف امی...... آپ بیٹھ تو جائیں۔'' اس نے ثریا کو کندھوں سے تھامنا چاہا لیکن وہ فوراً پیچھے ہٹ کر بولیں۔
''نہیں' پہلے بتاؤ یہ سب کیا ہے؟''
''کیا ہے' گھر ہے' اتنے دنوں سے کوشش کررہی تھی کہ کہیں ٹھکانا مل جائے اور اب ٹھکانا مل گیا ہے تو آپ پریشان کیوں ہورہی ہیں؟''
''پریشان اس لیے ہورہی ہوں کہ یہ ہماری اوقات سے بڑھ کر ہے' ہم تو کسی پسماندہ علاقے میں دو کمرے کا مکان افورڈ نہیں کرسکتے کہاں یہ......'' ثریا نے تڑخ کر کہا تو وہ درد دبا کر بولی۔
''یہ میرے باس کی عنایت ہے۔''
''کیا مطلب؟'' ثریا کی نظریں اسے اندر تک چھلنی کرگئی تھیں۔
''مطلب میں نے باس کو بتایا کہ میں اس وقت بہت پرابلم میں ہوں مجھے فوری رہائش کی ضرورت ہے' تو انہوں نے میری پرابلم سولو کردی۔ اب یہاں رہ کر میں اطمینان سے اپنی حیثیت کے مطابق رہائش تلاش کرسکوں گی۔'' اس نے سہولت سے بات بنائی تھی۔
''تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ثریا غیر یقینی تھیں۔
''اس میں جھوٹ کیا ہے؟'' اس نے کہہ کر گلاس وال سے پردہ کھینچا تو سورج اپنی آخری کرنیں سمیٹتا دور سمندر میں اتر رہا تھا اس کی آنکھیں یکلخت پانیوں سے بھر گئیں اور پھر وہ رو پڑی۔
''سب جھوٹ ہے امی' سب جھوٹ ہے' میں بھی جھوٹی ہوں۔''
''سچ کیا ہے؟'' ثریا کی آواز کہیں دور سے آئی تھی۔



وہ مقدر سے یوں ہاری کہ اس کے اندر دور تک سناٹا پھیل گیا تھا۔ نہ احسن کی دی قسمیں یاد رہیں نہ محبتوں کے واسطے' سارے احساسات جیسے برف کی سلوں تلے منجمد ہوگئے تھے۔
''نکاح کے لیے لوگ آرہے ہیں تم پلیز رونا مت ورنہ میک اپ خراب ہوجائے گا۔'' لبنیٰ نے اس کے سر پر آنچل جما کر کہا تو اس نے

چپ چاپ پیشانی گھٹنوں پر ٹکالی اور اندر آتے قدموں کی چاپ سننے لگی پھر کوئی اس کے بیڈ پر بیٹھا تھا' ہر طرف خاموشی اور خاموشی کا سینہ چیرتی صرف ایک آواز۔

''نشاء بلال احمد تمہیں محسن جلال احمد سے نکاح قبول ہے۔'' دوسری اور پھر تیسری بار دہرایا گیا تو یکلخت اس نے ساری شرم ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر سر پر ٹھہرا لبنیٰ کا ہاتھ جھٹک کر سر اونچا کیا۔ عین سامنے بلال احمد اور جلال احمد کھڑے تھے' دونوں کے چہرے روشن اور چمکتے ہوئے' کہیں کوئی پشیمانی نہیں' کہیں کسی دھوکے کا شائبہ نہیں' ایک وہ جس نے اس کی ماں کو در بدر کیا' دوسرا وہ جو اپنے بیمار بیٹے کو کچھ برس اور زندہ رکھنے کی خاطر اس کے آنچل کی پناہ دینا چاہتا ہے' ان چمکتے چہروں نے اس کے اندر آگ لگادی' دل چاہا نہیں کی صورت اتنی زور سے چیخے کہ اس کی آواز دنیا کے اِس سرے سے اُس سرے تک سنی جائے اور کائنات کا ذرہ ذرہ گواہ ہو۔

''ہاں کہو۔'' لبنیٰ نے پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور دباؤ ڈال کر اس کا سر جھکاتے ہوئے سرگوشی میں بولی تو وہ سسک پڑی۔

''ہاں...... ہاں...... ہاں۔'' کمرے کی خاموش فضاؤں میں مبارک سلامت کا شور اٹھا جس میں اس کی سسکیاں دب کر رہ گئیں' پھر اس کے بعد جامد خاموشی' ہونٹ آپ ہی آپ سل گئے' کانوں پر دبیز پردے آ گرے اور آنکھیں سارے سپنے کھو کر ویران ہو گئیں یوں کہ محسن جلال احمد کے سنگ دوبارہ اس گھر میں آ کر بھی اس کے اندر نئی زندگی کی کوئی ہلکی سی امنگ بھی نہیں جاگی تھی اور اس کے برعکس محسن کی خوشی کا ٹھکانا نہیں تھا' وہ اپنی خوشی میں مست اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

''میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی میری زندگی میں بھی بہار آ سکتی ہے۔ تمہاری محبت نے تو اچانک ایسے پھول کھلائے ہیں کہ میں صرف چند برس نہیں بلکہ برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا ہوں۔''

''میری محبت......'' اس نے سوچا اور دل چاہا زور زور سے ہنس کر اس کا مذاق اڑائے لیکن وہ ہونٹ بھینچے بیٹھی رہی اور وہ کہتا رہا۔

''مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا کہ میں نے در دل پر تمہاری محبت کی دستک سننے میں بہت دیر کی۔ کاش میں اسی روز جان جاتا جس روز تم نے کہا تھا کہ تم سب کچھ بھول سکتی ہو یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی لیکن مجھے نہیں۔''

''اف......'' اس نے سختی سے آنکھیں بند کی تھیں۔

''اور پتا ہے نشاء میں تو اس کے بعد بھی نہیں جان پایا وہ تو جب ابو نے میری اور تمہاری شادی کی بات کی تو میں بہت حیران ہوا کہ یہ کیسے ممکن ہے اور میں نے امی ابو سے کہا کہ تم مجھ سے شادی پر رضامند نہیں ہوگی' اس پر ابو بہت ہنسے اور کہا کہ وہ لڑکی جو اتنی محبت سے تمہارا خیال رکھتی ہے' وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرے گی اور اس روز جب میں نے تمہارے بارے میں نئے انداز سے سوچا تو احساس ہوا کہ تم تو ایک عرصے سے میرے دل کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں میں ہی بے خبر تھا۔'' محسن یہ ساری باتیں اس روز اس سے کرنا چاہتا تھا جس روز وہ آنے کا کہہ کر نہیں آئی تھی۔

''واقعی محبت میں بڑی طاقت ہے۔ مردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ مجھے دیکھو میں جو ٹوٹا ہوا شکستہ اور اپنے آپ سے حد درجہ مایوس انسان تھا تمہاری محبت کا احساس ملتے ہی جی اٹھا ہوں۔'' پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر شرارت سے بولا۔

''تم ناحق مجھے دوائیں پلاتی رہی' اگر اول روز ہی اظہار کر دیتیں تو میں اسی وقت بھلا چنگا ہو جاتا...... ہے ناں۔'' نشاء نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور وہ اپنی خوشی میں مست اٹھ کھڑا ہوا اور دونوں بازو دائیں بائیں پھیلا کر کہنے لگا۔

''دیکھو یہ وہی کمرہ ہے جہاں مایوسیوں کا راج تھا۔ اب کیسا روشن لگ رہا ہے۔ زندگی مجھ پر مہربان ہو گئی ہے۔ میں بہت خوش ہوں نشاء بہت خوش۔'' وہ خوشی کا اظہار دونوں بازو پھیلائے گول گول گھومتے ہوئے کر رہا تھا کہ اچانک چکرا کر لڑکھڑایا اور سنبھلنے کی کوشش میں اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔

''نشاء......'' وہ اس کے سامنے اوندھے منہ یوں گرا کہ وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑی تھی۔

''مونی......!''



جلال احمد تو محسن کو ٹریٹ منٹ ملنے کے بعد اپنا اطمینان کر کے گھر چلے گئے تھے اور وہ اولین شب کی دلہن تنہا رہ گئی تھی۔ کھڑکی کی چوکھٹ سے سر ٹکائے ایک ٹک محسن کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ دن کا اجالا پھیل رہا تھا اور وہ ابھی تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ ڈاکٹر تانیہ اور نرس کے آنے کا اسے پتا ہی نہیں چلا تھا۔

''یہ...... یہ ڈاکٹر احسن کے بھائی ہیں۔'' ڈاکٹر تانیہ نے محسن کو دیکھ کر اس سے پوچھا۔ تب چونکنے کے ساتھ اس کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔

''اور آپ ان کی کون ہیں؟'' محسن کی نبض چیک کرتے ہوئے ڈاکٹر تانیہ پھر اسے دیکھنے لگی۔

''وائف۔'' اس کے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی تھی جبکہ تانیہ کے ہونٹ او کے انداز میں سکڑے پھر پوچھنے لگی۔

''آپ کے ساتھ اور کون ہے؟''

''کوئی نہیں جو بھی بات ہے آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔ میں سب سن سکتی ہوں۔ یہ بھی کہ یہ چند گھڑیوں کے مہمان ہیں۔'' وہ کہہ کر تیزی سے روم سے نکل آ گئی۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' راہداری میں تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ آخری سرے تک جا پہنچی پھر پلٹ کر دیکھا ڈاکٹر تانیہ اور اس کے پیچھے نرس محسن کے روم سے نکل کر دوسری سمت جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی پھر سست قدموں سے واپس روم میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔ محسن بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ آہٹ پر گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر زبردستی مسکرا کر بولا۔

''وہاں کیوں کھڑی ہو یہاں میرے پاس آؤ'' وہ ایسے ہی سست روی سے بیڈ کے قریب آ کھڑی ہوئی اور بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ زندہ ہوں' مر نہیں گیا۔'' محسن نے اس خیال سے کہا کہ پہلے کی طرح وہ بے ساختہ اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھے گی لیکن وہ ساکت کھڑی رہی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ میں نے تمہیں پریشان کر دیا۔ اصل میں تمہیں پا کر میرا سچ مچ مر جانے کو دل چاہا تھا'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا تب بھی اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔

''کیا بہت ناراض ہو۔'' محسن نے اس کا ہاتھ ہلایا۔ ''کچھ کہو نا' تمہاری خاموشی مجھے احساس جرم میں مبتلا کر رہی ہے۔''

''آ...... آپ کو زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں'' وہ بہت دقتوں سے بولی تھی۔

''نہیں کروں گا لیکن تم پر تو ایسی کوئی بندش نہیں ہے۔'' محسن نے فوراً کہا وہ پھر خاموش ہو گئی۔

''لگتا ہے تم شاکڈ ہو۔'' وہ خود ہی کہنے لگا۔ ''ہونا بھی چاہیے' رات ہماری شادی ہوئی اور اب میں یہاں پڑا ہوں۔ لیکن تم یہ بھی تو جانتی ہو نشاء کہ میرے ساتھ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''لیکن میں یہ نہیں جانتی تھی کہ میرے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ بے ساختہ بولی تھی۔

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھا نہیں۔

''آپ واقعی انجان ہیں یا بن رہے ہیں۔'' اس نے سلگتی نظر اس پر ڈالی۔

''میں تمہاری بات نہیں سمجھ رہا' اگر تم وضاحت کرو تو شاید میں جواب دے سکوں۔'' وہ واقعی سادہ تھا نشاء نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا کہ جلال احمد کے آنے پر نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

''کیسے ہو بیٹا؟ ڈاکٹر نے تو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ تم کیا کہتے ہو۔'' جلال احمد نے آتے ہی مژدہ سنا کر پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

''چلتے ہیں ابو''

''گڈ۔'' جلال احمد نشاء کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہے تھے۔ شاید ان میں ہمت نہیں تھی۔ محسن کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تو وہ خاموشی سے ان دونوں کے پیچھے چل پڑی۔

گھر آتے ہی وہ سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اس کی سیج ویران پڑی تھی۔ خالی خالی نظروں سے کمرے کی سجاوٹ دیکھتے ہوئے اچانک اس کے اندر ابال اٹھا تھا۔ تیزی سے بڑھ کر سیج کی لڑیاں نوچنے لگی تب ہی محسن کمرے میں آتے ہی ایک لحظہ کو ٹھٹکا لیکن پھر عقب سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

''یہ کیا کر رہی ہو...... ابھی تو......''

''مجھے الجھن ہو رہی ہے۔ دم گھٹ رہا ہے میرا۔'' وہ بے دردی سے لڑیاں نوچ رہی تھی۔ محسن دل گرفتہ سا ہو کر اس کے ساتھ لڑیاں

اتارنے لگا' پھراسے خوش کرنے کی خاطر بولا۔
''واقعی اب کھلا کھلا لگ رہا ہے۔'' پھر بیڈ کارنر پر رکھے گفٹ پیکٹ کو دیکھ کر''آؤ دیکھیں احسن بھائی نے ہمیں شادی پر کیا گفٹ بھیجا ہے۔''
''احسن بھائی خود نہیں آئے؟'' اس نے اچانک ایک خیال کے تحت ناگواری سے پوچھا۔
''نہیں......'' محسن کی توجہ گفٹ پر تھی۔
''کیوں' تایا ابو تو کہہ رہے تھے احسن کے آنے پر شادی ہوگی۔''
''ہاں' ارادہ تو یہی تھا اور احسن بھائی کا آنا بھی کنفرم تھا لیکن پھر پچھلے ہفتے ان کا فون آیا کہ وہ نہیں آ سکتے۔'' محسن پیکٹ کا ریپر اتارتے ہوئے بتا رہا تھا۔
''حیرت ہے وہ اپنے اتنے پیارے بھائی کی شادی میں شریک نہیں ہوئے۔'' اس کا طنز محسن نے محسوس ہی نہیں کیا۔
''ہاں انہیں بھی اس بات کا بہت ملال ہے۔'' اس نے کہا تب ہی موبائل فون کی ٹون بجنے سے اس کی توجہ گفٹ پر سے ہٹ گئی۔ موبائل اٹھاتے ہی خوش ہو کر بولا۔
''احسن بھائی کا فون ہے۔'' پھر کال ریسیو کرتے ہی احسن سے کہنے لگا۔''بڑی عمر ہے بھائی آپ کی' ابھی ہم آپ کو ہی یاد کر رہے تھے۔''
''پہلے یہ بتاؤ تم کیسے ہو؟'' احسن پریشان تھے غالباً انہیں رات اس کے ہاسپٹل جانے کی اطلاع مل گئی تھی۔
''میں بالکل ٹھیک ہوں بھائی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ اب یہ چھوٹے موٹے اٹیک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ ان سے کہتے ہوئے نشاء کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔
''کیا شادی کر کے طرم خان بن گئے ہو؟'' انہوں نے چھیڑا۔
''یہی سمجھ لیں۔ لیجیے نشاء سے بات کریں۔'' اس نے سیل فون نشاء کی طرف بڑھایا تو وہ پریشان ہو گئی۔
''لو ناں۔'' محسن کے اصرار پر ناچار اس نے سیل فون لیا۔
''ہیلو۔''
''کیسی ہو نشاء۔'' ان کی گہری سنجیدگی پر وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔
''مونی ٹھیک ہے ناں؟'' انہوں نے پھر پوچھا۔
''جی۔''
''ہاں' اس کا خیال رکھنا کیونکہ......'' وہ جانے کیا کہنے جا رہے تھے کہ وہ بول پڑی۔
''میں جانتی ہوں مونی آپ کو بہت پیارا ہے' اپنے آپ سے بڑھ کر' اور اس کی خاطر آپ سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے سیل فون آف کر دیا تھا۔



ثریا اس کے منہ سے سچ سن کر سناٹے میں بیٹھی تھی۔
''امی مجبوری کے فیصلے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ اس سے بہتر ہے جو مامی جی میرے ساتھ کرنے جا رہی تھیں۔'' وہ عاجز ہو کر ثریا کو قائل کرنے کی سعی کرنے لگی۔
''آپ خود سوچیں مامی جی کے بھانجے سے شادی کر کے کیا میں خوش رہ سکتی تھی۔ وہاں بھی مامی جی مجھے چین سے نہ رہنے دیتیں اور آپ کو الگ تنگ کرتیں۔ اب کم از کم ہم اپنی مرضی سے تو جی سکیں گے۔ یہ گھر آپ کا ہے' بہت جلد ہی میں آپ کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ کا انتظام کر دوں گی' یوں آپ اکیلی نہیں رہیں گی۔ اب خدا کے لیے آپ پچھلی ساری باتیں بھول جائیں اور خوش رہیں۔''
''تم خوش ہو؟'' ثریا نے اچانک پوچھا تھا۔ اس کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوب تھا۔ ثریا کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔
''میرے لیے خوشی کا مفہوم بدل گیا ہے امی' دل خالی ہو جائے تو پھر خوشی اور ناخوشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ آپ میری فکر نہ کریں۔''

''کیسے تمہاری فکر نہ کروں۔ تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی جتنا بڑا فیصلہ کر لیا۔'' ثریا کا بس نہیں چل رہا تھا' اسے ساری دنیا سے چھپا لے۔

''وقت بڑا ظالم ہے امی کچھ لیے بغیر ٹلتا نہیں ہے۔''

''تمہارا تو سب کچھ لے لیا۔'' ثریا بے حد آزردہ تھی۔

''نہیں میرا سب کچھ آپ ہیں۔ آپ خوش رہیں اور میرے لیے دعا کریں۔ میں ان شاء اللہ اپنے فیصلے پر کبھی نہیں پچھتاؤں گی۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر جاتے جاتے بولی۔

''میں کھانا نکال رہی ہوں۔ آپ جلدی سے فریش ہو کر آجائیں۔'' پھر کھانے کے دوران وہ ثریا کو خان جنید اور ان سے زیادہ بنٹی کے بارے میں بتانے لگی کہ وہ معذور بچہ اس سے کتنا مانوس ہو گیا ہے اور قصداً اس نے بنٹی کی تنہائی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ثریا کو بھی اس پر ترس آنے لگا تھا۔ یوں وہ ثریا کو اپنے حق میں ہموار کر کے ہی اٹھی تھی۔

اور اب اسے آفس تو جانا نہیں تھا' اس لیے اگلے دن وہ آرام سے اٹھی اور ثریا کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اس نے ڈرائیور کو فون کیا پھر اس کے ساتھ خان جنید کے بنگلے پر آئی تو بنٹی منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ گئی اس کے دیر سے آنے پر ناراض ہے۔

''سوری فرینڈ مجھے دیر ہو گئی۔'' اس نے بنٹی کا گال چھونا چاہا لیکن وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا۔

''میں آپ سے بات نہیں کروں گا۔ آپ چلی جائیں۔''

''ارے...... '' وہ بنٹی کے سامنے بیٹھ گئی۔ ''میں تو سوچ رہی ہوں ہمیشہ کے لیے تمہارے پاس آجاؤں اور تم جانے کا کہہ رہے ہو؟''

''آپ ہمیشہ کے لیے کیسے آسکتی ہیں؟'' بنٹی ایک دم اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیوں نہیں آسکتی' اگر تم چاہو تو میں یہاں رہ سکتی ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

''ٹھیک ہے' آپ یہیں رہ جائیں۔''

''ایسے نہیں' میرا مطلب ہے ایسے کیسے رہ سکتی ہوں۔'' وہ پوری پلاننگ سے اسے تیار کر رہی تھی۔

''پھر؟'' بنٹی سوالیہ نشان بن گیا تو اس نے سوچنے کی ایکٹنگ کی پھر کہنے لگی۔

''ایک طریقہ ہو سکتا ہے' تم اپنے پاپا سے کہو مجھ سے شادی کر لیں پھر میں یہاں آجاؤں گی۔'' بنٹی فوراً کچھ نہیں بولا' بس اسے دیکھے گیا تو وہ خجل سی ہو گئی۔

''سوری۔'' پھر بات بدلنے کی غرض سے پوچھنے لگی۔ ''تم نے کھانا کھایا؟'' بنٹی نے جواب نہیں دیا تو اس نے رک کر پوچھا۔

''کیا تمہیں میری بات بری لگی؟''

''نہیں' میں سوچ رہا ہوں پاپا سے کیسے کہوں؟'' بنٹی نے کہا تو یہ معرکہ سر ہونے پر وہ مطمئن سی ہو گئی تھی۔



خان جنید خود نہیں آئے تھے انہوں نے فون پر ہی ثریا سے سب معاملات طے کر کے کہا تھا کہ ٹھیک پندرہ دن بعد وہ نکاح کر کے صبا کو لے جائیں گے اور جب یہ طے تھا کہ صبا کی شادی ان ہی کے ساتھ ہونی ہے تو پھر ثریا کیا کہہ سکتی تھیں' جیسا کہ صبا نے کہا تھا کہ۔

''دل خالی ہو جائے تو پھر خوشی اور ناخوشی کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' اور یہ بات ثریا پر بھی صادق آ گئی تھی۔ پھر بھی بیٹی کی شادی کے لیے اس کے کچھ ارمان تھے اور اب کوئی کمی بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے ارمان پورے کر سکتی تھیں۔ اس وقت اس نہج پر سوچتے ہوئے اس نے صبا کو پکارا۔

''جی امی۔'' صبا پہلی پکار پر بھاگی آئی تھی۔

''بیٹا! تم اپنی شاپنگ کر لو۔'' اس نے کہا تو صبا فوراً پوچھنے لگی۔ ''آپ چلیں گی؟''

''میں...... ہاں میں بھی چلوں گی۔'' ثریا کی جھجک فطری تھی کیونکہ اس کے لیے تو باہر کی دنیا خواب و خیال ہی ہو گئی تھی۔

''ٹھیک ہے میں چینج کر لوں پھر چلتے ہیں۔'' صبا فوراً واپس پلٹی کہ کہیں ثریا کا ارادہ بدل نہ جائے اس لیے وہ دس منٹ میں تیار ہو کر آ گئی۔

پھر اس نے مختلف شاپنگ پلازہ میں ثریا کو گھمایا اس کی پسند کی شاپنگ کی' مقصد اسے باہر کی دنیا سے متعارف کرانا تھا کیونکہ وہ برسوں سے چار دیواری میں محدود رہی تھیں اور ثریا واقعی سراسیمہ تھیں' دنیا کتنی بدل گئی تھی پھر شام ڈھل رہی تھی جب وہ دونوں شاپنگ مال سے نکلیں' صبا نے شاپنگ بیگز ڈرائیور کو تھما کر ثریا کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا کہ ایک دم جاذب اس کے اور ثریا کے درمیان آ گیا۔

''پھپو'' وہ اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہیں کرسکا۔''آپ کہاں چلی گئیں پھپو؟''

''بس بیٹا'' ثریا سی قدر کہہ سکی۔

''میں نے اتنے فون کیے' روز کال کرتا ہوں لیکن میرا فون کاٹ دیا جاتا ہے۔'' وہ اسے سنا رہا تھا۔ ثریا نے اسے دیکھا وہ غالباً راستے کا خیال کر کے خود پر ضبط کررہی تھی۔

''اچھا بیٹا...... '' ثریا اس ڈر سے کہ کہیں اس کا ضبط جواب نہ دے جائے فوراً گاڑی میں بیٹھ گئیں تو اس نے بیٹھتے ہی ڈرائیور کو چلنے کا کہہ دیا۔ اپنے تئیں وہ جاذب کو پیچھے چھوڑ آئی تھی لیکن اپارٹمنٹ میں داخل ہوئی تو وہ ثریا کے پیچھے اندر گھسا چلا آیا۔ ایسی دیدہ دلیری وہ راحیلہ خاتون کے سامنے دکھاتا تب تو بات بھی تھی۔ اب وہ بری طرح سلگ گئی۔ محض ثریا کی خاطر اسے نکل جانے کو نہیں کہا اور پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہوگئی تھی۔

''بیٹھو بیٹا۔'' ثریا نے کہا تو وہ جو اس کو دیکھ رہا تھا' چونک کر بیٹھ گیا۔

''میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔'' ثریا جانے لگیں کہ جاذب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں پھپو' آپ میرے پاس بیٹھیں۔''

''گھر میں سب ٹھیک ہیں۔ بھیا بھابی؟'' ثریا نے بیٹھ کر پوچھا تو وہ جز بز ہو کر بولا۔

''کیوں پوچھ رہی ہیں آپ ان کا۔ امی ابو نے آپ کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔''

''چھوڑو بیٹا ان باتوں کو' مجھے کوئی ملال نہیں۔''

''مجھے تو ہے۔'' وہ فوراً بولا۔''میرا دل نہیں لگتا آپ کے بغیر۔ اپنا گھر اجنبی لگنے لگا ہے۔ آپ واپس آجائیں پھپو۔''

''نہیں بیٹا' اب یہ ممکن نہیں...... صبا نے واپسی کے راستے بند کردیئے ہیں۔ وہ شادی کر کے اپنے گھر چلی جائے گی تب بھی مجھے تمہارے ہاں نہیں جانے دے گی۔'' ثریا نے منع کرتے ہوئے کہا۔

''صبا کی شادی۔'' وہ ٹھٹکا۔

''ہاں میں اس کی شادی کررہی ہوں اگلے ہفتے۔'' وہ شاکڈ ہو کر ثریا کو دیکھے گیا جو پوری تفصیل بیان کررہی تھیں۔



پہلے بھی وہ اسی گھر میں رہتی تھی کوئی روک ٹوک کوئی پابندی نہیں تھی اور نہ اس کے اندر کسی تشنگی کا احساس یا کوئی کسک تھی اور اب جبکہ وہ ہر شے کی بلاشرکت غیرے مالک بن گئی تھی تو بے پناہ تشنگی کا احساس ہونے لگا تھا گو کہ اب بھی اس کی روٹین وہی تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی لیکن خود اس میں وہ بات نہیں رہی تھی۔ پہلے وہ ہر کام شوق اور لگن سے کیا کرتی تھی اور اب جیسے فرض نبھانا ہو وہ بھی ناگواری کے ساتھ۔ طبیعت میں بیزاری جو اس کے چہرے اور لہجے سے بھی چھلکنے لگی تھی۔

''محسن دوا لے لیں۔'' یہ بات کہتے ہوئے اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ جاتیں اور جب وہ دوا کی بجائے اس کا ہاتھ تھام لیتا تو وہ چڑ جاتی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ مجھے اور بھی کام کرنے ہیں۔'' پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر چلی جاتی اور محسن اسے محبت کا انداز سمجھتا۔

سارا دن تو ادھر ادھر کے کاموں میں الجھی رہتی' رات میں بھی جان بوجھ کر اپنے آپ کو کچن میں دیر تک مصروف رکھتی۔ وہ چاہتی تھی جب کمرے میں جائے تو محسن سو چکا ہو اور اکثر اس کا انتظار کرتے کرتے وہ سو چکا ہوتا اور کبھی نیند کو شکست دے کر اس کے انتظار میں بیٹھا رہتا۔ اس وقت بھی وہ اپنے طور پر اس کے سو جانے کا یقین کر کے کمرے میں آئی تھی لیکن وہ دروازے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھا تو ہلکے سے مسکرایا۔ کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ اس کے برعکس جب وہ اپنی جگہ آ کر بیٹھی تو کہنے لگا۔

''امی سے کہو کسی اور ملازمہ کا انتظام کردیں بلکہ میں خود ہی کہوں گا۔''

''نہیں' آپ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے۔'' اس نے فوراً منع کیا۔''گھر کا کام کوئی اتنا زیادہ نہیں ہوتا۔''

''پھر بھی تم سارا وقت مصروف تو رہتی ہو۔ میرے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی بھی تمہیں فرصت نہیں ہوتی۔'' کسی بھی طرح سہی شکوہ لبوں پر آ ہی گیا تھا۔

''آپ کے پاس ہی تو بیٹھی ہوں۔'' وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر مسکرائی تھی۔

''ہاں اس وقت جب میں تمہاری راہ تکتے تکتے تھک گیا ہوں۔ میرے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ میری آنکھیں دیکھو نیند سے

بند ہوئی جا رہی ہیں تمہیں ڈھنگ سے دیکھ بھی نہیں پا رہا۔''
''کیا کریں گے مجھے دیکھ کر جیسی تھی ویسی ہی ہوں' کوئی نئی بات نہیں۔''
''نشاء......!'' محسن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''تمہیں دیکھ کر تو میں جی اٹھتا ہوں۔ تم نے یہ کیسے کہہ دیا کہ تم میں کوئی نئی بات نہیں۔ اپنے آپ کو میری نظر سے دیکھو۔''
''اچھا کبھی فرصت ملی تو دیکھوں گی۔ اب پلیز آپ سو جائیں ورنہ آپ کی طبیعت......'' وہ اکتا کر بول رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا۔
''اوں ہوں۔ ہمیشہ یہ کہہ کر بات ختم کرنے کی کوشش مت کیا کرو کہ میری طبیعت خراب ہو جائے گی۔ ذرا سی باتیں کر لینے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ تمہارے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تو میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرتا ہوں۔ کیا تمہیں میری باتیں یا میرا بولنا اچھا نہیں لگتا۔'' آخر میں اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تو وہ سنبھل کر بولی۔
''ایسی بات نہیں ہے محسن' میں تو صرف اس خیال سے کہتی ہوں کہ زیادہ بولنے سے آپ تھک جاتے ہیں۔ آپ کی سانس......''
''پھر تم ہی کچھ بولا کرو' خاموشی سے مجھے وحشت ہونے لگتی ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔
''اچھا کل سے میں بولوں گی۔''
''ابھی کیوں نہیں۔''
''ابھی مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ اپنے پیچھے تکیہ سیدھا کر کے لیٹ گئی۔
''چلو تم سو جاؤ' ویسے بھی بہت تھک گئی ہو۔''
''اور آپ؟''
''میں ابھی نہیں سوؤں گا۔ احسن بھائی نے آج فون کرنے کا کہا تھا۔ میں ان ہی کے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔'' محسن نے کہا تو اس نے ہونٹ بھینچ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی لیکن پھر رہ نہیں سکی۔
''اتنی رات ہو گئی ہے میرا خیال ہے وہ بھول گئے ہوں گے۔''
''رات تو یہاں ہے وہاں تو نہیں ہو گی۔ یقیناً کسی کام میں مصروف ہوں گے جیسے ہی فارغ ہوں گے ضرور فون کریں گے۔ کیونکہ وہ کوئی بات کہہ کر بھولتے نہیں ہیں۔''
''اچھا۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔ ''اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہیں آپ؟''
''وہ میرے بھائی ہیں' میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم بھی تو ان کی عادت سے واقف ہو۔'' وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی اور اچھا ہوا' اسی وقت موبائل کی ٹون بجنے لگی تھی۔ محسن نے فوراً موبائل فون اٹھایا اور اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن سماعتوں کے در کیسے بند کرتی' محسن بہت لاڈ سے بات کر رہا تھا اور بار بار انہیں جلدی واپس آنے کا کہہ رہا تھا۔ اسے الجھن ہونے لگی تو آنکھیں کھول دیں۔ پھر شاید لائن کٹ گئی تھی' محسن نے موبائل رکھ کر اسے دیکھا۔
''تمہیں نیند آ رہی تھی' ہم بھائیوں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولا تو اس نے آہستگی سے پلکیں موند لیں۔
''کبھی کبھی مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے کہ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کاش میں اس قابل ہو سکوں کہ اگر بڑی نہیں تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی تمہارے دامن میں ڈال سکوں۔'' وہ ذرا سی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر کئی رنگ ایک ساتھ اتر آئے تھے۔ اپنی بے بسی کا دکھ' حسرت' لاچاری اور جانے کیا کچھ...... اس کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ اگر اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی تو نفرت بھی نہیں تھی اور پھر اس کا دل اتنا سخت ہرگز نہیں تھا کہ کوئی مجبور و لاچار اس کے سامنے آزردہ ہو اور دل تڑپے نا اور محسن کوئی نہیں اس کا شوہر تھا اس نے تڑپ کر اپنے بالوں میں حرکت کرتا اس کا ہاتھ تھام لیا اور ہونٹوں سے لگا کر بولی۔
''میرے لیے سب سے بڑی خوشی یہ ہے کہ مجھے آپ کا ساتھ میسر ہے' اس سے زیادہ کی مجھے آرزو نہیں۔''
''پھر بھی نشاء میرا دل چاہتا ہے۔''
''کہ آپ ہر وہ کام کریں جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تو اپنی بات یاد کر کے وہ ہنس پڑا۔



اس کا بلاوجہ خود کو غیر ضروری کاموں میں مصروف رکھنا اور محسن سے کترانا ساجدہ بیگم کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھا۔ پھر بھی فوراً انہوں نے اسے نہیں ٹوکا بلکہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا کہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گی لیکن جب کافی دن گزر گئے اس کے رویے میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی تب اسے پاس بٹھا کر کہنے لگیں۔

''بیٹا اگر تمہیں ہم سے کوئی شکایت ہے تو مجھ سے کہو۔''

''کیا کہوں؟'' وہ الٹا انہی سے پوچھنے لگی۔

''جو بھی شکایت ہے۔''

''کوئی شکایت نہیں۔'' وہ بیزار لہجے میں اکتا کر بولی جیسے بات کو یہیں ختم کر دینا چاہتی ہو اور اٹھ کر جانا بھی چاہتی تھی کہ ساجدہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''پھر تمہیں کیا ہوا ہے؟ چلو ہماری بات چھوڑو خود اپنی حالت دیکھی ہے تم نے۔ تین دن سے یہی کپڑے پہنے ہوئے ہو۔ بالوں میں کنگھی تک نہیں کی' آخر کیوں؟''

''کس کے لیے کروں یہ سب؟'' وہ اچانک سارے لحاظ بھول گئی۔

''اپنے لیے کرو' ماشاء اللہ شادی شدہ ہو' تمہارا شوہر ہے۔''

''اچھا'' وہ استہزائیہ ہنسی۔ ''تائی امی جب میرا شوہر اپنی بیماریوں سے نکل کر خود اپنے ہاتھوں چار پیسے کما کر میرے لیے کچھ کرے گا تب میں بھی اس کے لیے ہار سنگھار ضرور کروں گی۔''

''نشاء'' ساجدہ بیگم یک دم سناٹے میں آ گئیں۔

''میں نے کوئی غلط بات نہیں کی تائی امی۔'' وہ ذرا بھی اپنی بات پر نادم نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے تم نے غلط بات نہیں کی لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ محسن محنت مشقت کے قابل نہیں۔''

''جانتی ہوں لیکن آپ نے جانتے بوجھتے بھی انجان بن کر اس کے سر پر بیوی کا بوجھ لاد دیا۔'' وہ دوبدو سوال جواب کر رہی تھی۔

''بوجھ کیوں بیٹا' کیا تمہارے تایا ابو پورا نہیں کرتے۔'' ساجدہ بیگم حتی الامکان نرمی سے بات کر رہی تھیں شاید یہ ان کی مجبوری تھی۔

''کب تک' کب تک تائی امی ہر شخص کو ہمیشہ نہیں رہنا۔ کبھی آپ نے سوچا۔ تایا ابو کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟'' ساجدہ بیگم کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔

''خدا سے خیر مانگو بیٹی۔''

''خیر ہی مانگتی تھی اور دن رات جن کی خیر مانگتی تھی انہوں نے ہی......'' اس کا گلا رندھ گیا۔ آواز ساتھ چھوڑ گئی' آنکھیں جل تھل ہوئیں تو وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آتے ہی بیڈ پر اوندھے منہ گر کر سسکنے لگی۔ محسن نے دیکھا تو فوراً اس کے پاس چلا آیا۔

''کیا بات ہے نشاء ٹھیک تو ہو تم۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' وہ پھٹ پڑی۔ ''مجھے کیا ہونا ہے' تم میری فکر میں مزید دبلے مت ہو۔''

''نشاء......!'' وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔ آہستگی سے اس کا کندھا چھو کر پکارا۔

''مت چھیڑو مجھے۔ میں کچھ نہیں سنوں گی' کچھ نہیں کہوں گی' بس مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' وہ جھٹکے سے اٹھی اور اسے دھکیل کر کونے میں رکھی کرسی پر جا بیٹھی تو وہ اس کے لہجے اور انداز پر الجھتا ہوا اپنی جگہ پر لیٹ گیا کیونکہ اب اس میں کھڑے رہنے کی سکت نہیں رہی تھی۔ دو تین بار بے چینی سے کروٹ بدلی پھر اوندھا ہو گیا۔ اس کے سینے میں سانس اٹک رہی تھی جس کی وجہ سے اس کے منہ سے مخصوص آواز نکلنے لگی۔ پھر وہ اٹھ بیٹھا اور دونوں بازو گھٹنوں پر رکھ کر ان پر پیشانی ٹیک لی۔

وہ بہت خاموشی سے اس کی بگڑتی حالت دیکھ رہی تھی اور اس کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ہمیشہ تو ایسے وقت میں وہ اس کے لیے ایک پیر پر کھڑی رہتی تھی' کبھی پیٹھ سہلاتی' کبھی پانی کا گلاس اس کے ہونٹوں سے لگاتی' کبھی دوا اور کبھی چائے کا پوچھتی لیکن اس وقت وہ سنگ دلی کی انتہا کر گئی۔

اصل میں وہ بھول گئی تھی کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ یہ بھی بھول گئی کہ کبھی احسن نے اس کا خیال رکھنے کا کہا ہی نہیں وعدہ بھی لیا تھا۔ بس اتنا یاد رہا کہ اس کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور ظلم کرنے والا کوئی ایک نہیں سب ہیں اور سب اس کے اپنے۔



اس نے اپنی کلائیوں میں پڑی درجن بھر سونے کی چوڑیوں کو دیکھا پھر ذرا سا سر اونچا کر کے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر شے نہایت قیمتی اور خوب صورت تھی اور سچ تو یہ ہے کہ خود اس نے بھی کبھی تصور نہیں کیا تھا لمحہ بھر کو یوں لگا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہو لیکن پھر خود ہی ہنس پڑی عجیب سی ہنسی...... کہ یہ خواب نہیں شاید اس کے خوابوں کی قیمت تھی۔ اس کے دل میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''سوری ہنی میں ذرا لیٹ ہو گیا۔'' خان جنید تیز قدموں سے اندر داخل ہوئے اور آتے ہی یوں بولے جیسے کسی میٹنگ میں پہنچنے میں دیر ہو گئی ہو۔

''کم آن ڈیئر' تم ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہو' جاؤ چینج کر کے آؤ۔'' ان کے لہجے میں بے زاری محسوس کر کے وہ انہیں دیکھنے لگی۔ یہ صحیح ہے ان کی صحت قابل رشک تھی اور پیسے کی فراوانی نے چہرے پر گزرتے ماہ وسال کی لکیریں بھی نہیں کھینچی تھیں لیکن جذبات میں وہ لہریں نہیں تھیں جو ان چھوئی کلی کو دیکھ کر سرکشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ایسا دریا جو سارے طوفانوں سے گزر کر اب اس مقام پر ٹھہر گیا تھا' پرسکون ہو گیا تھا یا پھر بوڑھا اور کمزور کہ طوفانوں سے لڑنے کا حوصلہ تو تھا لیکن وہ جوش نہیں جو ایام جوانی میں اکساتا ہے۔

''لیزی گرل' اس طرح کیا دیکھ رہی ہو۔'' اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکی۔ سر جھٹک کر بیڈ سے اتری اور سیدھی ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ ذہن اچانک یوں ماؤف ہو گیا تھا کہ وہ کچھ سوچ ہی نہ سکی تھی۔

(جاری ہے)



# ترے عشق نچایا ...... نگہت عبداللہ

## ﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

ساجدہ بیگم اور جلال احمد محسن کی منگنی نشاء سے کر دیتے ہیں جبکہ نشاء اس نئے رشتے میں بندھ کر بھی اس حقیقت سے بے خبر رہتی ہے۔ دوسری طرف احسن کو اس بات سے آگاہ کرتے محسن کی بے انتہا خوشی کا بتا کر وہ اسے بھی رضامند کر لیتے ہیں۔ احسن اپنے بھائی کو خوشیوں بھری زندگی کی جانب لانے کے لیے اپنی محبت سے دستبردار ہو جاتا ہے جبکہ نشاء کا خیال اسے بے چین کیے دیتا ہے جب ہی لبنیٰ بیگم کی زبانی نشاء کے سامنے اصل حقیقت آتی ہے کہ وہ اپنے دل کی بھڑاس احسن پر نکال کر اسے موردالزام ٹھہراتی ہے جبکہ احسن اسے اپنی محبت کی خاطر محسن کا ہاتھ تھام لینے کا کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری طرف محسن یہی سمجھتا ہے کہ نشاء اس رشتے سے خوش ہے اسے دونوں کی محبت کے متعلق کچھ خبر نہیں، نشاء لبنیٰ بیگم سے ثریا کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی خاطر اس اجنبی خاتون کا نمبر مانگتی ہے اور اس کی زبانی نشاء کو اپنی بہن صبا اور اپنے والدین کی علیحدگی کے متعلق پتا چلتا ہے۔ راحیلہ خاتون کسی طور بھی صبا کو برداشت کرنے پر تیار نہیں جب ہی صبا ان کے سامنے جاذب اور اپنی محبت کا صاف اقرار کر کے انہیں مشتعل کر دیتی ہے۔ ایسے میں جاذب بالکل خاموش رہ کر اسے بالکل تنہا کر دیتا ہے جب ہی اسے جاذب سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور جلد ہی وہ اس محبت اور گھر کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ خان جنید کے پروپوزل پر غور کرتے وہ ان سے مدد طلب کرتی ہے اور فوری طور پر اس کی رہائش کا بندوبست ہو جاتا ہے۔ ایسے میں ثریا کو لے کر وہ اس نئے گھر میں آ جاتی ہے جبکہ ثریا تمام حقائق جان کر بے حد رنجیدہ ہوتی ہے۔ شادی کی اولین رات ہی محسن کی طبیعت بگڑ جاتی ہے ایسے میں جلال احمد اسے اسپتال لے جاتے ہیں اور نشاء کے دل میں ہمدردی اور محبت کے جذبات یکسر محسن کے لیے بدل جاتے ہیں۔ وہ اس شخص سے متنفر ہونے لگتی ہے دوسری طرف مریم کی دوستی ریان سے ہو جاتی ہے۔ خان جنید سے شادی کے بعد صبا کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

## ﴿اب آگے پڑھیے﴾



صبح ڈائننگ روم میں موجود چند افراد کا تعارف خان جنید نے یوں کروایا۔

''یہ ہمارا سب سے بڑا بیٹا ہے خان جمشید' آج کل یہ اسلام آباد میں ہوتا ہے اپنے بیوی بچوں سمیت۔'' اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر سامنے بیٹھے خان جمشید کو دیکھا اور اس کی نظروں میں اپنے لیے ناگواری محسوس کر کے فوراً دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

''جمشید کے بعد یہ فریحہ ہے' ہماری اکلوتی بیٹی' یہ یہیں کراچی میں ہوتی ہے۔ اس کا میاں بہت کامیاب بزنس مین ہے۔'' اس نے دیکھا فریحہ تفخر کے احساس میں گھری اس سے لاتعلق نظر آنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

''اور یہ آصف جاہ گزشتہ ماہ ایم بی اے کر کے امریکہ سے لوٹا ہے اور اب میرے بزنس کو پھیلانے میں کوشاں ہے۔''

''ہیلو......'' بڑے دونوں کے برعکس آصف جاہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''اور بنٹی اپنے کمرے میں ہے تم ناشتے کے بعد اس سے مل لینا۔'' انہوں نے ظاہر نہیں کیا کہ وہ بنٹی سے پہلے بھی مل چکی ہے پھر دونوں ہاتھوں کو ایک خاص انداز سے اٹھا کر تعارف مکمل ہونے کا اشارا دیا اور ان سب کو مخاطب کر کے بولے تھے۔

''اور بچوں' یہ تمہاری ممی ہیں۔''

''ممی......'' فریحہ ہنسی تھی۔ ''فار گاڈ سیک ڈیڈی اتنی سی لڑکی کو آپ ہماری ممی تو نہ کہیں اور سوری ڈیڈی یہ بیٹھے بٹھائے آپ کو شادی کی کیا سوجھی' یہ کوئی عمر ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا' میں بوڑھا ہو گیا ہوں کیا؟'' خان جنید نے سختی سے ٹوکا تو خان جمشید فریحہ کا ساتھ دیتے ہوئے بولا۔

''بوڑھے تو نہیں ہوئے لیکن جوان بچوں کے باپ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نانا اور دادا بھی ہیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

''آپ کو فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے لیے خاصی مشکل کھڑی کر دی ہے آپ نے۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

''آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ آپ کے اس اقدام سے ہماری گھریلو زندگی کتنی ڈسٹرب ہوگی۔''
''اور کیا......'' فریحہ بول پڑی۔ ''میرے سسرال میں جب سب کو معلوم ہوگا تو میری پوزیشن کتنی خراب ہوگی۔''
''اپنی پوزیشن کا کتنا خیال تھا انہیں اور جو اس وقت اس کی پوزیشن آکورڈ ہو رہی تھی اس کا خیال کسی کو نہیں آیا کہ وہ ایک رات کی دلہن' ان باتوں سے اپنے آپ میں چور سی بن رہی تھی جیسے سارا قصور اس کا ہو۔''
''سارہ کو نہیں جانتے آپ۔'' خان جمشید کہنے لگا۔ ''اسے تو ایک موضوع مل جائے گا۔ بچوں کا خیال کیے بغیر میرا ریکارڈ لگائے گی۔''
''بس......'' خان جنید میز پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے۔ ''بند کرو اپنی اپنی بکواس۔ مجھے اس گھر کے لیے عورت کی ضرورت تھی سو میں لے آیا اور مجھے بنٹی کا خیال تھا' کس قدر تنہائی محسوس کرتا ہے وہ۔''
''تو آپ اس کے لیے گورنس کا انتظام کر سکتے تھے۔'' فریحہ روٹھے لہجے میں بولی۔
''یہ سب کر کے دیکھ چکا تھا۔ گورنس اس وقت ٹھیک رہتی جب میں یہاں ہوتا ہوں' اور جن دنوں میں باہر رہتا ہوں اسے من مانی کرنے کا موقع مل جاتا تھا اور تم جانتے ہو سال میں چار پانچ مہینے تو میرے باہر ہی گزرتے ہیں۔''
''آپ کیا سمجھتے ہیں بنٹی اسے قبول کر لے گا۔'' فریحہ کا اس کی طرف اشارہ اور لہجہ انتہائی ہتک آمیز تھا اور مزید برداشت کی شاید اس میں طاقت نہیں تھی۔ بہت خاموشی سے چیئر دھکیل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خان جنید کو اگر اپنی اولادوں کا خیال نہ ہوتا تو یقیناً اسے روکتے ٹھیک سے ناشتہ کرنے کو کہتے لیکن اس وقت وہ بس اسے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔
وہ اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تو اس کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر خان جنید نے بھی نہیں بتایا تھا کہ ان کی جوان اولادیں اس شادی پر رضامند نہیں تھیں۔ وہ بمشکل خود کو نئی زندگی سے سمجھوتا کرنے پر آمادہ کر سکی تھی اس صورت حال نے تو اسے مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا۔ خان جنید بہت عجلت میں کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ غالباً فوراً کہیں جانے کا ارادہ تھا لیکن اسے یوں چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے اس کے پاس رکے۔
''کم آن صبا' تمہیں ان باتوں کو محسوس نہیں کرنا چاہیے اور پھر انہیں کون سا یہاں رہنا ہے' ابھی فریحہ اپنے گھر چلی جائے گی اور جمشید غالباً شام کی فلائیٹ سے جائے گا۔'' انہوں نے آصف جاہ کا نہیں بتایا کہ وہ کب کہاں جائے گا۔
''بنٹی کہاں ہے جس کے لیے آپ مجھے یہاں لائے ہیں۔'' ان کی بات نظر انداز کر کے وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔
''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ میں تمہیں اپنے لیے لایا ہوں۔ مجھے بیوی کی ضرورت تھی اس لیے شادی کی ہے تم سے۔'' وہ جھنجلائے۔
''اور بنٹی......''
''بچوں کے سامنے کیا کہتا' مصلحتاً بنٹی کا سہارا لیا۔'' پھر جاتے جاتے کہنے لگے۔
''اور سنو' میں بہت مصروف آدمی ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ گھر میں جو تھوڑا بہت وقت گزاروں آرام اور سکون سے رہوں۔ تم سمجھ دار لڑکی ہو اس بات کا خیال رکھنا کہ گھر میں کوئی جھگڑا' کشیدگی یا ٹینشن برداشت نہیں کروں گا۔'' اس نے بہت خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور پھر کتنی دیر تک یونہی بیٹھی رہی تھی۔



وہ بنٹی کے کمرے میں داخل ہو کر رکی۔ بنٹی گھر کے پرانے ملازم بابا پر بگڑ رہا تھا جو اسے ناشتا کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ چند لمحوں میں صورت حال سمجھ کر آگے بڑھی۔
''بنٹی......تم ناشتا کیوں نہیں کر رہے؟''
''میری مرضی۔'' بنٹی اکھڑے لہجے میں بولا۔
''اچھی بات ہے۔'' وہ کہہ کر بابا سے مخاطب ہوئی۔ ''آپ جائیں بابا جب بنٹی کا دل چاہے گا ناشتہ کر لے گا۔''
''ارے......'' بنٹی خوش ہوا۔ ''آپ نے تو بڑی جلدی میری بات سمجھ لی۔''
''اس میں نہ سمجھنے والی کون سی بات تھی۔'' اس نے کہا تو بنٹی زور دے کر بولا۔

''یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ آخر میری سیدھی سادی باتیں لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔ اب دیکھیے میرا ناشتا کرنے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن بابا بضد تھے کہ میں ناشتا کرلوں‘ کیونکہ ڈیڈی کا حکم ہے اور ابھی کچھ دیر میں ڈیڈی فون کر کے بابا سے پوچھیں گے کہ میں نے ناشتا کیا یا نہیں۔''

''اب نہیں پوچھیں گے کیونکہ اب میں آ گئی ہوں۔'' وہ اس کی پوری بات سن کر بولی تب ہی آصف جاہ آ گیا اور ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر غالباً پہلے ٹھٹکا پھر آ گے آتے ہوئے بنٹی سے پوچھنے لگا۔

''بنٹی تمہارا تعارف ہو گیا ان سے؟''

''آپ جانتے ہیں انہیں؟'' بنٹی نے الٹا اس سے پوچھا۔

''ہاں بھئی یہ انکل کی مسز ہیں۔'' آصف جاہ نے کہا تو اس کے انکل کہنے پر صبا کن اکھیوں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''بالکل ٹھیک۔ بہت اچھا کیا ڈیڈی نے ان سے شادی کر کے۔'' بنٹی پرجوش ہوا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ انکل نے اچھا کیا لیکن جمشید بھائی اور فریحہ......'' آصف جاہ برا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

''کیوں ان دونوں کو کیا تکلیف ہے۔'' بنٹی کا لہجہ بڑے بھائی اور بہن کے لیے خفگی لیے ہوئے تھا۔

''ان دونوں کا کہنا ہے کہ سسرال والے ان کا مذاق اڑائیں گے اور پتا ہے ناشتے کی ٹیبل پر دونوں نے ان کے سامنے انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔ سچ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔'' پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ ''پلیز آپ خیال مت کیجیے گا۔'' وہ کیا کہتی خاموش ہی رہی اسی وقت بابا پھر ناشتے کا پوچھنے آ گئے تو آصف جاہ تعجب سے بولا۔

''کیا مطلب تم نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا؟''

''دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''چلو اب کرلو‘ بلکہ انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کرلو کیونکہ یہ بغیر ناشتا کیے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔'' آصف جاہ نے کہتے ہوئے اس پر نظر ڈالی۔

''پہلے ایک بات طے کرلیں کہ ہم انہیں کیا کہہ کر مخاطب کریں گے۔'' بنٹی نے کہا تو آصف جاہ بے ساختہ مسکرایا۔

''یہ واقعی سوچنے کی بات ہے۔ او کے میں آفس جا رہا ہوں‘ تم ان کے ساتھ مل کر طے کرلینا۔'' آصف جاہ غالباً دامن بچا کر بھاگا تھا۔

''آپ بتائیں خود کو کیا کہلوانا پسند کریں گی۔'' بنٹی اس سے مخاطب ہوا تو وہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی اسی کھوئے انداز میں بولی۔

''جو بھی نام دو بس اتنا خیال رکھنا کہ میری عزت نفس مجروح نہ ہو۔'' پھر اس نے بنٹی کے ساتھ ناشتہ کیا اس کے بعد پہلے کی طرح اس کی اسٹڈی اور پھر ہابیز میں اس کے ساتھ شریک ہو گئی تھی۔

●❤●......●❤●......●❤●

راحیلہ خاتون ثریا اور صبا کو گھر سے نکال کر اطمینان سے تو ہو گئی تھیں لیکن انہیں جاذب کی فکر تھی‘ کیونکہ جانتی وہ بھی تھیں کہ معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ جاذب بھی صبا کے لیے دیوانہ ہو رہا تھا اور ان کے رعب کے باعث برملا اظہار نہیں کر سکتا تھا لیکن کب تک‘ انہیں یہی خدشہ تھا کہ کسی دن وہ ان کے مقابل نہ کھڑا ہو جائے‘ اور اسی خدشے کے باعث وہ صبا کو نکالنے کے پلان کرتی تھیں اور آخر کار کامیاب بھی ہو گئیں تو اس کے بعد جاذب کی فکر کہ کہیں وہ صبا کے غم کو روگ نہ بنا لے اور اگر اس نے روگ بنایا بھی تھا تو ظاہر نہیں کر رہا تھا‘ بس چپ چپ رہتا تھا۔ راحیلہ خاتون نے بھی سوچا کہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا‘ لیکن دو دنوں سے وہ بے حد متوحش پھر رہا تھا۔ جس سے راحیلہ خاتون ٹھٹکی اور انہیں پہلا خیال یہی آیا کہ ضرور وہ پھر ثریا اور صبا کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔ اس وقت وہ نگار سے یہی بات کر رہی تھیں کہ جاذب کے آنے پر فوراً پینترا بدل کر اسے مخاطب کر کے کہنے لگیں۔

''اچھی گئیں تمہاری پھپھو کہ کوئی اتا پتا ہی نہیں دیا۔''

''آپ کیا کریں گی اتا پتا معلوم کر کے۔'' وہ دل گرفتگی سے بولا۔

''مجھے کیا کرنا ہے‘ بس فکر لگی ہے کہ پتا نہیں کہاں گئیں۔ سر چھپانے کو ٹھکانا ملا کہ نہیں۔'' انہوں نے بظاہر ہمدردی جتائی تو وہ تلخی سے ذرا سا ہنسا پھر کہنے لگا۔

''آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے امی! انہیں بہت اچھا ٹھکانا مل گیا ہے۔''
''تمہیں کیسے پتا' تم نے دیکھا ہے۔'' راحیلہ خاتون نے اپنے اندر اٹھتے ابال کو بمشکل دبایا۔
''جی کچھ دن پہلے کلفٹن کے شاپنگ مال پر پھپو سے ملاقات ہوئی تھی۔ صبا کی شادی کی شاپنگ کر رہی تھیں۔'' اس نے بتایا تو نگار اچھل پڑی۔
''کیا...... صبا کی شادی کب ہے؟''
''اب تو ہو بھی گئی ہوگی۔'' وہ اپنا درد چھپا رہا تھا اور راحیلہ خاتون کے اندر نیا درد جاگ اٹھا تھا۔
''ہائیں بلانا تو دور کی بات بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا تمہاری پھپو نے' ارے کم از کم اپنے بھائی سے تو مشورہ کر لیتی۔ کہاں کی اس کی شادی؟'' اصل بات آخر میں پوچھی۔
''بہت اونچی میرا مطلب ہے اچھی جگہ' اس کے شوہر نے سی ویو پر اپارٹمنٹ صبا کے نام کیا ہے وہیں پھپو رہتی ہیں۔'' وہ اپنے کسی خیال میں کھو کر راحیلہ خاتون کو ایسی معلومات فراہم کر رہا تھا جس سے ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے تھے۔ ایسے خواب تو وہ نگار کے لیے دیکھتی تھیں اور نگار کی الگ رال ٹپک رہی تھی۔
جاذب خاموش ہوا تو راحیلہ خاتون کا سازشی ذہن فوراً متحرک ہو گیا اور پھر سارے منفی جذبات چھپا کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگیں۔
''یہ تو بہت اچھی بات ہے' بیٹی کے فرض سے سبک دوش ہو گئی ثریا۔ چلو اس نے ہمیں نہیں پوچھا' ہم تو مبارک باد دے آئیں۔ جاؤ نگار اپنے ابو سے کہو تیار ہو جائیں۔''
''میں بھی چلوں گی۔'' نگار نے اٹھتے ہوئے کہا۔
''ہاں ہاں سب چلتے ہیں۔''
''آپ لوگ ہو آئیں۔'' جاذب نے گویا جانے سے انکار کیا اور انہیں ایڈریس سمجھا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اسے اپنی ماں کی سمجھ نہیں آ رہی تھی اور سمجھے تو سلیم احمد بھی نہیں تھے۔ پھر بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔ راستے سے مٹھائی' ہار پھول لے کر ثریا کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر حیران اور کچھ بوکھلا ہی گئی تھی۔
''ارے تم نے تو غیروں کو بھی مات دے دی۔ ایسی بھی کیا ناراضگی کہ بچی کی شادی میں پوچھا تک نہیں۔'' راحیلہ خاتون زبردستی ثریا کو گلے لگا کر یوں شکوہ کرنے لگیں جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔
''بس بھابی' وہ اتنی جلدی میں۔'' ثریا شرمندہ ہونے لگیں۔
''خیر بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ خوش رکھے صبا کو۔ مجھے تو ابھی جاذب نے بتایا تو میں رہ نہیں سکی' تمہارے بھیا سے کہا چلیں مبارک باد دے آئیں اور نگار تو تڑپ گئی بہن سے ملنے کو۔'' راحیلہ خاتون کی حد درجہ لگاوٹ ثریا کو مزید بوکھلائے دے رہی تھی۔
''ارے بھابی آپ بیٹھیں تو بھیا کو بیٹھنے دیں۔ بیٹھیں بھیا میں چائے لاتی ہوں۔''
''چائے بھی پی لیں گے تم بیٹھو ہمارے پاس۔'' راحیلہ خاتون نے بیٹھتے ہوئے ثریا کو کھینچ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا پھر پوچھنے لگیں۔
''کہاں کی صبا کی شادی؟''
''بس بھابی جہاں نصیب لکھا تھا وہیں ہو گئی۔'' ثریا گول مول جواب دے کر نگار سے مخاطب ہو گئیں۔ ''تم کیسی ہو بیٹا؟''
''میں ٹھیک ہوں پھپو' آپ کا گھر بہت پیارا ہے۔ میں وہاں ٹیرس پر جا کر دیکھ لوں۔'' نگار سارے گھر دیکھنے کو مچل رہی تھی۔
''ضرور بیٹا' اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟'' ثریا نے کہا تو نگار فوراً اٹھ کر چلی گئی اور دل تو راحیلہ بیگم کا بھی مچل رہا تھا لیکن انہیں جبر کرنا پڑا البتہ اپنی نظروں کو نہیں روک سکیں جو باتوں کے دوران مسلسل ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ پھر واپسی میں تو وہ جو منہ میں آیا بولتی گئیں۔
''دیکھ لیا سلیم احمد اپنی میسنی بہن اور بھانجی کو' کتنا اونچا ہاتھ مارا ہے۔ ارے ایسے ہی نہیں رشتے مل جاتے ضرور پہلے سے چکر ہوگا۔ اندر ہی اندر دونوں ماں بیٹی کھچڑی پکاتی تھیں' کسی کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔'' سلیم احمد خاموشی سے سنتے رہے تھے۔
●♥●......●♥●......●♥●

ساجدہ بیگم نے اس سے نرمی سے بات کی تھی اور نرمی ہی سے سمجھانا چاہا تھا لیکن وہ الٹا ان کے گلے پڑ گئی تھی پھر شاید انہوں نے ہی جلال احمد سے کہا ہوگا کہ اس رات انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلا بھیجا۔ ان کا انداز ساجدہ بیگم سے یکسر مختلف تھا۔ انہوں نے سمجھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ تحکمانہ لہجے میں کہنے لگے۔

''میں بہت دنوں سے نوٹس کر رہا ہوں نشاء' یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے تم نے' یہ گھر اور ہم سب تمہارے لیے نئے یا اجنبی نہیں ہیں۔ شروع سے تم یہیں رہی ہو' یہیں پلی بڑھی پروان چڑھی ہو۔ پھر اب تمہیں اس گھر سے کیا شکایتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ تم کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتیں' اور اپنا حلیہ دیکھا ہے تم نے' کوئی کہہ سکتا ہے کہ تم اس گھر کی نہ صرف بیٹی بلکہ بہو اور سیاہ و سفید کی مالک ہو' پھر کس بات کا شکوہ ہے تمہیں؟'' نشاء نے ہونٹ بھینچ کر سر جھکایا تو قدرے رک کر کہنے لگے۔

''کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ تمہاری ان حرکتوں سے محسن کی صحت پر کیسا اثر پڑ رہا ہے؟ ہمارا نہیں تو اس کا خیال کرو۔ آخر پہلے بھی تو تمہیں اس کا خیال رہتا تھا اور اب جبکہ وہ تمہارا شوہر ہے تو تم اپنے ناروا سلوک سے اسے اذیت پہنچا رہی ہو۔ حالانکہ اب تمہیں اس کا پہلے سے زیادہ خیال رکھنا چاہیے اور تم ہو کہ نہ وقت پر کھانا نہ دوا' رات رات بھر کھانستا رہتا ہے وہ۔'' وہ کن اکھیوں سے ساجدہ بیگم کو دیکھنے لگی جو سر جھکائے خاموش بیٹھی تھیں۔

''تم اگر یہاں نہیں رہنا چاہتیں تو صاف کہو میں تمہارے باپ سے کہتا ہوں......''

''بس کریں......'' ساجدہ بیگم نے ٹوک دیا پھر اس سے بولیں۔ ''تم اپنے کمرے میں جاؤ نشاء۔''

''جانے سے پہلے سن لو کہ آئندہ میں تمہارا نامناسب رویہ اور محسن کی طرف سے غفلت برداشت نہیں کروں گا سمجھیں۔''

اس کی آنکھیں دھندلا گئیں' بمشکل اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی برآمدے تک آئی اور پھر وہیں ٹھنڈے فرش پر ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ابتدائی دسمبر کی خنک رات تھی اور اس کے اندر ایسی آگ لگی ہوئی تھی کہ تن من سلگ رہا تھا۔ ذہن الگ ماؤف ہو گیا تھا۔ کتنی دیر گزر گئی' وہ کوئی بات نہ سوچ سکی۔ اسے یہ بھی خیال نہیں رہا کہ محسن اس کا انتظار کر رہا ہوگا بس خالی خالی نظروں سے لان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نظریں دوڑاتی رہی پھر تھک کر پیشانی گھٹنوں پر رکھ لی تو اندر کا سارا لاوا آنکھوں کے رستے بہہ نکلا۔

پتہ نہیں ابتدا کہاں سے ہوئی' امی کے جانے کے بعد سے یا اس سے بھی پہلے۔ وہ سوچنے لگی تھی کہ کندھے پر محسن کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے اس نے گھٹنوں سے سر اٹھایا لیکن نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ بہتے آنسوؤں پر بند باندھنے کی کوشش کی۔

''یہاں کیوں بیٹھی ہو نشاء؟'' وہ اس کی پشت پر کھڑا قدرے آگے جھک کر پوچھ رہا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا تو قدم بڑھا کر اس کے سامنے آ گیا اور جب اس کے آنسوؤں سے تر چہرے پر نظر پڑی تو ایک دم پریشان ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہوئے بولا۔

''تم رو رہی ہو کیا ہوا ہے تمہیں؟'' وہ کچھ نہیں بولی' نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

''مجھ سے خفا ہو۔ امی ابو نے کچھ کہا ہے؟'' ہنوز خاموشی۔

''اچھا اندر تو چلو۔ یہاں سردی بڑھ رہی ہے۔'' اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔

''ٹھیک ہے' میں بھی یہیں بیٹھ جاتا ہوں۔'' وہ اس کے برابر ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ تب بھی اس نے حرکت نہیں کی نہ ہی اسے یہاں بیٹھنے سے منع کیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ سرد موسم میں ذرا سی بے احتیاطی اس کے لیے کتنی نقصان دہ ہوتی ہے اور اس نے کوئی گرم کپڑا نہیں پہنا ہوا تھا۔

''مجھے نہیں بتاؤ گی۔'' وہ محبت سے بولا۔ ''میں تمہارا شوہر ہوں۔ تمہارے دکھ سکھ کا ساتھی۔''

''تم میرے شوہر ضرور ہو لیکن میرے دکھ سکھ کے ساتھی ہرگز نہیں ہو۔'' وہ سنگ دلی سے کہتے ہوئے اٹھی اور اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی گئی۔

کچھ دیر بعد محسن اس کے پیچھے آیا تو وہ شیلف کے پاس کھڑی پتا نہیں کس چیز کی تلاش میں چیزوں کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے کھڑا خود ہی اس کے بگڑے موڈ کے بارے میں قیاس کرتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

''چائے پیو گی؟''

''نہیں' میرا اس وقت چائے بنانے کا بالکل موڈ نہیں ہے۔''

''میں بنالاتا ہوں۔''

''پھر بھی نہیں۔'' وہ سختی سے کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

ساجدہ بیگم کچن کی طرف جارہی تھیں، وہ یونہی بلاارادہ ان کے پیچھے چل پڑی اور جب انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے، اپنی وہاں موجودگی کا کیا جواز پیش کرے، کیتلی پر نظر پڑی تو جلدی سے اس میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دیا۔

''تم نے سوئیٹر نہیں پہنا، جاؤ تم اپنے کمرے میں چائے میں بنا دیتی ہوں۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ روٹھے لہجے میں بولی۔

''نہیں، میں بنالوں گی۔''

''بیٹا! اپنے تایا ابو کی باتوں کا برا مت ماننا، کبھی کبھی یونہی غصے میں آجاتے ہیں۔ ورنہ تم جانتی ہو وہ تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے اس کی خفگی محسوس کر کے کہا پھر اس کی پیشانی پر لکیریں ابھرتی دیکھ کر بات بدل گئیں۔

''مونی نے تمہیں بتایا احسن آرہا ہے۔'' اور ہمیشہ کی طرح اس خبر پر نہ اس کا دل دھڑکا، نہ آنکھیں چمکیں، اور نہ ہی بے اختیار ہو کر اس نے ''کب'' کہا بہت خاموشی سے سنا اور قدرے رخ موڑ کر جلدی سے دو مگوں میں چائے ڈال کر اپنے کمرے میں آگئی۔

محسن نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ ابھی تو وہ چائے پینے سے منع کر گئی تھی اور اس التفات کو جانے کیا سمجھا کہ مگ لے کر اس کا ہاتھ بھی تھام لیا۔

''تمہارا پل پل بدلتا روپ میری سمجھ سے باہر ہے۔ کبھی زندگی کی نوید دیتی ہو اور کبھی جو چند سانسیں باقی ہیں وہ بھی چھین لینے کے درپے ہو جاتی ہو۔''

''میرا ہاتھ چھوڑیں۔'' وہ الجھ کر اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرنے لگی۔

''نہیں میرے پاس بیٹھو مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟''

''کچھ نہیں کچھ بھی نہیں۔'' وہ جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر پیچھے ہٹی پھر کھڑکی کے قریب کرسی گھسیٹ کر اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔ پتا نہیں اسے احساس تھا یا نہیں کہ اس کے پیچھے بیٹھا محسن جلال احمد اس کی اس حرکت سے کس قدر آزردہ ہو گیا تھا اس کی جگہ اگر کوئی توانا مرد ہوتا تو یوں اپنی طرف پیٹھ کرنے پر اسے کرسی سمیت اٹھا کر پھینک دیتا اور محسن جلال احمد ایسی توانائیاں کہاں سے لاتا؟ چپ چاپ اس کے بالوں کو دیکھتا رہا جو کرسی کی پشت سے نیچے جھول رہے تھے، گھنے سیاہ بال اماوس کی راتوں جیسے یا شاید اس کے مقدر جیسے۔

''احسن بھائی آرہے ہیں؟'' وہ ہاتھ بڑھا کر کھڑکی کھولتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ہاں۔'' کھڑکی کھلنے سے جو سرد ہوا اندر چلی آئی تھی اس سے بچنے کی خاطر محسن نے لحاف سینے تک کھینچ لیا، لیکن اسے کھڑکی بند کرنے کو نہیں کہا۔

''اکیلے آرہے ہیں یا......'' وہ کھڑکی سے باہر کھلے آسمان پر جگمگاتے ستاروں میں جانے کیا تلاش کرتے ہوئے کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب؟'' محسن سمجھا نہیں۔

''ہوسکتا ہے انہوں نے وہاں شادی کرلی ہو اور بیوی کے ساتھ آرہے ہوں۔'' اس نے کہا تو محسن ذرا سا ہنس کر بولا۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو احسن بھائی اطلاع ضرور دیتے۔''

''ہوسکتا ہے انہوں نے ضرورت نہ سمجھی ہو یا پھر سرپرائز دینے کی خاطر۔''

''ایسا ہوتا ضرور ہے لیکن احسن بھائی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

''نہیں میں انہیں اچھی طرح نہیں جانتی۔ جب وہ یہاں سے گئے تھے اس وقت میں کچے ذہن کی بے وقوف لڑکی تھی۔ ظاہری خوب صورتی سے متاثر ہونے والی۔ سمجھتی تھی جو ظاہر ہے وہی باطن بھی ہوگا۔''

''اور اب؟'' محسن کو اس کی طرف دھیان رکھنے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کرنی پڑ رہی تھیں۔

''اب میرا خیال ہے میں ظاہر و باطن میں تمیز کرسکتی ہوں۔'' وہ دعوے سے بولی۔

''اچھی بات ہے پھر تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ احسن بھائی جتنے خوب صورت نظر آتے ہیں اس سے کہیں زیادہ خوب صورتیاں

ان کے اندر ہیں۔‘‘

’’اچھا......!‘‘ وہ پتا نہیں کیوں ہنسی اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے جانے کیا سوچنے لگی۔ سرد ہوا کے جھونکے مسلسل اس کے چہرے کو چھو رہے تھے جس سے اس کا چہرہ یخ ہو گیا تھا۔ ناک سے الگ پانی بہنے لگا تھا پھر بھی اس نے کھڑکی بند نہیں کی بس کچھ دیر کے لیے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا پھر جب سیدھی ہوئی تو پوچھنے لگی۔

’’ایک بات بتائیں محسن‘ تایا ابو نے آپ کی شادی کرتے وقت احسن بھائی سے مشورہ کیا تھا؟‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’پھر کیا کہا تھا انہوں نے؟‘‘ وہ پتا نہیں کیا جاننا چاہتی تھی۔

’’وہ بہت حیران ہوئے تھے۔ انہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا‘ بار بار کہتے نشاء سے پوچھ لیا۔ شاید میری طرح انہیں بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم مجھے پسند کرتی ہو۔‘‘ محسن نے بتایا تو اس کے ہونٹوں سے سسکی کی صورت نکلا۔

’’پھر؟‘‘

’’پھر انہوں نے مجھ سے تصدیق کرائی۔‘‘

’’آپ سے کیوں انہیں مجھ سے تصدیق کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے پوچھتے۔‘‘ وہ بلا ارادہ کہہ گئی۔

’’تم کیا کہتیں؟‘‘

’’میں......‘‘ وہ ایک دم سنبھلی۔ ’’ظاہر ہے جو آپ نے کہا۔‘‘

’’لیکن اب ایسا لگتا ہے نشاء جیسے تم مجھ سے شادی کر کے پچھتا رہی ہو۔‘‘ وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔

’’واقعی محبت اندھی ہوتی ہے‘ جب ہی مجھ سے محبت کرتے وقت میری ذات سے چمٹے روگ تمہیں نظر نہیں آئے۔‘‘ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گھٹاؤں جیسے بالوں کو سمیٹ کر چوٹی کی شکل دیتے ہوئے یوں ظاہر کرنے لگی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

’’پلیز کھڑکی بند کر دو اب مجھ سے سردی برداشت نہیں ہو رہی۔‘‘ وہ کہہ کر کھانسنے لگا تو اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کر دی۔



رات اپنے اختتامی مراحل میں تھی جب محسن کی طبیعت قدرے سنبھلی اور وہ سو سکا۔ نیند تو اسے بھی آ رہی تھی اور وہ سونا بھی چاہتی تھی لیکن اذان کی آواز سن کر اس نے سونے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نماز پڑھ کر کچن میں چلی آئی۔ چائے بنا کر وہیں کھڑی پی رہی تھی کہ ساجدہ بیگم آ گئیں اسے دیکھ کر بولیں۔

’’بہت جلدی اٹھ گئیں۔‘‘

’’میں سوئی کب تھی۔‘‘ اس نے سوچا اور بس سر ہلا دیا۔

’’تمہارے تایا ابو تو اٹھتے ہی ائرپورٹ چلے گئے۔‘‘ ساجدہ بیگم نے تسلے میں آٹا نکالتے ہوئے بتایا تو اس نے یونہی پوچھ لیا۔

’’اکیلے؟‘‘

’’ظاہر ہے اور کون ہے ساتھ جانے والا؟ محسن تو غالباً......‘‘

’’لائیے آٹا میں گوندھ دوں۔‘‘ وہ ان کی بات پر توجہ دیئے بغیر بولی اور آٹے کا تسلا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ کہنے لگیں۔

’’آٹا میں گوندھ لوں گی تم احسن کے آنے پر گرم گرم پراٹھے بنا دینا۔‘‘ وہ ہلکے سے کندھے جھٹک کر وہاں سے نکل آئی۔ کمرے میں آ کر دیکھا محسن بے خبر سو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑی اس کی خراٹوں کی آواز سنتی رہی پھر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی تو بغل سے اخبار نکال کر دیکھنے لگی۔ اسے بیٹھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ برآمدے میں سے جلال احمد کی آواز آنے لگی۔ وہ وہیں سے ساجدہ بیگم کو پکار رہے تھے۔ ان کی آواز کی کھنک بتا رہی تھی کہ بڑھاپے کا سہارا جوان و توانا بیٹا ساتھ کھڑا ہے۔ شانے سے شانہ ملا کر۔

اور اصولاً تو اسے بھی اٹھ کر جانا چاہیے تھا لیکن وہ یونہی لاتعلق بنی رہی۔ باہر سے ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں پھر شاید احسن نے محسن کے بارے میں پوچھا اور کچھ دیر بعد ہی دروازے پر دستک دے کر پہلے جلال احمد اور ان کے پیچھے احسن اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

’’السلام علیکم!‘‘ وہ سلام کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی اور بے دھیانی میں انہیں دیکھنے لگی جبکہ اس کے اندر دور تک خامشیوں کا راج تھا۔

''کیسی ہو؟'' وہ نظریں چرا گئے تھے۔

''جی......''

''مونی سو رہا ہے' ابھی تک۔'' وہ بیڈ کی طرف بڑھے اور غالباً اسے اٹھانا چاہتے تھے کہ اس نے روک دیا۔

''محسن کو مت اٹھائیں یہ تمام رات جاگتے رہے ہیں۔''

''کیوں؟'' انہوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔

''ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''ہاں رات بھر کھانسنے کی آواز آتی رہی تھی۔'' جلال احمد نے کہا تو وہ جھک کر بغور محسن کو دیکھنے لگے' گو کہ وہ اسے اٹھانے کا ارادہ ملتوی کر چکے تھے پھر بھی بے اختیار دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام لیا تو محسن کی آنکھ کھل گئی۔ انہیں دیکھا تو فوراً اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تب انہوں نے سہارا دے کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''سوری یار میں تمہیں اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔''

''ارے نہیں بھائی میں تو ابھی نیند میں بھی آپ ہی کو دیکھ رہا تھا۔'' محسن نے کہا تو وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری۔ نشاء بتا رہی ہے تم رات بھر جاگتے رہے ہو۔''

''نشاء خود بھی تو نہیں سوئی' بے چاری میری وجہ سے بہت پریشان ہو جاتی ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''کوئی دوا لی تھی؟''

''جی نشاء نے دی تو تھی۔'' اس نے جھوٹ بول کر اس کا بھرم رکھا یا شاید اپنا۔

''بیٹا تم نے آتے ہی ڈاکٹری شروع کر دی۔ چلو پہلے ناشتا وغیرہ کر لو۔'' جلال احمد نے ہنستے ہوئے کہا تو نشاء کو یاد آیا کہ ساجدہ بیگم نے اسے پراٹھے بنانے کے لیے کہا تھا۔ فوراً کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو ساجدہ بیگم خود ہی ناشتہ بنانے میں مصروف تھیں۔ وہ انہیں اندر بھیج کر خود ان کی جگہ کھڑی ہو گئی۔

پھر ناشتے کے بعد احسن نے باقاعدہ محسن کا چیک اپ کیا۔ اس کے لیے دوائیں تجویز کیں۔ کچھ دوائیں ان کے پاس موجود تھیں جو وہ باہر سے لے کر آئے تھے اور جو نہیں تھیں وہ اسی وقت جا کر لے آئے پھر ان کے بارے میں نشاء کو سمجھانے لگے کہ کون سی دوا کس وقت دینی ہے اور نشاء کو اب دواؤں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی پھر بھی کوشش کر رہی تھی کہ پوری توجہ سے ان کی ہدایات سنے لیکن پتا نہیں کیسے ان پر اس کی لاتعلقی ظاہر ہو گئی تو انہوں نے ٹوکا۔

''میں تمہیں اس میڈیسن کے بارے میں بتا رہا ہوں' تم وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟''

''بھائی......'' اس سے پہلے محسن بول پڑا۔ ''آپ خوامخواہ اتنی محنت کر رہے ہیں۔ نشاء ایک مدت سے مجھے دوائیں پلا رہی ہے اور اب تو میرا خیال ہے یہ آنکھیں بند کر کے بتا سکتی ہے کہ کس وقت مجھے کون سی دوا دینی ہے۔'' انہوں نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑی دوائیں ٹیبل پر رکھیں تو کہنے لگا۔

''سچ پوچھیں بھائی تو میں خود اب دواؤں سے اتنا الرجک ہو گیا ہوں کہ انہیں دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔''

''بس کچھ دن اور پھر تم ایک دم فٹ فاٹ ہو جاؤ گے۔''

''میں اب بھی فٹ فاٹ ہوں۔ بس کبھی جب سینے میں سانس رکنے لگتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی سے ناتا ٹوٹ رہا ہو۔'' محسن نے بات کی ابتدا مسکراتے ہوئے کی تھی اور آخر میں مایوس نظر آنے لگا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر بولے۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' بس تم اپنا خیال رکھو۔''

''نشاء میرا بہت خیال رکھتی ہے۔'' وہ مسلسل اسے سرخرو کر رہا تھا۔

''جانتا ہوں۔'' احسن اٹھ کر کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے جن نظروں سے نشاء کی طرف دیکھا' وہ اپنی نظروں میں چور سی بن گئی تھی۔



احسن کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس دوران وہ صرف ایک بار گھر سے نکلے تھے وہ بھی بلال احمد اور لبنیٰ کی دعوت پر ورنہ سارا وقت ایک

تو ساجدہ بیگم کا انہیں دیکھ دیکھ کر دل نہیں بھرتا تھا دوسرے وہ خود زیادہ وقت محسن کو دے رہے تھے' جس سے نشاء چڑنے لگی تھی اور اس وقت اس کی ناگواری محسوس کر کے وہ گھر سے نکل آئے تھے اور کیونکہ باقاعدہ کسی پروگرام کے تحت نہیں نکلے تھے اس لیے بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہے' پھر ہاسپٹل دیکھ کر جہاں انہوں نے پریکٹس کی تھی' وہ رہ نہیں سکے' وہیں گاڑی روک دی۔ پھر ٹائم دیکھتے ہوئے سیدھے ڈاکٹر تانیہ کے روم میں آئے تو وہ انہیں دیکھ کر کھل گئی تھی۔

''کیسی ہو؟'' احسن اس کے سامنے چیئر کھینچ کر بیٹھ گئے تو وہ شاکی ہو کر بولی۔

''بڑے بے مروت ہو۔''

''یہ میری بات کا جواب تو نہیں ہے۔'' انہوں نے محظوظ ہو کر ٹوکا۔

''چلو تو تم جواب دے دو۔ کب سے آئے ہوئے ہو؟''

''غالباً ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔'' انہوں نے بتایا تو وہ پوچھنے لگی۔

''کیا کہیں جوائن کر لیا ہے؟''

''نہیں' ابھی تک تو گھر میں ہی تھا' اب سوچ رہا ہوں۔''

''سوچو مت۔'' وہ فوراً بولی تھی۔ ''اپنی جگہ واپس آ جاؤ' ہم سب تمہیں بہت مس کر رہے ہیں یا تمہارا ارادہ کچھ اور ہے؟''

''مطلب؟'' وہ سمجھے نہیں۔

''مطلب امریکا سے آئے ہو اتنا تو کما لائے ہو گے کہ اپنا کلینک سیٹ کر سکو۔'' تانیہ کی وضاحت پر وہ ذرا سا ہنسے تھے۔

''کلینک بھی سیٹ کروں گا' لیکن اس میں کچھ وقت لگے گا۔ انی وے تم سناؤ۔''

''میں کیا سناؤں۔ جہاں تھی وہیں ہوں۔'' تانیہ نے کندھے اچکائے تو انہوں نے بغور اسے دیکھا پھر پوچھنے لگے۔

''ایک بات بتاؤ' تم نے شادی کی نہیں یا ہوئی نہیں؟''

''کی نہیں۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔

''کیوں؟''

''یہ تم پوچھ رہے ہو۔ کیا تمہیں یاد نہیں' میں نے کہا تھا' میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' وہ خاصی پر اعتماد تھی۔

''لیکن میں نے تو تمہیں کوئی آس نہیں دلائی تھی۔'' انہیں اپنا رویہ بھی یاد تھا۔

''آس کا دیا تو خود بخود جل گیا تھا احسن اور میں نے اسے بجھنے نہیں دیا۔'' اس کی صاف گوئی پر وہ جز بز ہو کر بولے تھے۔

''کوئی فائدہ نہیں۔''

''کیوں فائدہ نہیں' کیا تم نے ساری عمر کنوارا رہنے کا سوچ لیا ہے۔''

''فرض کرو میں نے اگر ایسا سوچ لیا ہو تو......''

''تو بھی میں آس کا دیا بجھنے نہیں دوں گی۔'' وہ فوراً بولی اور ان کے مسکرانے پر جھنجلانے لگی تھی۔

''بہت سلفش ہو تم' صرف اپنا سوچتے ہو' اور صرف تم ہی نہیں سارے مرد ایسے ہوتے ہیں' اپنی ذات سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ ویسے اب تمہیں کیا پرابلم ہے' جس بھائی کے لیے تم خود کو بھلائے بیٹھے تھے اس کی تو شادی ہو گئی۔''

''کم آن یار' میں نے تو صرف فرض کرنے کو کہا تھا اور تم سیریس ہو گئیں۔ میرا کنوارا مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' آخر میں وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہنسے پھر اٹھ کھڑے ہوئے تو اس نے فوراً پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟''

''او کے سی یو۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کرتے باہر نکل آئے تھے کیونکہ وہ اسے مزید ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اعتراف تھا کہ وہ اچھی لڑکی ہے' لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتے جو اپنی محبت دان کر کے خالی' ویران ہو گیا تھا۔



جب ثریا نے اسے بتایا کہ اس کے ماموں ممانی آئے تھے تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''کیوں...... کیوں آئے تھے؟ اب کیا کرنے آئے تھے اور آپ نے آنے کیوں دیا انہیں۔''
''تو کیا میں منع کرتی' دروازہ بند کر دیتی انہیں دیکھ کر۔'' ثریا نے کہا تو وہ زور دے کر بولی۔
''یہی کرنا چاہیے تھا آپ کو۔''
''نہیں بیٹا' یہ میں نہیں کر سکتی' اگر انہوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم بھی ویسا ہی کریں۔ تم بھی اپنا دل صاف کر لو۔'' ثریا نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ مزید سلگ کر بولی۔
''ہرگز نہیں' میں انہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اس گھر میں سے آپ کا حصہ آپ کو دلا کر رہوں گی۔''
''مجھے کوئی حصہ نہیں چاہیے سمجھیں' تم اگر ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتیں تو مت رکھو' لیکن میں تعلق نہیں توڑوں گی۔'' ثریا نے ناراضگی اور سختی سے کہا۔
''آپ تو بس......'' وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی تو ثریا نے فوراً ٹوکا۔
''اتنی سی دیر کے لیے آتی ہو۔''
''آپ ہی تو کہتی ہیں کہ بیٹیاں اپنے گھروں میں اچھی لگتی ہیں۔'' وہ قصداً ہنسی پھر ثریا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں' کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے جانے کے بعد اس کی ماں اس کی باتوں اور غصے کو سوچ کر پریشان ہو۔
''اصل میں امی خان صاحب اپنی روٹین کے بہت پابند ہیں۔ جلدی سوتے جاگتے ہیں۔ رات کا کھانا ٹھیک سات بجے ٹیبل پر لگ جاتا ہے۔ میں پھر کسی دن صبح سے آؤں گی ٹھیک۔'' ثریا نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا پھر اس کی پیشانی چومی تو جواباً اس نے ثریا کا گال چوما اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی۔
گھر آئی تو خان جنید آ چکے تھے اور بنٹی کے ساتھ بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس نے سلام کیا تو سر کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
''میں چینج کر لوں۔''
''جی......'' اس نے انہیں کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا پھر بنٹی سے بولی۔
''چلو بنٹی کھانا کھا لیں۔''
''ڈیڈی کو تو آنے دیں۔''
''تمہارے ڈیڈی دو منٹ میں آ جائیں گے۔'' وہ کہتے ہوئے بنٹی کی چیئر دھکیل کر ڈائننگ روم میں لے آئی اور واقعی خان جنید فوراً آ گئے تھے۔
''آصف نہیں آیا؟'' خان جنید نے بیٹھتے ہی پوچھا۔
''آصف بھائی اتنی جلدی کب آتے ہیں ڈیڈی۔'' بنٹی نے کہا تو وہ ہوں کر کے رہ گئے۔ پھر کھانے کے بعد خان جنید چائے پینے تک لاؤنج میں بیٹھے اس کے بعد اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ روزانہ کی طرح کچھ دیر بنٹی کے ساتھ ٹی وی دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ لیکن وہ خان جنید کی طرح جلدی سونے کی عادی نہیں تھی۔ کوشش کرتی تب بھی اسے نیند نہیں آتی تھی اور کروٹیں بدلنے سے اسے سخت چڑ تھی۔
معمول کے مطابق جب خان جنید دس بجے سو گئے تب وہ لائٹ آف کر کے کمرے سے نکل آئی اور پہلے بنٹی کے کمرے میں جھانکا اور اسے سونے کی تیاری کرتے دیکھ کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ ٹی وی آن کیا تو عابدہ پروین کو دیکھ کر شوق سے سننے لگی۔
''پی جا ایام کی تلخی کو بھی ہنس کے ناصر
غم سہنے میں بھی قدرت نے مزہ رکھا ہے
اس کے بعد دوسری غزل پھر گیت اور آخر میں!
چھیتی دوڑیں دے طبیبا نئیں تے میں مر گئیں آں
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا.........!

وہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگی تھی اور جب پروگرام کا اختتام ہوا تو اس نے اٹھ کر ٹی وی بند کیا پھر لائٹ آف کرنے کے ارادے سے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھی تھی کہ آصف جاں اپنے کمرے سے نکل کر آ گیا۔

''کیا تمہیں نیند میں چلنے کی عادت ہے؟'' اس نے آصف جاں کی سوئی سوئی آنکھیں دیکھ کر ٹوکا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ لائٹ آف کرنے کا خیال چھوڑ کر پوچھنے لگی۔

''کچھ چاہیے۔''

''جی اگر کچھ ہے تو......'' اس نے کہا تو وہ سمجھی نہیں۔

''کیا مطلب؟''

''میرا مطلب ہے کھانے میں کچھ ہلکا پھلکا مل جائے تو۔ بہت بھوک لگی ہے۔''

''تم نے کھانا نہیں کھایا؟'' اس نے ٹائم دیکھا بارہ بج رہے تھے۔

''نہیں میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے کھانا نہیں کھاؤں گا۔''

''اچھا میں کچھ اور دیکھتی ہوں۔'' وہ فوراً کچن میں آ گئی اور ابھی فریج کا جائزہ لے رہی تھی کہ وہ اس کے پیچھے آ کر بولا۔

''سوری میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔'' وہ کچھ نہیں بولی فریج سے انڈے نکالے پھر ڈبل روٹی اٹھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''کیا بنا دوں! آملیٹ یا فرائی کھاؤ گے۔''

''ایسا کریں فرنچ ٹوسٹ بنا دیں۔'' وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا تو وہ بہت خاموشی سے انڈے پھینٹنے لگی پھر اس میں چینی' دودھ ملاتے ہوئے معاً خود کو اس کی نظروں کی گرفت میں محسوس کر کے کچھ نروس سی ہو گئی۔ حالانکہ شادی سے پہلے وہ جتنی بولڈ تھی اب اتنی پر اعتماد' پھر جانے کیسے اس کی نظروں سے پریشان ہو گئی۔ شاید بھیگتی ہوئی رات' خاموشی اور تنہائی' خان جنید اسے اپنا بیٹا سمجھیں یا بھانجا اور اگر ان کے حوالے سے وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی کوئی رشتہ جوڑے تب بھی اس کی ماں جیسی تھی نہ خالہ جیسی کہ وہ کوئی چھوٹا سا بچہ نہیں تھا' پورے چھ فٹ اونچا اور اس کے لیے بالکل غیر اور اجنبی۔ بہت کوشش سے وہ اس کی طرف سے ذرا سا رخ موڑ سکی پھر خاموشی توڑنے کی خاطر اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

''سنو' کیا کرتے ہو تم؟''

''اتنی جلدی بھول گئیں آپ' انکل نے بتایا تو تھا کہ میں ان کا بزنس پھیلانے میں کوشاں ہوں......'' اس نے خان جنید کی بات دہرائی تو اس نے یونہی سر ہلا کر پوچھا۔

''چائے بھی پیو گے؟''

''نہیں۔'' اس کے مختصر جواب کے بعد پھر خاموشی چھا گئی تو اس نے اپنے آپ گنگنانا شروع کر دیا کیونکہ باتیں کرنے سے اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔ جسے وہ خاموشی کی چادر میں کھونا نہیں چاہتی تھی۔

''ذرا اونچی آواز میں گائیں تاکہ میں بھی سنوں۔'' آصف جاں کے ٹوکنے پر اس نے دھیان نہیں دیا اور اس طرح گنگناتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہی۔ چار پانچ ٹوسٹ بنا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ فوراً بولا۔

''بس اتنے کافی ہیں۔'' اس نے پلیٹ اٹھا کر اسے تھما دی پھر چولہا بند کر کے ہاتھ دھوئے اور دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''اوکے اب میں سونے جا رہی ہوں۔''

''جی نہیں' میرے کھانے تک آپ یہیں موجود رہیں گی اور کھانے میں میرا ساتھ بھی دیں گی۔'' آصف جاں نے کہتے ہوئے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی جسے اس نے واپس اس کی طرف دھکیلا اور فوراً شب بخیر کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔



اس کے پوچھنے پر خان جنید اسے آصف جاں کے بارے میں بتانے لگے۔

''آصف میرے بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے گو کہ میرا دوست معظم جاہ اس دنیا میں نہیں رہے' اس کے انتقال کو بہت سال ہو گئے ہیں'

اس وقت آصف دو سال کا تھا اور جیسا کہ دنیا کا دستور ہے چار دن ہمدردی کے بعد سب بھول جاتے ہیں تو یہ ماں بیٹا بھی بالکل تنہا رہ گئے تھے بے یار و مددگار اور میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ میں نے انہیں سہارا دیا البتہ میں کبھی ان سے غافل نہیں ہوا۔'' قدرے توقف کے بعد پھر کہنے لگے۔

''آصف کی والدہ میری منہ بولی بہن ہیں۔ معظم جاہ کی زندگی میں ہی ہمارے مابین یہ رشتہ قائم ہوا تھا اور معظم کے بعد اگر میں نے ان کی ذمہ داری قبول کی تو یہ میرا فرض تھا۔ میں نے اور بنٹی کی ماں نے بھی بہت چاہا کہ وہ آصف کو لے کر ہمارے پاس آ جائیں لیکن وہ اپنا گھر چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئیں۔ پھر جب انہوں نے دوسری شادی کی تو آصف کو ہاسٹل میں ڈال دیا یوں یہ بچہ ٹوٹل میری ذمہ داری بن گیا' کیونکہ سوتیلا باپ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں تھا' بہرحال آصف مجھے اپنی اولاد سے کم عزیز نہیں ہے۔ تھوڑا شوخ اور شرارتی ہے اور اس عمر میں تو سب ہی ایسے ہوتے ہیں۔ تمہیں اگر اس سے کوئی شکایت ہو تو مجھ سے کہنا' اسے مت ٹوکنا۔ کیونکہ بظاہر جتنا کھلنڈرا نظر آتا ہے اندر سے اتنا ہی حساس ہے اور ایسے لوگ کبھی اچانک ٹوٹ کر یوں بکھرتے ہیں کہ پھر سمیٹے نہیں جاتے۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔'' وہ جو بہت خاموشی سے انہیں سن رہی تھی اثبات میں سر ہلایا تو پوچھنے لگے۔

''اس نے تم سے بدتمیزی تو نہیں کی۔''

''نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

اور پھر اس نے محسوس کیا اس گھر میں زندگی کے آثار آصف جاہ کی بدولت ہی نظر آتے تھے۔ گو کہ وہ سارا دن گھر پر نہیں ہوتا لیکن خان جنید کی طرح بہت مصروف بھی نہیں تھا۔ صبح نکلتا تو اکثر سہ پہر تک واپس آ جاتا اور آتے ہی اپنے کمرے میں چلا جاتا' پھر بھی اس کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا' کبھی خانساماں رئیس کو پکار کر چائے کا کہتا اور کبھی ملازمہ کی شامت آتی جو صفائی کے دوران اس کی چیزیں ادھر ادھر کر دیتی تھی۔ بنٹی کے ساتھ بھی اس کی خوب بنتی تھی اور اب اس سے بھی مذاق کر جاتا تھا۔ بلکہ چھیڑنے لگا تھا۔

اس وقت وہ دوپہر کی نیند لے کر اٹھی اور شاور لینے کے بعد کمرے سے نکلی تو وہ لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس کھڑا جانے کیا سوچ رہا تھا کہ اسے جانے کیا سوجھی اونچی آواز میں گانا شروع کر دیا۔

میرے سامنے والی کھڑکی میں
ایک چاند سا ٹکڑا رہتا ہے

آصف جاہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مسکراہٹ ہونٹوں میں دبا کر جوابی حملہ کیا۔

''لیکن مجھے تو کھڑکی سے اندر نظر آ رہا ہے۔''

''فوراً نظر ٹیسٹ کراؤ۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی تو اس نے کمال ایکٹنگ کی' یکسر انجان بن کر پہلے ادھر ادھر دیکھا پھر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھنے لگا۔

''مجھ سے کچھ کہہ رہی ہیں؟''

''اور کون ہے یہاں۔'' اس نے کہا تو وہ فوراً بولا۔

''میں سمجھا آپ اپنے خاں صاحب سے مخاطب ہیں۔'' وہ اس کا مطلب سمجھ کر چیخ پڑی۔

''خبردار جو خاں صاحب کے بارے میں کچھ الٹا سیدھا کہا تو......''

''توبہ کریں' میں ہرگز بزرگوں کی شان میں گستاخی نہیں کر سکتا۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے مسکین سی شکل بنا کر بولا لیکن اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ یعنی وہ خان جنید کو بوڑھا کہہ رہا تھا حقیقتاً وہ اندر ہی اندر تلملائی لیکن اس پر ظاہر نہیں کیا بڑے آرام سے بولی۔

''شاباش اچھے بچے بزرگوں کی عزت کرتے ہیں۔''

''میں بچہ نہیں ہوں۔'' اس کے فوراً احتجاج پر وہ بے ساختہ زور سے ہنسی اور پھر اسے چڑانے کی خاطر ہنستی چلی گئی تب ہی خان جنید آ گئے تو وہ خجل سا ان سے بولا۔

''انکل یہ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔''

''پہل اس نے کی تھی خان صاحب یہ میرا بلکہ......'' وہ آپ کا کہنے سے پہلے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا گئی پھر سنبھل کر بولی۔
''پہلے اس نے میرا مذاق اڑایا تھا۔''
''دونوں نے ایک دوسرے کا مذاق اڑا لیا' حساب برابر ہو گیا پھر اب جھگڑا کس بات کا۔'' خان جنید نے بریف کیس اسے تھماتے ہوئے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے تو ایک پل کو وہ اپنی جگہ سن ہو گئی پھر فوراً ان کے پیچھے چل دی۔ شاید کچھ گڑ بڑ ہو گئی تھی۔



احسن اپنا کلینک سیٹ کرنے میں لگ گئے لیکن گھر اور خاص طور سے محسن کی طرف سے وہ کسی پل بھی غافل نہیں ہوئے۔ محسن کے لیے ان کے احساسات وہ شروع سے جانتی تھی لیکن اب تو لگتا تھا جیسے وہ اس کے لیے بہت سنجیدہ ہو گئے ہوں۔ معمولی سی بات کو بھی بہت گہری نظر سے دیکھنے لگے تھے' صبح گھر سے نکلتے ہوئے بے شمار ہدایات' دن میں وقفے وقفے سے فون کرتے اور واپسی میں باز پرس۔
محسن نے دوا کس وقت لی' کھانے میں کیا کھایا' گھر سے کب نکلا واپسی کب ہوئی' وغیرہ......وغیرہ' ہر بات تفصیل سے پوچھتے پھر محسن کی طرف یوں دیکھتے جیسے یقین کرنا چاہ رہے ہوں کہ آیا وہ ٹھیک کہہ رہی ہے یا نہیں اور وہ ان باتوں سے چڑنے لگی تھی۔
''کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو احسن بھائی۔'' اس روز وہ محسن کے سامنے پھٹ پڑی۔ ''ہر وقت ہمارے سر پر مسلط رہنے کی کوشش کرتے ہیں' یہ کیا......وہ کیا......آخر وہ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اور پوچھتے بھی اتنے مشکوک انداز میں ہیں جیسے میں جھوٹ بول رہی ہوں۔''
''ایسی بات نہیں ہے نشاء۔'' وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا لیکن وہ ہتھے سے اکھڑ گئی۔
''پھر کیا بات ہے' ان سے کہیں اگر اتنا ہی خیال ہے تو صبح جاتے ہوئے آپ کو اپنے ساتھ لے جایا کریں' یا پھر خود آپ کے ساتھ لگ کر بیٹھے رہیں۔ مجھے اور بھی بہت کام ہیں۔ میں ہر وقت آپ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی نہیں رہ سکتی۔''
''میں نے کب کہا کہ تم میرے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی رہو۔''
''وہ تو ایسا ہی چاہتے ہیں ناں' آپ کہہ دیں ان سے' میرے کاموں میں دخل نہ دیں' میں ہر کام اپنی مرضی سے کروں گی۔''
''اچھی بات ہے' میں کہہ دوں گا ان سے۔'' وہ مصالحت پر آمادہ تھا۔ ''تم پلیز خفا مت ہو' یہاں میرے پاس بیٹھو۔''
''آپ کے پاس بیٹھ جاؤں گی تو وہاں کھانا کون پکائے گا۔'' وہ پیر پٹختے ہوئے کمرے سے نکلی تو دوسرے قدم پر احسن سے جا ٹکرائی۔ غصے میں تو تھی ہی مزید جھنجلا گئی۔ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے جانے لگی کہ وہ سامنے آ گئے۔
''میرے کمرے میں آؤ۔'' احسن دھیمی مگر سخت آواز میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو وہ ان کی پشت پر نظریں جمائے ان کے لہجے پر غور کرنے لگی جو ان کی بات رد کرنے کا حوصلہ چھین گیا تھا۔ جبھی نا چاہتے ہوئے بھی ان کے پیچھے چل دی۔
''بیٹھ جاؤ۔'' احسن اسے بیٹھنے کا کہہ کر جوتے اتارنے لگے۔ پھر میز پر ٹانگیں سیدھی کرتے ہوئے اسے دیکھا وہ اسی طرح کھڑی تھی۔ وہ ٹوکنے کا خیال جھٹک کر کہنے لگے۔
''دیکھو نشاء کسی بھی شخص کو اپنے تہی دامن ہونے کا اتنا ملال نہیں ہوتا لیکن جب اس کے دامن میں کچھ ڈال کر چھین لیا جائے تو وہ ٹوٹ جاتا ہے۔'' نشاء نے ہونٹ بھینچ کر خود پر ضبط کیا۔
''تمہارا دل تو ہمیشہ سے نرم تھا پھر اب کیا ہوا۔ تمہیں مونی پر ترس نہیں آتا' اگر نہیں تب بھی تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اس کا خیال رکھو۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ ناگواری سے بولی۔
''میں اپنا فرض پہچانتی ہوں۔''
''اگر اپنا فرض پہچانتیں تو تمہارا رویہ اتنا غیر مناسب ہرگز نہ ہوتا۔'' انہوں نے آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلا کر کہا تو وہ تنک کر بولی۔
''کیا کرتی ہوں میں' یقیناً محسن نے میری شکایتیں کی ہوں گی۔''
''بخدا ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ فوراً بولے۔ ''مونی تمہاری شکایت کیوں کرے گا' اس کے پاس تو سوائے تمہاری تعریفوں کے اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی۔'' وہ تنگ پڑ کر دوسری سمت دیکھنے لگی تو احسن اس کے قریب آ کر نرمی سے گویا ہوئے۔
''غلط مت سمجھو نشاء' میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس سے لڑا مت کرو' تمہاری ذرا سی خفگی اسے بے حد آزردہ کر دیتی ہے۔ کیا تمہیں

اچھا لگتا ہے کہ وہ ہر وقت افسردہ رہے۔'' اس کی آنکھیں یکلخت پانیوں سے بھر گئیں تو وہ ٹوک کر کہنے لگے۔
''اوں ہوں' خود بھی خوش رہو اور اسے بھی خوش رکھو تا کہ ہمارے ساتھ گھر کے در و دیوار کو بھی پتا چلے کہ اس گھر میں ایک جوان جوڑا رہتا ہے۔ تمہاری چوڑیوں کی کھنک ہو' مونی کی ہنسی کی جھنکار ہو' تو جلترنگ بجے کچھ تو ہو' یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یوں لگتا ہے جیسے میرا جنازہ تیار رکھا ہو۔''
''اللہ نہ کرے۔'' وہ دہل کر فوراً بولی تو ان کے چہرے پر ایک رنگ لہرایا گیا۔
''اگر یہی صورت حال رہی تو سچ مچ ایسا ہو سکتا ہے۔''
''بس کریں احسن بھائی' ایسی باتیں نہ کریں۔'' وہ نرم دل لڑکی خائف ہو گئی تھی۔
''میرے پاس اچھی باتیں بھی ہیں اگر سننا چاہو تو۔''
''کیا؟'' وہ بھیگی پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔
''وہ یہ کہ جب میرا کلینک اسٹارٹ ہو گا تو میں ریسپشن پر مونی کو بٹھاؤں گا' کیونکہ اب وہ اس قابل ہو گیا ہے کہ اس پر چھوٹی موٹی ذمہ داریاں ڈالی جا سکیں۔'' یہ واقعی اچھی خبر تھی۔ ان کا خیال تھا' وہ خوشی سے چیخ پڑے گی لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں ہوا تو ان کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔
''تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟''
''اچھی خبر ہے۔'' وہ سرسری انداز میں کہہ کر جانے لگی کہ وہ پکار کر بولے۔
''سنو' تمہیں مونی کی حوصلہ افزائی کرنی ہے۔''
''یہ آپ کا حکم ہے؟'' اس نے پلٹ کر ناگواری سے پوچھا۔
''میں کہنا تو نہیں چاہتا لیکن تمہارے لہجے اور رویے کی بدولت مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہاں یہ میرا حکم ہے۔ اب تم جا سکتی ہو۔'' وہ انتہائی بدتمیزی سے فرش پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل آئی تھی۔
اس پر عجیب سی جھنجلاہٹ سوار ہو گئی تھی۔ رات دیر تک انتہائی بے چینی کے عالم میں کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کر ڈالے' کبھی دل چاہتا سوئے ہوئے محسن کو جھنجوڑ کر اٹھا دے' کبھی سوچتی ایک ایک چیز اٹھا کر دیوار پر مارنا شروع کر دے اور زور زور سے شور مچائے کہ سب اپنے کمروں سے نکل کر بھاگے چلے آئیں۔ پھر وہ ایک ایک سے پوچھے کہ انہیں صرف مونی کا خیال کیوں ہے کوئی اس سے بھی تو پوچھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ نہیں یہ کوئی نہیں پوچھے گا۔'' اس کے اندر مزید تلخی سما گئی۔
''مجھے اپنی پناہوں میں لینے والے اب میری پناہ میں آنا چاہتے ہیں۔ ہونہہ' کتنے خود غرض ہیں یہ لوگ۔ میں ان پر ترس نہیں کھاؤں گی' کبھی نہیں۔'' وہ صوفے پر ڈھے گئی' اور سسکتے سسکتے سو گئی تھی۔
صبح محسن کے پکارنے پر اس کی آنکھ کھلی تھی' وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''کیا بات ہے نشاء تم یہاں صوفے پر۔''
''پتا نہیں۔'' وہ اٹھ بیٹھی۔ ''مجھے شاید نیند نہیں آ رہی تھی پھر پتا نہیں کب سو گئی۔''
''ارے نیند نہیں آ رہی تھی تو مجھے اٹھا لیتیں۔'' محسن نے کہا تو وہ سوچ کر رہ گئی۔
''تم کیا کر لیتے......!''
''کیا بات ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔'' محسن نیچے گھٹنے ٹیک کر بیٹھا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا تو وہ اپنے آپ میں الجھ گئی۔
''ہاں' نہیں' میرا مطلب ہے میں بہت گھبرا رہی ہوں۔'' پھر ایک دم اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''ایک بات مانیں گے محسن۔''
''میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی' تم کہو تو......'' محسن نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ رک رک کر بولی۔
''وہ......میں ابو جی کے گھر جانا چاہتی ہوں۔''
''اتنی سی بات۔'' وہ مسکرایا۔ ''ضرور جاؤ' میں نے کب منع کیا ہے۔''
''تو چلیں مجھے چھوڑ آئیں۔ میں کچھ دن وہیں رہوں گی۔'' وہ ایک دم سوچ کر اٹھی۔

......☆☆☆......

شام میں احسن گھر لوٹے تو ساجدہ بیگم اکیلی اور کچھ اداس سی بیٹھی تھیں۔ وہ سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھے اور ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے امی' اکیلی بیٹھی ہیں۔ باقی سب لوگ کہاں ہیں؟''

''تمہارے ابو اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں اور محسن اپنے کمرے میں ہے۔'' ساجدہ بیگم نے بتایا تو انہوں نے بے ساختہ پوچھا۔

''اور نشاء......؟''

''نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔'' ان کے جواب سے وہ خاصے بد دل ہوئے۔ یعنی ان کے سمجھانے کا یہ اثر لیا تھا اس نے کہ وہ میکے چلی گئی' گو کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن نشاء کے فوری رد عمل نے انہیں مایوس کیا تھا۔

''بیٹا! میں تو بہت پریشان ہوں۔ نشاء پر کسی کے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہو رہا۔'' ساجدہ بیگم نے اپنی پریشانی ظاہر کی تو وہ انہیں تسلی دینے لگے۔

''آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''پتا نہیں' مجھے تو وہ ہر روز پہلے سے زیادہ متنفر نظر آتی ہے' تم اسے سمجھاؤ ناں۔''

اب وہ کیا بتاتے کہ یہ کوشش وہ کر چکے ہیں۔ پھر بھی انہیں پریشان نہ ہونے کا کہہ کر محسن کے کمرے میں آئے اور اسے ٹیبلٹ منہ میں ڈالتے دیکھ کر بھی بلا ارادہ پوچھ گئے۔

''کیا کر رہے ہو مونی؟'' محسن نے پانی کے گھونٹ سے ٹیبلیٹ نگلی پھر ذرا سا ہنس کر بولا۔

''کیا کرنا ہے مجھے' دوا' دوا' بس دوا۔''

''امی بتا رہی ہیں نشاء اپنے ابو کے گھر گئی ہے۔'' انہوں نے بات بدلی۔

''جی۔''

''خوشی سے گئی ہے یا...... میرا مطلب ہے تم سے یا ہم میں سے کسی سے ناراض ہو کر تو نہیں گئی۔'' انہوں نے بظاہر سیدھے سادے انداز میں پوچھا۔

''ارے نہیں بھائی' وہ کیوں کسی سے ناراض ہو گی' البتہ اس کے جانے سے امی ابو ناراض ہوتے ہیں۔'' یہ محسن کی محبت تھی کہ وہ نشاء پر کوئی بات آنے ہی نہیں دیتا اور احسن سمجھنے کے باوجود کہہ گئے۔

''تمہارے خیال میں امی ابو ناحق ناراض ہوتے ہیں۔''

''پتا نہیں بھائی۔'' محسن جیسے خود کو بے بس محسوس کرنے لگا پھر کہنے لگا۔ ''اصل میں بھائی نشاء کی کوئی ایکٹوٹیز نہیں ہیں گھر میں پابند رہ کر وہ بور ہو جاتی ہے' میں بھی تو اسے کہیں نہیں لے جاتا۔''

''کیوں نہیں لے جاتے؟'' انہوں نے فوراً ٹوکا تو وہ افسردگی سے مسکرایا۔

''بس بھائی آپ تو جانتے ہیں میں جلدی تھک جاتا ہوں۔''

''پیدل مت چلو' گاڑی پر جاؤ نشاء کو ڈرائیونگ آتی ہے کہ نہیں؟''

''آتی ہے۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے۔ آرام سے گھوم پھر سکتے ہو یا نشاء تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتی۔'' آخری بات بلا ارادہ کہہ کر وہ پچھتائے بھی اور فوراً اس کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ''نشاء بھلا کیوں منع کرے گی' اس نے ڈرائیونگ سیکھی ہی اس لیے تاکہ تم دونوں کو کسی کی محتاجی نہ رہے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' محسن نے تائید کی تو کہنے لگے۔

''بہر حال اب تک تو میں نشاء سے کہتا رہا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے لیکن اب تم سے کہوں گا کہ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے' سمجھے۔''

''جی۔'' محسن مسکرایا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر اٹھ کھڑے ہوئے' اچانک ان کا دل بوجھل ہو گیا تھا۔

......☆☆☆......

گو کہ آصف جاہ نے مذاق میں خان جنید کو بوڑھا کہہ کر اسے چھیڑا تھا لیکن وہ شدت سے محسوس کر گئی تھی اور جو اس زندگی سے سمجھوتا کرتے ہوئے خود کو خان جنید کی لگی بندھی روٹین کے مطابق چلنے ڈھالنے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے اچانک ساری کوششیں ترک کر دیں، کیونکہ دل باغی ہو گیا تھا، کہ نئی زندگی کی ابتدا پر ہی وہ اپنی آرزوؤں اور امنگوں کا خون کیوں کرے، گویا اس کی ازلی ضد عود کر آئی تھی۔

''مجھے ان کے ساتھ نہیں چلنا، انہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔'' یہ اس نے سوچ لیا اور اس شام جم سے واپسی پر اس نے آئس کریم اور گجرے لے لیے۔ گھر آئی تو خان جنید غالباً اسی وقت آئے تھے، اسے دیکھ کر رک گئے تھے کہ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھا دیئے، گجرے اور آئس کریم دیکھ کر ان کی پیشانی پر لکیریں نمودار ہوئی اور کچھ ناگواری سے بولے۔

''تو تھینکس۔'' اور وہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ فوراً ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے قصداً ہنس پڑی۔ پھر ان کے سامنے بیٹھ کر گجرے کلائیوں میں سجاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''خان آپ کو آئس کریم پسند نہیں؟'' وہ کوئی جواب دیئے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ ہرٹ ہو کر اپنی کلائیاں دیکھنے لگی، دھیمی دھیمی مسحور کن خوشبو اس کے چاروں اور پھیل رہی تھی۔ گہری سانس کھینچتے ہوئے اس نے سر صوفے کی بیک پر ٹکا لیا۔ کیسی خاموشی تھی، گہرا سکون، اچانک اس کا دل چاہا زور زور سے ہنسے پھر خود سے کہے ''یہ کیا حماقت ہے۔''

''حماقت ہی تو ہے۔'' اس نے سوچا اور آصف جاہ کو آتے دیکھ کر ایک دم سیدھی ہو بیٹھی۔

''واؤ......'' آصف جاہ اس کی کلائیوں میں گجرے دیکھ کر خوش گوار حیرت میں گھر گیا۔ ''بہت خوب صورت لیکن افسوس خان انکل بالکل تعریف نہیں کریں گے۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ تعریف کر چکے ہیں۔'' اس نے محض اپنا بھرم رکھنے کی خاطر مبالغہ آرائی کی اور فوراً اٹھ کر ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا جو وہ خان جنید کے لیے لے جا رہی تھی۔

''آصف کو چائے دے دو۔'' وہ ملازمہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ خان جنید ٹیبل پر کوئی فائل کھولے بیٹھے تھے۔ اس کی نظریں ان کے جھکے ہوئے سر سے ہوتی ہوئی ان کے ہاتھوں پر جا ٹھہریں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں سلگتا ہوا سگریٹ تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پین۔ یہ حقیقت تھی کہ اس شخص کا ہر انداز جداگانہ اور اٹریکٹو تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتب بھی اسے اپنی طرف متوجہ رکھتا تھا۔ جب ہی تو اپنی گزشتہ زندگی کا جو باب اس نے بند کر دیا تھا، اسے کھولنے کا کبھی خیال تک نہیں آیا تھا، بہرحال اس نے سبک روی سے قریب جا کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا تو انہوں نے فوراً سر اونچا نہیں کیا اور اس نے محسوس کیا ان کی نظریں فائل سے ہٹ کر اس کی کلائیوں پر ٹھہر گئی تھیں۔ اس کا دل یکبارگی مچلنے لگا۔

''تم کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ۔'' ان کے ٹوکنے پر جہاں وہ چونکی وہاں مچلتا ہوا دل بجھ کر رہ گیا۔ کس قدر کٹھور پن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ کم از کم اس کا دل رکھنے کی خاطر ہی اس کی نہ سہی گجروں کی تعریف کر دیتے۔ وہ دکھ سے سوچتے ہوئے اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گئی اور ایک ایک کلی نوچ کر پھینکنے لگی۔ انہوں نے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں البتہ جب اس نے آنکھوں پر باز و رکھا تب فوراً پکار کر پوچھنے لگے۔

''صبا، سو رہی ہو کیا؟'' اس نے جواب نہیں دیا تو اٹھتے ہوئے بولے۔

''چلو پہلے کھانا کھا لو پھر سونا۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے آپ کھا لیں۔'' اس نے آنکھوں پر سے باز و نہیں ہٹایا۔

''تو جاؤ، رئیس سے کہو کھانا لگا دے۔'' ان کا مقصد غالباً اسے اٹھانا تھا۔

''آپ خود کہہ دیں۔'' اس تمام عرصے میں پہلی بار ان کی بات ماننے سے انکار کیا اور فوراً کروٹ بدل گئی تو اسے اپنے وجود پر ننھی ننھی چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ یہ یقیناً ان کی نظریں تھیں، پھر وہ کمرے سے نکل گئے، اس کے بعد دوبارہ پتا نہیں کب آئے، کیونکہ وہ تو بہت دیر تک جاگتی رہی تھی اور وہ اس کے سونے کے بعد ہی آئے تھے۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو انہیں کارپٹ پر بکھری موتیے کی کلیاں چنتے دیکھ کر اسے حیرت کے ساتھ شرمندگی بھی ہوئی، فوراً اٹھتے ہوئے

بولی۔
''آپ رہنے دیں خان میں سمیٹ لوں گی۔'' انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں ساری کلیاں سمیٹ کر کھڑے ہوئے اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولے۔
''یہ تمہاری کلائیوں میں اچھے لگ رہے تھے۔''
''تھینک یو۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
اور اسی شام خان جنید ٹی وی پر اپنے مطلب کی کوئی ڈاکومنٹری فلم دیکھ رہے تھے کہ اس نے جان بوجھ کر چینل بدل دیا۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں جانے لگے کہ وہ فوراً پکار کر بولی۔
''خان' آئی ایم سوری۔ میں نے خیال نہیں کیا۔''
''کس بات کا؟'' وہ جانے سمجھے نہیں یا قصداً انجان بنے تھے۔ ''آپ یہ مووی دیکھ رہے تھے۔'' اس نے کہتے ہوئے دوبارہ چینل بدلا تو وہ ایک نظر اسکرین پر ڈال کر بولے۔
''نیور مائنڈ تم جو دیکھنا چاہو۔''
''میں یہی دیکھوں گی۔'' اس نے کہا تو انہوں نے ذرا سا کندھے اچکائے اور آ کر بیٹھے ہی تھے کہ بالکل غیر ارادی طور پر اس نے پھر چینل بدل دیا۔ تب وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔
''تم شاید مجھے اپنے ساتھ چلانا چاہتی ہو۔ آئی ایم سوری صبا یہ بہت مشکل ہے۔'' وہ حیران ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔
''اس وقت جو تمہاری سوچیں اور شوق ہیں اور جن موسموں کی تم اسیر ہو وہ سب میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں لیکن تم پر کوئی جبر نہیں جو دل چاہے کرو......اوکے۔'' وہ اس کا کندھا دبا کر اٹھ گئے اور ان کے پیچھے وہ کتنی دیر تک گم صم بیٹھی رہ گئی تھی۔



پھر کتنے دن گزر گئے۔ وہ خان جنید کی باتوں کو سمجھ کر کمپرومائز کرنے کی بجائے ان سے ضد باندھ بیٹھی' جیسے انہوں نے کہا تھا کہ جو دل چاہے کرو اور اس کا جو دل نہیں چاہتا تھا وہ کرنے لگی۔ یعنی جہاں وہ گھر میں داخل ہوتے وہ اونچی آواز میں ڈیک لگا دیتی اور حقیقتاً اس نے ہندی فلموں کو کبھی پسند نہیں کیا تھا اب خود پر جبر کر کے وہی دیکھنے بیٹھ جاتی' ساتھ بنٹی کو بھی بٹھا لیتی تھی۔
اس صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ مسلسل اخبار دیکھنے میں لگے رہے۔ اس کی ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں سے زیادہ کچھ نہیں کہا تب محض انہیں متوجہ کرنے کی خاطر اس نے چائے کا کپ اٹھاتے ہی قصداً ہاتھ سے چھوڑ دیا تو آواز پر وہ اخبار رکھتے ہوئے بولے۔
''کیا ہوا؟'' پھر ٹیبل پر چائے گری دیکھ کر خود ہی سمجھ کر رئیس کو پکارا اور اس کے آنے پر کہنے لگے۔
''ٹیبل صاف کرو اور بیگم صاحبہ کے لیے اور چائے لے آؤ۔''
''نہیں بس۔'' وہ اسی قدر کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور غصے کا اظہار زور سے کرسی دھکیل کر کیا پھر پیر پٹختے ہوئے ڈائننگ روم سے نکل آئی۔
کچھ دیر بعد وہ آئے تو ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگے۔
''میرا بریف کیس کہاں ہے۔'' اس نے جواب نہیں دیا تو قریب آ گئے۔
''کیا بات ہے کیوں اتنی کانشس ہو رہی ہو۔ چلو تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں۔''
''میرے گھر......!'' اسے جھٹکا لگا۔ ''یہی میرا گھر ہے۔''
''آئی مین تمہاری مدر کے گھر۔'' انہوں نے تصحیح کی۔
''نہیں مجھے کہیں نہیں جانا۔'' وہ ضد سے بولی تو وہ کچھ دیر اس پر نظریں جمائے کھڑے رہے پھر اسی خاموشی سے باہر نکل گئے تو وہ اپنے آپ الجھنے لگی۔ پتا نہیں اسے کیا ہو گیا تھا۔ ملازمہ کمرے کی صفائی کرنے آئی تو خوامخواہ اسے بھی ڈانٹ دیا پھر سیٹنگ روم میں آ کر بیٹھی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اسے پہلا خیال ثریا کا آیا جب ہی فوراً کال ریسیو کی تھی۔
''کیسی ہو؟'' مانوس آواز تھی جس پر کبھی دل دھڑکتا تھا اب تنفر سے بھر گیا۔
''بہت اچھی بہت خوش۔'' سلگتا لہجہ تھا جب ہی اس نے ٹوکا۔

''جھوٹی ہو تم۔''
''ہاہا...... تم یہی سوچ کر خود کو بہلاتے رہو جاذب سلیم احمد۔'' اس نے تمسخر اڑا کر کہا تو ادھر وہ خاموش ہو گیا۔
''کیوں فون کیا ہے اور میرا نمبر کہاں سے لیا؟'' اس نے ٹوک کر پوچھا۔
''پھوپو سے۔'' اس کے مختصر جواب پر وہ چڑ گئی۔
''کیوں کیا ضرورت آن پڑی۔''
''تو تمہارے خیال میں اب میں کسی ضرورت کے تحت ہی تمہیں فون کروں گا؟'' اس کے لہجے میں طنز محسوس کر کے وہ ڈھٹائی سے بولی۔
''ظاہر ہے' میری خیریت تو تمہیں مطلوب نہیں ہو گی۔''
''شاید تم ٹھیک کہتی ہو لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے اپنے ساتھ ٹھیک نہیں کیا۔ اب یہ مت کہنا کہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔'' جاذب کچھ اور بھی کہتا کہ وہ بول پڑی۔
''تھے' بہت راستے تھے۔ ابھی بھی ہیں۔ تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے سیل فون آف کیا۔



باپ کے گھر آ کر بھی وہ تنہا تھی' کوئی مہربان آغوش نہیں تھی جس میں منہ چھپا کر وہ رو سکتی' بلال احمد نے اس کی آمد کو سرسری لیا اور لبنیٰ نے بھی رسمی جملے بول کر فارمیلٹی نبھائی تھی۔ مریم تو پہلے ہی الگ تھلگ رہتی تھی گو کہ اب اس میں بڑی تبدیلی آئی تھی۔ وہ اپنے کمرے بلکہ گھر تک محدود نہیں رہی تھی۔ اس کے پاس بیٹھتی ضرور تھی لیکن مسلسل اپنے سیل فون میں مصروف رہتی اور وہ جو اپنے ماحول سے فرار کی خاطر یہاں آئی تھی تو یہاں زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کہاں جائے۔
''کوئی تو ہو۔'' اس نے شدت سے آرزو کی اور شاید یہ قبولیت کی گھڑی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے چونکے بنا کال پک کی تھی۔
''ہیلو!''
''نشاء' بیٹا تم نشاء ہو۔'' کوئی خاتون بے قراری سے تصدیق چاہ رہی تھیں۔
''جی......'' وہ ہنوز گم صم تھی۔
''بیٹا میں ثریا ہوں تمہاری امی۔''
''امی!'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ ہی وہ جیسے کسی بھنور سے نکل آئی تھی۔
''امی...... امی آپ کہاں ہیں؟ امی...... میری امی۔'' وہ تڑپ تڑپ کر پکارے گئی اور ادھر ثریا کا بھی یہی حال تھا۔
''میری بچی' میری جان' کیا تم میرے پاس آ سکتی ہو؟''
''ہاں ہاں میں آ رہی ہوں۔ ابھی آ رہی ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟'' اس کے آنسو بے تحاشا بہہ رہے تھے۔ پورے دھیان سے ایڈریس سمجھا اور کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکل آئی' گو کہ وہ اتنی پراعتماد ہرگز نہیں تھی نہ کبھی اس طرح گھر سے اکیلی نکلی تھی' لیکن شاید لگن تھی یا یقیناً خدا کو ملن منظور تھا کہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ماں کی مہربان آغوش میں بلک بلک کر رو رہی تھی۔ ثریا اسے سمیٹنے میں خود بکھر رہی تھی۔ کتنی دیر بعد آخر ثریا اٹھ کر پانی لائیں' اپنے ہاتھوں سے اسے پلایا اور بقیہ پانی اس کے منہ پر ڈال کر اپنے دوپٹے کے پلو سے اس کا چہرہ صاف کرنے لگی تو وہ ان کے ہاتھ تھام کر کہنے لگی۔
''امی...... جب آپ کو میرا پتہ معلوم تھا تو پھر اتنی دیر کیوں کی؟''
''نہیں بیٹا...... مجھے کچھ پتا نہیں تھا کہ تمہارے ابو تمہیں کہاں لے گئے ہیں۔ وہ تو ابھی شاپنگ مال پر اچانک مسز زینب شاہ سے ملاقات ہو گئی تو انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا' ان کے پاس تمہارا نمبر بھی تھا' بس میں نے فوراً گھر آ کر تمہیں کال کی۔'' ثریا نے بتایا تو وہ گلاس وال سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔
''ہمارے گھر سے یہاں کا فاصلہ بہت زیادہ تو نہیں ہے' پھر بھی کبھی ہمارا سامنا نہیں ہوا۔''

''مجھے یہاں آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا بیٹا' زندگی تو میں نے کہیں اور گزاری ہے۔ تمہارے ماموں کے گھر......'' اور ماموں کے گھر کے ساتھ ہی ثریا نے سارے ماہ و سال اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔ وہ حیرت کی تصویر بنی ایک ٹک انہیں دیکھے گئی۔

''تم بتاؤ بیٹا تم اچھی تو رہیں؟'' ثریا نے اپنی داستان غم سنا کر اس سے پوچھا تو وہ چونک کر بولی۔

''جی۔''

''سچ بتاؤ۔'' ثریا کو جانے کیوں یقین نہیں آیا اور وہ ایک پل کو ڈگمگائی لیکن فوراً سنبھل گئی کیونکہ وہ اپنی ماں کو جو ایک عمر دکھوں کی بھٹی میں سلگتی رہی تھی مزید دکھ نہیں دے سکتی تھی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں امی' مجھے تایا ابو اور تائی امی نے اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا ہے۔ کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ مجھے پڑھایا لکھایا اور پھر محسن کے ساتھ میری شادی کر دی۔'' سب سچ تھا بس ایک آخری سچ میں کڑواہٹ تھی۔

''تمہاری شادی ہوگئی؟'' ثریا نے حیرت میں گھر کر اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔

''جی...... صبا کہاں ہے؟'' اس نے مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر پوچھا۔

''ہاں' میں ابھی اسے فون کر کے بلاتی ہوں۔'' ثریا نے کہتے ہوئے سیل فون اٹھا کر صبا کو کال ملائی پھر اس کی آواز سنتے ہی بولی تھیں۔

''صبا' اگر آ سکتی ہو تو فوراً آ جاؤ بیٹا۔''

''ہاں ہاں سب خیریت ہے۔ بس تم آ جاؤ۔'' ان کی آواز کی کھنک سے ہی صبا نے کچھ اخذ کیا تھا۔

''خوشی کی ہی بات ہے۔ آؤ گی تو دیکھ لینا۔'' ثریا نے سیل فون رکھ کر اسے دیکھا وہ بے دھیانی میں انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

''آ رہی ہے صبا۔ میں جلدی سے چاول پکا لوں۔'' ثریا عجلت میں اٹھ کر چلی گئیں۔ تب چونک کر وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور ثریا کے پیچھے جاتے جاتے اچانک رک کر اس نے محسن کو کال کی اور اس کی آواز سنتے ہی بے ساختہ خوشی کے اظہار کے ساتھ کہنے لگی۔

''مونی...... مونی میں اپنی امی کے پاس ہوں۔ مجھے میری امی مل گئی ہیں۔''

''ہاں...... اب میں کچھ دن ان کے پاس رہوں گی۔ میری بہن صبا بھی آ رہی ہے۔''

''یہ سب میں آ کر بتاؤں گی۔ ٹھیک ہے۔'' سیل آف کرتے ہی خود حیران ہوگئی اور سمجھ ہی نہیں پائی کہ وہ کس بات پر حیران ہو رہی ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ لاشعور سے شعور تک سفر کرنے میں وقت لگاتی ہیں۔ جب ہی وہ نہیں سمجھ پائی کہ لاشعوری طور پر وہ اپنی سب سے بڑی خوشی جس شخص کے ساتھ شیئر کر گئی ہے وہی اس کا اپنا ہے۔

ڈور بیل کی آواز پر وہ متوجہ ہوئی۔ ثریا نے کچن سے نکل کر دروازہ کھولا پھر صبا کو اندر آتے دیکھ کر وہ جیسے ہوش میں آئی تھی۔

''پہچانو اسے۔'' ثریا نے قریب آ کر اس کی طرف اشارہ کر کے صبا سے کہا تو اس نے ابھی اس کی طرف دیکھا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''میں نشاء ہوں۔''

''نشاء۔'' صبا نے غالباً تصدیق کے لیے ثریا کو دیکھا پھر چیخ نما آواز کے ساتھ اسے گلے لگایا تو محبت کے اس اظہار پر اس کی آنکھیں چھلک گئیں۔ کتنی دیر دونوں بہنیں کبھی گلے ملتیں کبھی ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگتیں پھر گلے ملتیں' ثریا دونوں پر نثار ہوئی جا رہی تھی۔



عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر ثریا بس گھنٹہ بھر ہی ان دونوں کے ساتھ بیٹھ سکی پھر سونے چلی گئی تو وہ دونوں ٹیرس پر آ بیٹھیں۔ اوائل دسمبر میں سمندری ہوا خاصی سرد تھی لیکن وہ دونوں گرم جوش' باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا۔ وہ باتیں جو اکثر بہنیں بھی ایک دوسرے سے چھپا جاتی ہیں' اگر وہ دونوں شروع سے ساتھ ہوتیں تو کبھی یوں عیاں نہ ہوتیں لیکن دوریوں نے بے نام فاصلوں کو بھی مٹا دیا تھا۔ البتہ دونوں میں ایک فرق تھا' صبا صاف گو تھی اور نشاء مصلحتاً کہیں کہیں مبالغہ آرائی پر مجبور۔

''تمہیں جاذب کی محبت میں گزرے لمحے یاد نہیں آتے؟'' نشاء نے پوچھا۔

''نہیں' محبت ہوتی تب ناں' میں تو بس اسے اکساتی ہی رہ گئی اور وہ مجھے جھوٹی تسلیاں دیتا رہا۔ محبت کا اظہار بھی کرتا تھا لیکن خدا کی قسم اس کے اظہار نے کبھی میرے اندر ہلچل نہیں مچائی تھی۔ اس کے برعکس میں مشکوک ہی رہی۔ وہ بزدل ہی نہیں جھوٹا بھی تھا جب ہی میری محبت کو نفرت سے بدلنے دیر نہیں لگی۔'' صبا نارمل انداز میں بول رہی تھی۔

''اور سچ تو یہ ہے نشاء میں اس سے نفرت بھی نہیں کرتی۔ البتہ میرے اندر غصہ بھرا ہے۔ وہ بھی اپنے لیے نہیں امی کے ساتھ جو سلوک وہاں ہوا اس پر ابھی بھی میرا خون کھولتا ہے۔ اور میرا دل چاہتا ہے انہیں ایسا سبق سکھاؤں کہ یاد رکھیں' لیکن امی نہیں مانتیں' کہتی ہیں بس بھول جاؤ سب' کچھ بھی بھولنے والا نہیں ہے نشاء' کچھ بھی بھولنے والا نہیں ہے۔'' اس کے تنفر سے ظاہر ہو رہا تھا' نشاء نے بات بدلی۔

''اچھا جنید بھائی کیسے ہیں؟''

''ہاہاہا'' صبا بے ساختہ ہنس کر بولی۔ ''لوگ انہیں انکل کہتے ہیں۔''

''کیا مطلب؟'' وہ سمجھی نہیں۔ ''تمہیں امی نے نہیں بتایا۔ خان جنید کی تین اولادیں ہیں۔ بڑا بیٹا جمشید دو بچوں کا باپ ہے۔ پھر فریحہ ایک بیٹی کی ماں اور سب سے چھوٹا بنٹی تیرہ چودہ سال کا۔'' صبا نے مزے سے بتایا پھر اس کی ہونقوں جیسی شکل دیکھ کر بولی۔

''پریشان مت ہو وہ کوئی ستر اسی سالہ بڈھے نہیں ہیں' دیکھنے میں صرف بنٹی کے پاپا لگتے ہیں۔ بہت ہینڈسم' سوبر پرسنالٹی ہے ان کی۔''

''تم خوش ہو۔'' نشاء جانے کیوں بجھ سی گئی تھی۔

''سچ بتاؤں' میں خوش ہونا چاہتی ہوں اور ہوتی بھی ہوں لیکن کبھی کبھی اچانک پتا نہیں کیا ہوتا ہے میرا اندر خالی خالی ہو جاتا ہے' ایسے میں میں گھبرا جاتی ہوں۔'' پٹر پٹر بولتی صبا کی زبان اب رک رہی تھی اور دور تاریکی میں ڈوبے سمندر پر نظریں ٹھہر گئی تھیں۔

''جاذب کا خیال آتا ہے۔'' نشاء کے دھیرے سے پوچھنے پر بھی اسے جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''ہرگز نہیں۔ آئندہ اس کا نام مت لینا۔''

''چلو چھوڑو' یہ بتاؤ ابو جی سے ملنے کو دل چاہتا تھا؟'' نشاء نے پھر فوراً بات بدلی۔

''بہت اور میں نے انہیں ڈھونڈنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اب مجھے مایوسی ہو رہی ہے کہ جو تمہیں اپنے پاس نہیں رکھ سکے' انہیں میں کہاں یاد ہوں گی۔ خیر اب میں ان سے اسی طرح ملوں گی جیسے وہ......'' صبا نے کندھے اچکا کر بات ختم کی پھر پوچھنے لگی۔

''تمہارے ساتھ تایا تائی نے کیا سلوک کیا؟''

''کوئی برا سلوک نہیں کیا۔'' نشاء ہنس کر بولی۔

''چلو تم فائدے میں رہیں۔ خونی رشتوں نے بھرم رکھ لیا۔'' صبا نے اپنی دھن میں کہہ کر پوچھا۔ ''محسن کیسا ہے؟''

''اب تو بہتر ہے؟'' وہ بے دھیانی میں کہہ گئی۔

''اب بہتر ہے مطلب؟'' صبا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''میرا مطلب ہے پچھلے دنوں اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔''

''کیا ہوا تھا؟''

''وہی موسمی کھانسی بخار۔'' اس نے بتا کر جھرجھری لی۔ ''خنکی بڑھ گئی ہے' صبا چلو اندر چلیں۔''

''ہاں چلو۔ سونا چاہیے ورنہ صبح امی ناشتے پر پکارتی رہیں گی۔'' دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں' پھر اندر جاتے جاتے نشاء نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ تاریکی میں سمندر بہت خوف ناک لگ رہا تھا۔



محسن ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ساجدہ بیگم کو یہ بتائے یا نہیں کہ نشاء اپنی امی کے گھر ہے کہ وہ خود آ کر پوچھنے لگیں۔

''نشاء کب آئے گی بیٹا؟''

''آ جائے گی امی۔'' وہ ابھی بھی گومگو میں تھا۔

''آ تو جائے گی' میں پوچھ رہی ہوں کب تک آئے گی؟ کتنے دنوں کا کہہ کر گئی تھی تم سے؟'' ساجدہ بیگم جانے کیوں پریشان ہو رہی تھیں۔

''دنوں کی بات تو نہیں ہوئی تھی امی' بس وہ جانا چاہتی تھی میں نے بھیج دیا۔'' اس نے بتایا تو وہ زچ ہو کر بولیں۔

''شاباش ہے بیٹا۔ اس کا مطلب ہے تم خود ہی اس سے جان چھڑانا چاہتے ہو۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی۔ میں اپنی جان سے جان چھڑانا چاہوں گا۔''

”تو بیٹا تمہیں پوچھنا تو چاہیے تھا بلکہ کہنا چاہیے تھا کہ جا رہی ہو تو جلدی واپس آنا۔“ ساجدہ بیگم نے نرم پڑ کر کہا۔

”اصل میں امی نشاء چچا جان کے گھر نہیں ہے۔ وہ اپنی امی کے پاس ہے۔“ وہ بتا کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا جو اچانک رنگ بدل گیا تھا۔

”ثریا کے پاس‘ وہاں کیسے پہنچ گئی؟“

”پتا نہیں‘ یہ تو وہ آ کر بتائے گی۔“ وہ کہہ کر پوچھنے لگا۔ ”آپ پریشان کیوں ہو گئیں امی۔“

”پریشانی کی بات ہے تمہارے ابو کو پتا چلا تو......“ جلال احمد کو آتے دیکھ کر ساجدہ بیگم ایک دم خاموش ہو گئیں لیکن وہ ان کی بات سن چکے تھے۔

”کیا پتا چلا مجھے‘ کیا ہوا ہے؟“ جلال احمد نے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا تو ساجدہ بیگم خائف ہو کر محسن کو دیکھنے لگیں۔

”اسے کیا دیکھ رہی ہو۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔“ جلال احمد مزید تیز ہوئے تو محسن بول پڑا۔

”کچھ نہیں ہوا ابو۔ نشاء اپنی امی سے ملنے گئی ہے۔“

”کیا؟“ جلال احمد کی پیشانی پر بے شمار شکنیں پڑ گئی تھیں۔ ”تم نے تو بتایا تھا بلال کے ہاں گئی ہے۔“

”جی وہیں گئی تھی پھر وہاں سے ثریا چچی کے پاس چلی گئی۔“ محسن کے اطمینان سے کہنے پر جلال احمد کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر جیب سے سیل فون نکال کر بلال احمد کو کال ملائی۔

”ہاں بلال‘ نشاء کو اس کی ماں کے گھر تم نے خود بھیجا ہے۔“ پھر دوسری طرف کی بات سن کر کہنے لگے۔

”نہیں...... مجھے ابھی محسن نے بتایا ہے۔ برا مت ماننا بلال تمہاری بیٹی بہت خودسر ہو گئی ہے۔ محسن کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھانے لگی ہے۔“

”مجھ سے پوچھے تو میں منع کروں‘ وہ محسن کو بتا کر جاتی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انہوں نے سیل آف کر کے ساجدہ بیگم کو دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

”کیا ضرورت تھی بلال کو بتانے کی۔“

”اس کے گھر سے گئی ہے اور اسے پتا نہیں۔ اس کے علم میں ہونا چاہیے تاکہ کل کو کوئی بات ہو تو ہمیں الزام نہ دے۔“ جلال احمد کہہ کر کمرے سے نکل گئے تو ساجدہ بیگم فوراً محسن سے بولیں۔

”مونی‘ نشاء کو فون کر و اسے کہو فوراً آ جائے۔“

”آ جائے گی امی‘ وہ کہہ رہی تھی ایک دو دن میں آ جائے گی۔“ وہ عاجز ہو رہا تھا ساجدہ بیگم پھر زچ ہو گئیں۔

”ایسا کیا گھول کے پلا دیا ہے نشاء نے تمہیں کہ تم اب مجھ سے جھوٹ بولنے لگے ہو۔ میں مانتی ہوں تم نے نشاء کو فون کیا ہوگا لیکن تمہاری اس سے بات نہیں ہوئی۔“

”جی...... وہ اس کا سیل آف تھا۔“ وہ جز بز ہوا۔

”کیوں...... کیوں آف کر رکھا ہے اس نے اپنا سیل فون۔ کیا سارے تعلق توڑ کر گئی ہے وہ جو رابطے بھی توڑے بیٹھی ہے؟“

”اُفوہ‘ ایسا کچھ نہیں ہے امی۔“ وہ جھنجلا۔ ”وہ بس ایک ہی روٹین سے گھبرا جاتی ہے۔ آپ احسن بھائی کی شادی کیوں نہیں کرتیں۔ گھر میں ایک اور لڑکی آ جائے گی تو نشاء بھی بہل جائے گی۔“

”ہاں لیکن......“ ساجدہ بیگم سوچ میں پڑ گئیں۔

”بس اب آپ احسن بھائی کے لیے لڑکی دیکھنے کی مہم شروع کر دیں۔“ محسن نے کہا تو وہ اسی سوچتے انداز میں بولیں۔

”احسن مانے تب ناں۔“

”کیوں‘ احسن بھائی کیا کہتے ہیں؟“ اس نے فوراً پوچھا۔

”ابھی نہیں‘ بس اس کی ایک ہی رٹ ہے۔ ابھی نہیں۔ پتا نہیں کیا سوچ رکھا ہے اس نے۔“ وہ اب احسن کے لیے فکر مند ہو رہی تھیں۔

”میں بات کروں گا بھائی سے بلکہ انہیں مناؤں گا‘ دیکھئے گا وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔“ محسن نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔



سرکش لہروں کو پیچھے چھوڑتی وہ دونوں بینچ پر آ بیٹھیں۔ شام ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ ویک اینڈ کے باعث ساحل کی رونق بڑھتی جارہی تھی۔ نشاء کی نظریں نارنجی گولے کے ساتھ سفر کررہی تھیں۔ شاید وہ اسے ڈوبتے ہوئے دیکھنا چاہتی تھی جب ہی ہر طرف سے بے نیاز ہوگئی تھی کہ اچانک صبا اس کا بازو ہلا کر بولی۔

''نشاء دیکھو کتنا خوب صورت کپل ہے۔'' نشاء اس کے اشارے کی سمت دیکھتے ہی چونک کر بے ساختہ بولی تھی۔

''یہ تو مریم ہے۔''

''مریم؟'' صبا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ رک کر بولی۔

''ہماری بہن۔''

''مطلب سوتیلی بہن۔'' صبا نے فوراً سمجھ کر کہا۔

''ہاں یہ ابو کی دوسری بیوی سے ہے جن کا شاید اس کی پیدائش پر ہی انتقال ہوگیا تھا۔ اس نے بتایا تو صبا نے افسوس کے ساتھ پوچھا۔

''اوہ...... ان کے بعد ابو نے تیسری شادی کی؟''

''ہاں مجھے تائی امی نے نہیں بتایا تھا۔ مریم سے پتا چلا' بے چاری بہت اکیلی تھی۔ لیکن اب یہ اس کے ساتھ پتا نہیں کون ہے؟'' نشاء پھر مریم اور ریان کو دیکھنے لگی جو ست روی سے لہروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کوئی کزن ہوگا۔'' صبا نے بے نیازی سے کہا تب ہی اس کے سیل فون کی ٹون بجنے لگی تو اسکرین پر خان' دیکھ کر اس نے کال ریسیو کی۔

''جی خان صاحب۔''

''ابھی۔''

''اوکے۔'' وہ سیل آف کرکے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو نشاء خان صاحب آرہے ہیں۔''

''تمہیں لینے؟'' نشاء نے اٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ ذرا سا ہنسی پھر کہنے لگی۔

''لانے لے جانے کا کوئی سلسلہ تو نہیں ہے۔ مطلب میں خود ہی آتی جاتی ہوں پھر بھی اگر انہوں نے کہا تو چلی جاؤں گی یا نہ جاؤں؟''

''نہیں ضرور جاؤ۔'' نشاء بے ساختہ کہہ گئی۔

''تم تو ابھی رہوگی ناں؟''

''ہاں ابھی تو میں نے امی سے جی بھر کے باتیں بھی نہیں کیں۔''

''ٹھیک ہے پھر میں جلدی آؤں گی۔'' دونوں باتیں کرتی ہوئی گھر پہنچیں تو ثریا چائے پر کافی اہتمام کرچکی تھیں۔

''جلدی سے منہ ہاتھ دھوکر آجاؤ میں چائے نکالتی ہوں۔'' ثریا نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

''ابھی رک جائیں امی' خان صاحب آرہے ہیں۔'' صبا کہتے ہوئے سیدھی واش روم چلی گئی اور نشاء نے کچن کا رخ کیا۔

''پھر خان جنید کے آنے پر ہی نشاء چائے لے کر آئی تھی باقی لوازمات اس نے پہلے سے ہی ٹیبل پر رکھ دیئے تھے۔

''خان' یہ میری بہن ہے نشاء۔'' صبا نے اس کا تعارف کرایا۔

''السلام علیکم۔'' نشاء اب حیران نہیں مرعوب تھی۔

''آپ کہاں ہوتی ہیں؟'' خان جنید نے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دے کر پوچھا تو نشاء بے اختیار بولی۔

''اپنے گھر۔'' انہوں نے مسکرا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

پھر ثریا کا اصرار تھا کہ وہ رات کا کھانا کھا کر جائیں لیکن انہوں نے سہولت سے منع کردیا۔

چائے کے بعد کچھ دیر بیٹھے پھر صبا کو چلنے کا اشارہ کیا تو اس نے ثریا سے اجازت لی اور نشاء سے پھر جلدی ملنے کا کہہ کر ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔

''میرا خیال تھا آپ مجھے بھول گئے ہوں گے۔'' صبا نے گاڑی میں بیٹھتے ہی کہا تو وہ حیران ہوئے۔ ''یہ خیال کیوں آیا تمہیں؟''
''پتا نہیں، لیکن آیا ضرور۔'' اس کی صاف گوئی پر وہ ذرا سا مسکرائے پھر گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولے۔
''کوئی اپنی چیز کو بھی بھولتا ہے۔'' اور اس کے اندر باہر یہاں وہاں ہر طرف دھنک رنگوں کی برسات اتر آئی تھی۔ کتنا مبہم سا اظہار تھا' گھر آنے تک وہ ان چند لفظوں کے سحر میں گرفتار رہی تھی۔
''کہاں چلی گئی تھیں؟'' وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوئی آصف جاہ نے اسے دیکھ کر یوں پوچھا جیسے مسلسل اسے کھوجتا رہا ہو۔
''افق کے اس پار۔'' اس نے کھلتی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو پوچھنے لگا۔
''کس کے ساتھ؟''
''ظاہر ہے خان کے ساتھ اور ابھی وہ مجھے وہیں سے لے کر آ رہے ہیں۔'' اس نے کہتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا خان جنید آ رہے تھے۔ جیسے ہی قریب آئے آصف جاہ انہیں سلام کر کے بولا۔
''انکل یہ آپ نے بہت اچھا کیا' خاتون خانہ کو لے آئے ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔''
''ہوں۔'' خان جنید کی آواز صرف اس نے سنی اور ان دونوں کو وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔
ابھی کچھ دیر پہلے خان جنید کے مبہم سے اظہار نے اسے جتنا سرشار کیا تھا اتنا ہی آصف جاہ کا بے ساختہ اور برملا اظہار پریشان کر رہا تھا۔
''ان کے بنا گھر بہت سونا سونا لگ رہا تھا۔''

(جاری ہے)



# تیرے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

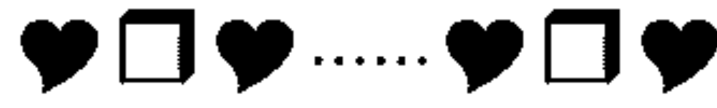
## ﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

خان جنید اور صبا کی شادی سے ان کے بچے خوش نہیں ہوتے لیکن انہیں اب اس کی پروا نہیں کیونکہ انہوں نے یہ شادی بنٹی کی خاطر کی ہے تاکہ وہ اسے بہتر طور پر سنبھال سکے۔ آصف جاہ، خان جنید کے دوست کا بیٹا ہے جسے انہوں نے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے وہ صبا کی آمد سے کافی خوش ہوتا ہے۔ جاذب کی زبانی راحیلہ خاتون کو صبا کی شادی کا علم ہوتا ہے جب ہی وہ فلیٹ پہنچ کر تمام حالات کا جائزہ لیتی ہیں۔ ثریا صبا کی شادی کے بعد اب قدرے مطمئن نظر آتی ہے، صبا اپنی اس نئی زندگی کی خوشیوں میں خان جنید کو بھی شریک کرنا چاہتی ہے لیکن عمروں کا فرق ان کے رشتے میں اکثر حائل ہو جاتا ہے۔

نشا محسن کی طرف سے دن بدن بے پروا ہوتی جاتی ہے ایسے میں جلال احمد واضح الفاظ میں اسے سرزنش کرتے ہیں اسی دوران احسن بھی وطن لوٹ آتا ہے۔ ڈاکٹر تانیہ اس کی آمد سے بے حد خوش ہوتی ہے دوسری طرف احسن بھی نشاء کو مونی کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہے لیکن وہ سب باتوں کو نظرانداز کرتی اپنے گھر چلی آتی ہے۔ اچانک ثریا کی کال آنے پر وہ بتحاشہ خوشی میں اپنی ماں سے ملنے ان کے فلیٹ پہنچ جاتی ہے۔ ثریا کو اس کا نمبر مسز زینب شاہ سے مل جاتا ہے جب ہی وہ صبا کو بھی اپنے پاس بلالیتی ہیں دونوں بہنیں طویل عرصے بعد ایک دوسرے کے ساتھ بے حد خوش ہوتی ہیں اور اپنے دکھ سکھ شیئر کرتی ہیں، صبا خان جنید سے اپنی شادی اور راحیلہ خاتون اور ماموں کے ناروا سلوک کے متعلق بتاتی ہے جبکہ نشا کے پاس بھی بتانے کو بہت کچھ ہوتا ہے مگر وہ خاموشی اختیار کرلیتی ہے۔

بلال احمد کو نشا اور ثریا کی ملاقات کا علم ہوتا ہے تو وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ دوسری طرف محسن نشا کو گھر آنے کا کہتا ہے جس پر وہ جلد آنے کا کہہ کر فون بند کردیتی ہے مریم کی دوستی ریان سے ہوجاتی ہے اور ہر گزرتے دن ان کا رشتہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔

## ﴿اب آگے پڑھیے﴾



تانیہ کتنے دنوں سے انہیں بلا رہی تھی اور وہ کوئی نہ کوئی بہانا کردیتے تھے' وہ قصداً اس سے گریز کررہے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتے تھے' لیکن وہ جو چاہتی تھی اس کے لیے وہ تیار نہیں تھے۔ یعنی شادی کے بارے میں انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا اور اگر تانیہ نے ازخود ان سے امیدیں وابستہ کرلی تھیں تو یہ اس کی غلطی تھی۔ اس وقت اس کے کتنے فون آچکے تھے۔ وہ پہلے جھنجلائے پھر کچھ سوچ کر اس کے پاس آئے تھے۔

''کیوں بھاگ رہے ہو مجھ سے؟'' تانیہ نے چھوٹتے ہی کہا تو انہوں نے بھی بات کو گھمایا نہیں بے حد سنجیدہ ہوکر بولے۔

''دیکھو تانیہ میں Honesty تم سے کہہ رہا ہوں کہ میرے انتظار میں تم اپنی عمر مت گنواؤ۔''

''تمہارا مطلب ہے مجھے شادی کرلینی چاہیے۔'' اس کے شاکی ہونے پر وہ زچ ہوئے۔

''ہاں میرا یہی مطلب ہے۔''

''یہی بات میں تم سے کہوں' تم کیوں نہیں شادی کرتے؟'' وہ جرح پر اتر آئی۔

''میرے شادی نہ کرنے کی وجہ ہے۔''

''وہی تو پوچھ رہی ہوں' اب کیا وجہ ہے؟''

''وہی جو پہلے تھی' یعنی میرا بھائی۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہوسکتا۔ شادی کرلوں گا تو فطری بات ہے' میری توجہ بٹ جائے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میری بیوی کو میرا اپنے بھائی کے ساتھ اٹیچ ہونا پسند نہ آئے۔'' انہوں نے بہت ضبط سے کہا تو وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔

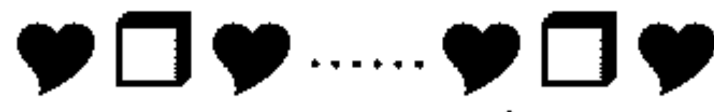
''تم ایسا کیوں سوچتے ہو احسن' یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تمہاری بیوی تمہارا ساتھ بھی دے سکتی ہے۔''

احسن خاموشی سے اسے دیکھنے لگے اور وہ جانے کیا سمجھ کر بولی تھی۔

''تم شاید مجھ سے کوئی وعدہ لینا چاہتے ہو ہچکچا کیوں رہے ہو احسن' جو کہنا ہے کہہ ڈالو۔''

وہ نفی میں سر ہلا کر دوسری سمت دیکھنے لگے' اب اس لڑکی کو کیا بتائیں۔

''ایمانداری سے بتاؤ احسن، تمہیں واقعی اپنے بھائی کا خیال ہے یا کوئی اور بات ہے۔'' تانیہ نے پوچھا اور ان کے ایکدم دیکھنے پر جیسے سمجھ کر بولی تھی۔
''تو اور بات ہے۔''
''نہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔'' انہوں نے سختی سے انکار کیا' اور اس کی کھوجتی نظروں سے گھبرا کر فوراً وہاں سے نکل آئے تھے۔
تانیہ سے تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اور کوئی بات نہیں ہے لیکن خود کو باور نہیں کرپا رہے تھے۔ جانے گھٹن فضا میں تھی یا ان کے اندر' گھنٹوں بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے رہے۔ شام سے رات ہوگئی' جب گھر لوٹے تو ساجدہ بیگم انتظار میں اور پریشان بھی تھیں۔
''کہاں چلے گئے تھے؟'' ساجدہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا اور جواب میں بے ساختہ سوال تھا۔
''نشاء آگئی؟''
''نہیں' اس کا کوئی اتا پتہ نہیں ہے۔ محسن جھوٹ بول رہا ہے مجھ سے۔'' ساجدہ بیگم نے فکرمندی سے کہا تو وہ سمجھے نہیں۔
''کیا مطلب' مونی کیا جھوٹ بول رہا ہے؟''
''وہ کہتا ہے نشاء سے فون پر بات ہوئی ہے لیکن مجھے نہیں لگ رہا' پتا نہیں کیوں وہ اس کی ہر بات چھپاتا ہے۔ اس کی کوتاہیوں کا الزام اپنے سر لے لیتا ہے۔'' انہوں نے خاموشی سے ساجدہ بیگم کی بات سنی پھر جیب سے سیل فون نکال کر نشاء کو کال ملائی اور پاور آف سن کر ہونٹ بھینچے تھے' کہ ساجدہ بیگم سمجھ کر بولیں۔
''دیکھا' وہ فون بند کیے بیٹھی ہے۔''
''آپ لوگوں نے بھی تو زیادتی کی ہے اس کے ساتھ۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ گئے تو ساجدہ بیگم تڑپ کر بولیں۔
''میں نے نہیں صرف تمہارے ابو نے۔ میں نے تو انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ یہ بھی بتایا تھا کہ تم نشاء کے لیے کہہ گئے تھے' لیکن وہ مانے ہی نہیں' یہی کہتے رہے کہ اگر تمہاری اور نشاء کی شادی ہوگئی تو پھر تم دونوں مونی کا خیال نہیں رکھو گے۔''
''بس کریں امی۔'' وہ ان باتوں سے تنگ آکر اٹھ کھڑے ہوئے' پھر جاتے جاتے بولے تھے۔
''پریشان مت ہوں' آجائے گی نشاء۔''



شام میں سلیم احمد پوری فیملی کے ساتھ آگئے تھے تو پھر ثریا نے انہیں رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ راحیلہ خاتون نشاء سے کرید کرید کر اس کے دادھیال سے متعلق سوال کرنے لگیں تو اس نے گھبرا کر کچن میں پناہ لی تھی۔ صبا نے جو نقشہ ان کا کھینچا تھا وہ اس سے کہیں بڑھ کر تھیں اور اسے جاذب بھی کوئی خاص نہیں لگا تھا' جب ہی اس نے شکر کیا کہ صبا کی شادی اس سے نہیں ہوئی۔
''تم صبا سے بہت مختلف ہو۔'' کھانے کے بعد جب وہ چائے بنا رہی تھی تو نگار کچن میں اس کے پاس آگئی تھی۔
''ظاہر ہے وہ ننھیال میں رہی ہے اور میں ددھیال میں' مختلف تو ہوں گی ہی۔'' وہ ٹرے میں کپ رکھتے ہوئے سیدھے سادے انداز میں بولی تھی۔
''تمہیں پتا ہے صبا جاذب کو پسند کرتی تھی۔'' نگار نے جانے کیا جتانے کی کوشش کی تھی۔
''اچھا! اور جاذب بھائی......؟'' اس نے ناگواری چھپا کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔
''جاذب تو بہت سیدھا ہے......'' نگار ابھی کچھ اور بھی کہتی کہ وہ بول پڑی۔
''ہاں لگ رہے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے ٹرے اٹھالی۔ ''چلیں چائے پی لیں۔'' پھر چائے کے بعد بھی وہ لوگ کتنی دیر بیٹھے رہے۔ راحیلہ خاتون ثریا سے جانے کیا راز و نیاز کر رہی تھیں وہ تو ان کے جانے کے بعد ثریا نے بتایا کہ راحیلہ خاتون جاذب اور نگار کے لیے ڈیفنس کے رشتے چاہتی ہیں اور ان کے خیال میں ثریا اس سلسلے میں کوشش کر سکتی ہے۔
''حد ہوتی ہے امی مطلب پرستی کی۔ مامی جی آپ کے ساتھ اپنا سلوک بھول گئیں۔''
اس نے کہا تو ثریا افسوس سے بولیں۔
''دنیا ایسی ہی ہے بیٹا' رشتوں ناتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سب کچھ پیسہ ہی ہے۔'' پھر اس کا گال چھو کر بولیں۔ ''چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ تم تھک تو نہیں گئیں' شام سے کچن میں کھڑی تھیں۔''

''ارے نہیں امی' کھانا پکانے میں بھی کوئی تھکتا ہے۔ میں اپنے گھر میں بھی پکاتی ہوں۔'' اس نے ثریا کو اطمینان دلایا۔
''سارا کام تم کرتی ہو؟'' ثریا کو تشویش نہیں تھی' اشتیاق تھا۔
''نہیں اوپر کے کام ملازمہ شالی کرتی ہے' اور پہلے تو کھانا پکانے کے لیے بوا تھیں وہ چلی گئیں تو اب میں پکاتی ہوں۔ تائی امی بھی پکا لیتی ہیں' لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا ان کا کام کرنا۔'' اس نے بتایا تو ثریا خوش ہو کر بولیں۔
''شاباش بیٹا! مجھے خوشی ہے تمہاری تائی امی نے تمہاری اچھی تربیت کی۔ انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ دینا۔'' اس نے سر جھکا لیا تو پوچھنے لگیں۔
''محسن کا فون آیا؟''
''جی...... نہیں۔ میرا مطلب ہے انہوں نے فون کیا تو ہو گا لیکن میرا سیل فون آف ہے۔'' وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔
''کیوں بیٹری لو ہے۔ جاؤ پہلے فون چارج کرو۔'' ثریا کہہ کر نماز کے لیے اٹھ گئیں تو اس نے موبائل چارج پر تو لگا دیا لیکن آن نہیں کیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ ثریا نماز سے فارغ ہو کر آتیں وہ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ حالانکہ نیند کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ آنکھوں پر بازو رکھ کر وہ جانے کس سے چھپنا چاہ رہی تھی۔ شاید ثریا کے سوالوں سے۔
''میں امی کو کیسے بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟ میں نے تو ایسا نہیں چاہا تھا۔'' اس نے سوچا تو اس تمام عرصے میں پہلی بار دل نے ٹوکا تھا۔
''یہ صحیح ہے کہ تم نے ایسا نہیں چاہا تھا لیکن اب جبکہ تمہاری زندگی کا مرکز ہی ایک روگی شخص ٹھہرا ہے تو پھر اس کے دامن میں محبتوں کے پھول ڈالنے میں تمہیں اعتراض کیوں ہے؟''
''میرے ساتھ زیادتی ہوئی ہے...... اپنے ضمیر کی عدالت میں وہ سرخرو ہونا چاہتی تھی۔
''اس سے کہیں بڑی زیادتی تم اس شخص کے ساتھ کر رہی ہو جس کا جرم یہ ہے کہ وہ تمہارے التفات کو محبت پر محمول کر کے تم سے بڑھ کر تمہیں چاہنے لگا ہے۔ اگر تم اس سے محبت نہیں کر سکتیں تو اس کی محبت قبول کر لو۔ وہ مایوس اور ٹوٹا ہوا شخص پھر سے جی اٹھے گا۔''
وہ نہیں نہیں کی تکرار کرنا چاہتی تھی کہ سماعتوں پر دستک ہونے لگی۔
''واقعی محبت میں بڑی طاقت ہے' مردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ مجھے دیکھو میں جو ٹوٹا ہوا شکستہ سا اور اپنے آپ سے حد درجہ مایوس انسان تھا' تمہاری محبت کا احساس ملتے ہی جی اٹھا ہوں۔''
اس کا دل ڈوبنے لگا۔
''میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی میری زندگی میں بھی بہار آ سکتی ہے۔ تمہاری محبت نے تو اچانک ایسے پھول کھلائے ہیں کہ میں صرف چند برس نہیں بلکہ برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا ہوں۔''
''کتنی بری ہوں میں......'' ایک پل میں ڈھیر ساری ندامتوں نے آن گھیرا۔ ''پتا نہیں کس کس کی زیادتی کا بدلہ اس سے لے رہی ہوں' جس کا سرے سے کوئی قصور ہی نہیں۔
''مونی......'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ وہ جھٹکے سے اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکلی تھی۔
ثریا جاء نماز پر بیٹھی نماز کے بعد تسبیح میں مصروف تھیں۔
''امی' مجھے گھر جانا ہے۔'' اس نے ثریا کے قریب گھٹنے ٹیک دیئے۔
''ابھی کیا فون آیا ہے گھر سے؟'' ثریا نے نرمی سے پوچھا۔
''جی وہ...... بس آپ ڈرائیور سے کہیں مجھے گھر چھوڑ آئے۔''
''صبح چلی جانا بیٹا۔'' ثریا نے وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا۔
''نہیں امی مونی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں ابھی جاؤں گی۔'' وہ بہت حساس ہو رہی تھی۔ ثریا اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
''میں پھر جلدی آؤں گی امی۔'' وہ ثریا کے گلے لگ گئی پھر اس کے ساتھ نیچے آئی تو ثریا نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا تھا۔
تمام راستہ اس پر عجیب سی کیفیت طاری رہی تھی۔ کبھی محسن کے ساتھ اپنے نامناسب اور ہتک آمیز رویے پر دل رونے لگتا' اور کبھی اس

کی محبتوں میں کھو جاتی' جب گاڑی رکی تب وہ چونکنے کے ساتھ ہی اتر آئی۔ اور اچھا ہوا جو چوکیدار نے اسے دیکھ کر گیٹ کھول دیا یوں وہ فوری کسی کا سامنا ہونے سے بچ گئی اور سیدھی اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔

محسن بیڈ کراؤن پر سر رکھے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ایکدم بڑھ کر اس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی تو وہ چونکنے کے ساتھ ہی پریشان ہو گیا۔

''نشاء' کیا ہوا ہے نشاء' تم رو کیوں رہی ہو؟''

''میں بہت بری ہوں مونی' آپ کا خیال نہیں کرتی' چھوڑ کر چلی جاتی ہوں آپ کو۔'' وہ روتے ہوئے بولی تھی۔

''کس نے کہا چھوڑ کر چلی جاتی ہو' تم تو ہر دم میرے پاس رہتی ہو۔'' محسن کی آواز بوجھل تھی۔

''اتنی محبت......'' وہ اس کے سینے سے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''کیوں کرتے ہیں آپ مجھ سے اتنی محبت' کیا کرتی ہوں میں آپ کے لیے۔ سوائے آپ کی دل آزاری کے' میں نے کیا ہی کیا ہے؟''

''نہیں نشاء' مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگتی۔ کڑوا بولنا تمہارا حق ہے کیوں کہ میں اس طرح تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا جیسا تم چاہتی ہوگی۔'' وہ ابھی بھی اسے سرخرو کر رہا تھا۔

''میں کچھ نہیں چاہتی۔ بس آپ مجھے معاف کر دیں۔ بہت تنگ کیا ہے میں نے آپ کو۔'' محسن اس کے چہرے پر آئے بال ہٹانے لگا تو وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''معاف کر دیں مونی' میں تایا ابو کی زیادتی کا بدلہ آپ سے لیتی رہی ہوں۔''

''ابو کی زیادتی کیا کیا ہے انہوں نے؟'' محسن نے حیران ہو کر پوچھا تو وہ ایکدم ٹپٹا گئی پھر سنبھل کر بولی تھی۔

''وہ مجھے ڈانٹتے ہیں کہ میں آپ کا خیال نہیں رکھتی۔''

''کس نے کہا ان سے' ایک تم ہی تو میرا خیال رکھتی ہو۔''

''نہیں مونی...... میں واقعی آپ کی طرف سے بہت غافل ہو گئی تھی' لیکن اب ایسا نہیں ہوگا' آپ پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' وہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر رو پڑی۔

''بے وقوف...... محسن نے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا اور اس کے سر پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے بولا۔ ''سچ کہوں نشاء میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔''

''اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ بس وہ امی......'' وہ ایکدم اس سے الگ ہو کر اسے ثریا کے بارے میں بتانے لگی تھی۔



اس کا سارا سکون اچانک درہم برہم ہو گیا تھا۔ متضاد کیفیات نے اسے ڈسٹرب کر دیا اور یہ ساری ڈسٹربنس آصف جاہ کی وجہ سے تھی۔ جس کی باتوں بلکہ ہر انداز سے بھرپور زندگی کا احساس ملتا تھا۔ وہ چاہتی بھی تو اسے نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اس گھر میں اس کے آس پاس رہتا تھا۔ اس گھر کے فرد کی طرح تھا اور ابھی تک کسی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ جو کہتی بڑے آرام سے مان لیتا' بالکل کسی سعادت مند بچے کی طرح' لیکن کسی وقت یوں ہوتا کہ وہ اچانک اس پر حاوی ہو جاتا اور ایسے ہی لمحوں میں وہ پریشان ہو جاتی تو بھاگ کر خان جنید کی پناہوں میں چھپنے کی کوشش کرتی بڑی مضبوط پناہ گاہ تھی غیر معمولی تحفظ کا احساس بخشتی ہوئی اور اب جانے کیا ہوا تھا کہ اس پناہ گاہ میں آنے سے پہلے اسے بہت سی آرزوؤں کو بھینٹ چڑھانا پڑتا تھا۔ جیسے شام میں وہ کیسے سرسری انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''آپ کی شادی آپ کی مرضی سے ہوئی یا گھر والوں نے زبردستی کی تھی؟''

''سراسر میری مرضی سے۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''واقعی' کیا آپ کو اپنی پسند ناپسند بتانے کا اختیار حاصل تھا۔'' وہ بے حد حیران ہوا اور وہ سمجھی نہیں جب ہی گردن اکڑا کر بولی تھی۔

''جناب' میری فیملی کوئی اتنی بیک ورڈ نہیں ہے۔''

''پھر آپ نے اس شادی پر اعتراض کیوں نہیں کیا؟'' آصف جاہ کے الجھنے پر وہ سمجھی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے تب پہلے ذرا سا ہنسی اس کے بعد کہا تھا۔

''تم یہ کہنا چاہتے ہو ناں کہ خان مجھ سے بہت بڑے ہیں تو ایسا ہے آصف جاہ کہ مجھے ہمیشہ سے میچور لوگ پسند رہے ہیں اس لیے جب

شادی کی بات ہوئی تو میں نے تمہارے جیسوں کو چھوڑ کر خان کا انتخاب کیا۔'' ایسے موقعوں پر جب وہ کچھ جتانا چاہتا تھا تو وہ بدلہ ضرور لیتی تھی۔ جب ہی تمہارے جیسوں کہا تو وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر بولا۔

''آپ کو پتا ہی نہیں کہ میرے جیسے زندگی میں کیسے رنگ بھرتے ہیں۔''

''اچھا......'' اس نے ہنستے ہوئے اس کی بات کو اڑانا چاہا تھا کہ اس نے اچانک اس کا ہاتھ تھام کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ بس ایک پل اس کے بعد فوراً احساس ہونے پر وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر خود ہی پیچھے ہٹ گیا' لیکن اس ایک پل کی گرفت مضبوط تھی' کہ وہ ابھی تک اس سے نکل نہیں پائی تھی۔

رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ ذہنی انتشار کے باعث اس کا سر درد سے پھٹنے لگا۔ آنکھوں کے پپوٹے الگ بھاری ہو گئے تھے۔ تب دھیرے سے خان جنید کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تو یوں لگا جیسے دہکتے انگاروں پر نرم نرم پھوار پڑنے لگی ہو اور خان جنید کو غالباً تپش کا احساس ہوا تھا فوراً اٹھ گئے اور اس کی آنکھوں پر رکھا اپنا ہاتھ ذرا سا نیچے کر کے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑتے ہوئے تشویش سے بولے۔

''صبا' تمہیں بخار ہو رہا ہے' تم نے بتایا نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں اس روانی سے پانی اترا کہ کناروں سے چھلک گیا۔

''ارے!'' وہ نرمی سے اس کے آنسو سمیٹ کر بولے۔ ''ٹھہرو میں کوئی ٹیبلٹ دیکھتا ہوں۔''

''نہیں......میں سونا چاہتی ہوں۔'' اس نے کروٹ بدل کر ان کے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔

صبح تک اس کا بخار تیز ہو چکا تھا۔ خان جنید نے اسے اٹھایا نہیں اور جب وہ خود سے اٹھی کافی دن چڑھ آیا تھا۔ خان جنید کمرے میں ہی موجود تھے اسے اٹھتے دیکھ کر کہنے لگے۔

''میں نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے' آنے والے ہوں گے تم جب تک ناشتا کر لو۔''

''نہیں بس' میں صرف چائے پیوں گی۔'' وہ تکیہ سیدھا کر کے اس کے ساتھ کمر ٹیک کر بیٹھتے ہوئے بولی تو وہ خود ہی چائے لینے چلے گئے۔ واپس آئے تو چائے کے ساتھ بوائل انڈا بھی تھا۔ جسے کھلانے کے لیے انہیں اصرار نہیں کرنا پڑا۔ کیونکہ جہاں اصرار کی بات آتی وہاں وہ رعب سے کام لیتے اور وہ فوراً مرعوب ہو جاتی تھی۔

''یہ شخص اپنی منوا لیتا ہے اور میری مان لیتا ہے۔ زندگی میں اس کے علاوہ بھی تو کچھ ہے ماننے اور منوانے کا درمیانی عرصہ......'' اس نے چائے پیتے ہوئے سوچا تب ہی ملازم نے آ کر ڈاکٹر کے آنے کی اطلاع دی تو خان جنید جا کر ڈاکٹر صاحب کو اندر لے آئے۔ چیک اپ کے بعد انہوں نے میڈیسن لکھ دیں اور خان جنید کے پوچھنے پر ٹینشن بتایا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا جس سے وہ اندر ہی اندر سہم گئی کہ اگر انہیں اس کے ذہنی انتشار کا سبب معلوم ہو گیا تو؟

پھر ڈاکٹر کے جانے کے بعد خان جنید نے ملازمہ کو بلا کر اس کے کھانے اور دوا سے متعلق ہدایات دیں اور اسے مکمل ریسٹ کی تائید کرتے ہوئے آفس چلے گئے تو اس نے کچھ دیر خود کو اخبار میں مصروف رکھا پھر تھک کر سو گئی تھی۔

وہ زیادہ دیر نہیں سوئی تھی کہ ملازمہ نے آ کر اٹھا دیا اور اس کے ناگواری سے دیکھنے پر کہنے لگی۔

''ابھی صاحب کا فون آیا تھا انہوں نے آپ کے کھانے اور دوا کا پوچھا اور جب میں نے بتایا کہ آپ سو رہی ہیں تو بہت ناراض ہوئے کہنے لگے فوراً اٹھا کر پہلے کچھ کھلاؤ پھر دوا دو میں نے تو بی بی......''

''بس اپنی بکواس بند کرو۔'' اس نے ملازمہ کی چلتی ہوئی زبان پر بند باندھ دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے پوچھا۔ ''کھانے میں کیا ہے؟''

''میں نے آپ کے لیے سوپ بنایا ہے صاحب کہہ گئے تھے۔''

''لے آؤ' ساتھ میں دو سلائس بھی۔'' اسے بھیج کر اس نے واش روم کا رخ کیا' پانی میں ہاتھ ڈالتے ہی اسے سردی لگنے لگی تو جلدی سے دانت برش کر کے نکل آئی' کچھ دیر بعد ملازمہ سوپ اور سلائس لے آئی۔ اسے بھوک لگ رہی تھی اس لیے اچھا نہ لگنے کے باوجود اس نے زبردستی دونوں سلائس کھائے اور سوپ بھی پی لیا پھر تھوڑا وقفہ دے کر میڈیسن بھی لے لیں۔ ملازمہ اسی انتظار میں کھڑی تھی۔ اسے خود بھی احساس تھا کہ صرف اسے کھانا دینے کے لیے وہ رکی ہوئی ہے ورنہ تو فوراً چلی جاتی تھی۔ اس نے بغیر کسی پس و پیش کے اسے جانے کی اجازت دے دی اور کارنر سے میگزین اٹھا کر اپنا سارا دھیان اس میں لگا دیا۔ پتا نہیں یہ اس کی شعوری کوشش تھی یا غیر شعوری یا شاید اس کے اندر کا خوف تھا کہ وہ کچھ اور سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے ایک ایک لفظ پڑھنے لگی۔

جانے کتنے لمحے بیتے یا شاید گھنٹے کہ اچانک خاموشی میں بھاری قدموں کی آواز پر اس کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ حقیقتاً اسے خان جنید کا خیال آیا تھا جبھی وہ میگزین سے نظریں ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ تب ہی دستک کے بعد ذرا سا دروازہ کھول کر آصف جاہ نے اندر جھانکا اور اسے بیٹھے دیکھ کر اندر آتے ہوئے بولا۔

''صبح انکل نے بتایا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آئی ایم سوری میں اس وقت آپ کی عیادت کیے بغیر چلا گیا۔ اب کیسی ہیں آپ؟''
اس نے جواب نہیں دیا نہ اس پر سے نظریں ہٹائی تھیں۔

''کل شام میں تو آپ ٹھیک تھیں پھر اچانک کیا ہوا؟'' آصف جاہ نے پھر کہا تو اس کا دل چاہا ایک ہی جست میں اس تک پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ کر چیخے۔

''تم نہیں جانتے اچانک کیا ہوا' یہ سب کیا دھرا تمہارا ہے۔'' لیکن کمال ضبط سے اپنے اندر کے شور کو دبا کر وہ بے نیاز سی ہوگئی۔

''پتا نہیں' شاید موسم کا اثر ہے۔ تم جاؤ کھانا وغیرہ کھاؤ۔''

''کھانا' یہ کھانے کا کون سا وقت ہے۔'' اس نے حیران ہو کر کہا۔

''کیا ٹائم ہوا ہے؟'' اس نے گھڑی دیکھی چار بج رہے تھے۔

''آپ کے لیے چائے لاؤں؟'' آصف جاہ نے ٹائم کے حساب سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''کوئی اور چیز' آئی مین پھل وغیرہ۔''

''وہ بھی نہیں۔''

''تو پھر ایسا کریں......''

''میں صرف آرام چاہتی ہوں۔'' وہ فوراً بولی تو آصف جاہ نے گہری سانس کھینچ کر کندھے اچکائے۔

''نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے میں صرف آپ کی سیوا کرنے کے خیال سے بھاگا چلا آیا۔ بہرحال آج کی تاریخ میں آپ کو بھلا چنگا ہونا چاہیے صبح ناشتے کی ٹیبل پر آپ نہیں تھیں تو......''

''آصف جاہ مجھے گیٹ لاسٹ کہنے پر مجبور مت کرو۔'' وہ اچانک چلائی تو وہ ہنستے ہوئے بھاگا تھا۔

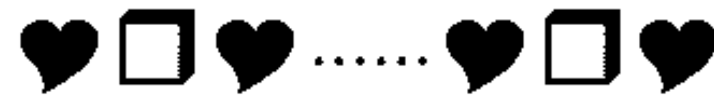
وہ ایسے ہی نہیں منہ پھٹ کہلاتی تھی' کیونکہ ہر بات بے دھڑک کہہ دیا کرتی تھی۔ اس کے اندر ثریا کی طرح کا ڈر خوف بھی نہیں تھا۔ وہ اپنا حق پہچانتی اور لینا بھی جانتی تھی۔ سدا کی صاف گو' جو دل میں وہی زبان پر' برملا کہا کرتی تھی' ایسا کیا کیا ہے میں نے جو چھپاؤں گی' اور کیا تو اس نے اب بھی کچھ نہیں تھا پھر پتا نہیں کیوں اندر سے خائف ہوگئی تھی۔ حالانکہ اب تو اس کی حیثیت بھی مستحکم تھی' خان جنید نے بڑی فراخدلی سے اسے سارے اختیارات سونپ دیئے تھے پھر بھی وہ ڈرنے لگی تھی۔ کسی اور سے نہیں اپنے آپ سے' کہ وہ جو اپنے آپ کو مضبوط چٹان کہتی تھی تو اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اندر کہیں سے چٹخ رہی ہے اور یہ بہت خطرناک بات تھی۔

دو دن وہ قصداً اپنے کمرے تک محدود رہی اور اس دوران اپنا محاسبہ کرنے کے ساتھ خود کو سمجھا لیا کہ اسے کسی بات کو خود پر طاری نہیں کرنا چاہیے۔ نہ ہی آصف جاہ کو اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔ تیسرے دن شام میں جب خان جنید آفس سے آ گئے تب وہ اپنے کمرے سے نکل آئی اور کیونکہ پہلے دن کے بعد آصف جاہ دوبارہ مزاج پرسی کے لیے بھی اس کے کمرے میں نہیں آیا تھا اس لیے اس وقت اسے دیکھتے ہی پوچھنے لگا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس نے بس سر ہلانے پر اکتفا کیا پھر وہیں سے رئیس کو پکار کر چائے کا کہا اس کے بعد خان جنید کے پاس آ کر بیٹھی تھی کہ فریحہ اپنے شوہر اور دو سالہ بیٹی پنکی کے ساتھ آ گئی۔ ایسے میں خان جنید جانے کیوں اسے نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ شاید جوان اولاد کا لحاظ تھا۔ وہ بھی چائے کے بہانے وہاں سے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ رئیس نے صرف چائے بنائی تھی۔ اس نے جلدی سے دوسرے لوازمات سے پوری ٹرالی سجادی اور رئیس کے ہاتھ سب بھیج کر خود ملحقہ ڈائننگ روم میں آ بیٹھی اور نشاء کو سوچنے لگی کہ اسے آج کل میں نشاء اور محسن کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کرنا چاہیے پھر اسے اپنے ابو بلال احمد سے بھی ملنا تھا' وہ سوچنے لگی کہ اسے بلال احمد کے پاس خود ہی جانا چاہیے یا نشاء کے ساتھ۔

''سنیں۔'' آواز پر اس نے چونک کر دیکھا آصف جاہ پنکی کو گود میں اٹھائے پوچھ رہا تھا۔

''اس ننھی پری کے لیے کوئی جوس وغیرہ ہے؟''
''فریج میں دیکھ لو۔'' اس نے کہا تو آصف جاہ پنکی کو ڈائننگ ٹیبل پر بٹھا کر فریج کی طرف بڑھ گیا۔ پھر جوس نکال کر وہیں کھڑے کھڑے پنکی کو پلانے لگا۔
وہ کچھ بے دھیانی میں پنکی کو دیکھے جا رہی تھی جو اپنے نام کی طرح تھی۔
''آپ یہاں کیوں آ بیٹھی ہیں؟'' آصف جاہ نے اسے مخاطب کیا تو وہ ان سنی کر کے اٹھ کھڑی ہوئی' اور جانے لگی تھی کہ پنکی اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر بول پڑی۔
''ماما......'' وہ نہ صرف رکی بے اختیار پنکی کو اپنی بانہوں میں بھر کر پیار کرنے لگی تو آصف جاہ شرارت سے بولا۔
''اپنے خان صاحب سے کہیں آپ کو ایسی گڑیا لادیں۔''
''شٹ اپ'' وہ ہلکی آواز میں کہہ کر وہاں سے نکل آئی تھی۔



اس نے ایمانداری سے محسن کی محبت قبول کر کے اپنا سب کچھ اسے مان لیا تو اب وہ اس کے لیے بہت حساس ہو گئی تھی۔ وہ سارے غیر ضروری کام جن میں محسن سے دور رہنے کی خاطر خود کو مصروف رکھتی تھی وہ سب چھوڑ دیئے اور زیادہ سے زیادہ وقت اسے دینے لگی اور بعض اوقات انتہائی ضروری کام بھی درمیان میں چھوڑ کر اس کے پاس آ جاتی' محبت سے پوچھتی۔
''مونی آپ نے مجھے آواز دی تھی؟''
''دل نے پکارا تھا۔'' محسن سینے پر ہاتھ رکھ کر والہانہ نظروں سے دیکھتا۔
''دیکھ لیں' آپ کے دل کی آواز میں نے وہاں تک سن لی۔''
''یہاں آ کر بیٹھو' دل کی مزید باتیں بھی سن لو۔''
''بس دو منٹ۔ میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ وہیں سے پلٹ جاتی پھر جلدی جلدی اپنا کام نمٹا کر فراغت سے اس کے پاس آ بیٹھتی۔
چند دنوں میں ہی اس نے محسن میں بڑی خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ اس کی آنکھوں کی بجھتی جوت پھر سے جگمگانے لگی تھی اور وہ خاصا فریش نظر آنے لگا تھا۔ یہاں تک کہ کسی کسی وقت اس کے پاس کچن میں آ کھڑا ہوتا اور کام میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ شاید اس نے ٹھیک کہا تھا کہ محبت میں بڑی طاقت ہے' مردوں کو بھی زندہ کر دیتی ہے۔ وہ سچ مچ اسے زندہ ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہ ویرانی اور مایوسی نہیں رہی تھی' اس کے برعکس اندرونی خوشی اور پالینے کے رنگ پھر سے جھلملانے لگے تھے اور پہلے جو اس کے اندر قوت مدافعت کی زبردست کمی تھی تو اب وہ صورت حال بھی نہیں رہی تھی۔ شروع سے اس نے دیکھا تھا کہ وہ معمولی سی تکلیف کو بھی خود پر طاری کر لیتا تھا جس سے تکلیف نہ صرف بڑھ جاتی بلکہ کوئی اور بیماری بھی ساتھ لگ جاتی تھی اور اب وہ ہر تکلیف کو بہت سرسری انداز میں لے کر اس سے چھپانے کی کوشش بھی کرنے لگا تھا۔ بہر حال جیسا کہ احسن نے اس سے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ ساتھ گھر کے در و دیوار کو بھی پتا چلے کہ اس گھر میں جوان جوڑا رہتا ہے تو اب واقعی اس کی خوشیوں سے در و دیوار مسکرانے لگے تھے۔
اس وقت وہ گنگناتے ہوئے صبا کی دعوت پر اس کے ہاں جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ محسن کی چوائس پر اس نے کھلتا ہوا گلابی کلر پہنا تھا جو اس پر بہت سج رہا تھا' ہلکا میک اپ پھر میچنگ جیولری نکال رہی تھی کہ اس کے سیل فون کی ٹون بجنے لگی۔ اس نے مصروف انداز میں کال ریسیو کی تھی۔
''ہیلو......''
''میں ڈاکٹر تانیہ بات کر رہی ہوں' تم نشاء ہو ناں۔'' ڈاکٹر تانیہ نے اپنا تعارف کرا کر اس سے تصدیق چاہی تو وہ ٹاپس اپنے کپڑوں سے میچ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔
''جی' آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔''
''ظاہر ہے تمہارے نمبر پر تم ہی سے بات کروں گی۔'' تانیہ نے کہا تو وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔
''سب ٹھیک تو ہے ناں' آپ کس ہاسپٹل میں ہیں؟''
''میں اس وقت ہاسپٹل میں نہیں ہوں۔''

''پھر......'' وہ الجھی۔
''پھر یہ کہ میں رازداری کی شرط پر تم سے ایک پرسنل بات کرنا چاہتی ہوں۔'' تانیہ نے کہا تو اب وہ حیران ہوئی۔
''مجھ سے......؟''
''ہاں تم سے کیونکہ ایک تم ہی ہو جو میری بات سمجھ سکتی ہو اور منوا بھی سکتی ہو۔'' تانیہ کے اتنے یقین پر وہ پھر الجھ گئی۔
''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں، میں بالکل نہیں سمجھ پا رہی۔''
''میں سمجھاتی ہوں۔ بات یہ ہے نشاء کہ میں احسن کو پسند کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' تانیہ اپنی بات سمجھا کر بہت اعتماد سے بولتی چلی گئی اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کہے، ادھر محسن پکار رہا تھا، اس نے بہت عجلت میں تانیہ کو خدا حافظ کہا اور کانوں میں ٹاپس ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔
محسن ساجدہ بیگم کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی تیاری کو نظروں سے سراہا تو وہ مسکرا کر ساجدہ بیگم سے مخاطب ہوگئی۔
''ہم صبا کے گھر جا رہے ہیں تائی امی۔''
''اچھی بات ہے، لیکن یوں خالی ہاتھ جانا ٹھیک نہیں ہے بیٹا۔ کچھ لے کر جانا چاہیے۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ محسن کو دیکھنے لگی۔
''راستے میں سے لے لیں گے۔'' وہ فوراً بولا تھا۔
''ٹھیک ہے تائی امی......'' ساجدہ بیگم نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تو وہ محسن کے ساتھ چل دی۔
جب وہ صبا کے ہاں پہنچی وہ بیرونی برآمدے میں ان کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اس نے صبا کے گلے لگنا چاہا تو وہ ہاتھ کے اشارے سے روک کر دو قدم پیچھے ہٹی اور ان دونوں کو دیکھ کر بولی۔
''ماشاء اللہ نائس کپل۔'' پھر بانہیں پھیلا دیں۔
''تھینک یو۔'' وہ صبا کی بانہوں میں سما گئی، پھر الگ ہو کر محسن کو دیکھتے ہوئے بولی۔
''میرا خیال ہے تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔''
''ہم ایک دادا کی اولاد ہیں، اجنبی ہو ہی نہیں سکتے۔'' صبا نے کہا تو محسن نے فوراً تائید کی تھی۔
''یہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''
''آؤ اندر چلو، خان صاحب انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' وہ صبا کی ہمراہی میں اندر آئے تو خان جنید بہت تپاک سے ملے تھے پھر خان جنید اور محسن باتوں میں مصروف ہوئے تو صبا کے اشارے پر وہ اٹھ کر اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئی۔
''ہاں اب سناؤ کیسی ہو؟'' صبا نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
''میں تو ٹھیک ہوں، تم کچھ کمزور لگ رہی ہو۔'' اسے صبا کے چہرے پر وہ شادابی نظر نہیں آ رہی تھی جو پہلی ملاقات میں تھی۔
''ہاں بس بیمار رہی ہوں۔'' صبا نے سرسری انداز میں بتایا تو وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔
''خوشخبری ہے؟''
''نہیں۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے صبا کو اچانک اپنا اندر خالی خالی لگنے لگا تو گھبرا کر بات کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔
''پہلے خوشخبری تم سناؤ گی۔''
''نہیں، تم بڑی ہو پہلے تم۔'' اس نے چھیڑا۔
''یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا خیر یہ بتاؤ پھر امی کے پاس جانا ہوا؟'' صبا نے موضوع بدلا تھا۔
''نہیں، البتہ فون پر روز بات ہوتی ہے۔ میں نے محسن کی بھی امی سے بات کروائی ہے۔ پھر اب ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔'' نشاء پہلی ملاقات کی نسبت اب پراعتماد نظر آ رہی تھی۔ صبا نے خاص طور سے نوٹس کیا پھر کہنے لگی۔
''اگلے ہفتے خان صاحب جرمنی جا رہے ہیں پھر میں امی کے پاس رہنے جاؤں گی، تم بھی آ جانا۔''
''میں ویسے آ جاؤں گی، لیکن میرا رہنا مشکل ہے اور ہاں تم ابو سے نہیں ملیں؟'' نشاء نے اچانک خیال آنے پر پوچھا تھا۔
''نہیں، پہلے میں امی سے پوچھوں گی کہ ابو نے......'' صبا جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ ملازمہ نے آ کر کھانا لگنے کی اطلاع دی تو وہ فوراً کھڑی ہوگئی۔ نشاء نے اس کی تقلید کی تھی۔



وہ صحرا تھا ایسا ہی کچھ، دور دور تک کسی ذی روح کا نشان نہیں تھا۔ وہ حال سے بے حال بال بکھرے ہوئے دوپٹہ غائب ننگے پاؤں بھاگتی چلی جارہی تھی کہ اچانک ٹھوکر لگنے سے منہ کے بل گرتے ہی اس کے منہ سے دردناک کراہ کی صورت نکلا تھا۔

''مونی......''

اور قریب سویا محسن ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اسے دیکھا وہ نیند میں گہرے گہرے سانس لے رہی تھی اور اس کے مسلسل ہلتے ہونٹوں میں ایک ہی تکرار تھی۔

''مونی......مونی!''

''نشاء......کیا ہوا نشاء......'' محسن نے آہستہ سے اسے ہلایا تو اس نے ایکدم آنکھیں کھول دیں اور وحشت سے اسے دیکھے گئی۔ اس کی سانسیں ابھی بھی غیر ہموار تھیں۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' محسن نے اس کی ٹھوڑی ہلا کر پوچھا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' وہ خواب کے زیر اثر تھی۔

''میں کہاں جاؤں گا' یہیں تمہارے پاس ہوں۔ شاید تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔''

''خواب......'' اس نے چونکنے کے ساتھ ہی محسن کے سینے میں منہ چھپا لیا اور سسک کر بولی تھی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے مونی' آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جانا۔''

''بے وقوف......'' محسن سمجھ گیا اس نے ایسا ہی کوئی خواب دیکھا ہے۔ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تو کچھ دیر میں وہ پھر سو گئی تھی۔

صبح وہ معمول کے مطابق اٹھ گئی۔ رات کا خواب کہیں پس منظر میں چلا گیا تھا یا معمول کے کاموں میں لگ کر وہ وقتی طور پر بھول گئی جیسے تانیہ کی فون کال اس وقت یاد آئی جب احسن پر نظر پڑی۔ وہ اس وقت ہاسپٹل جارہے تھے۔ ساجدہ بیگم کو خدا حافظ کہہ کر کھڑے کھڑے اس کا حال احوال پوچھنے لگے تھے اور ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے وہ کتنی دیر وہیں کھڑی تانیہ کی باتوں کو ازسرنو سوچتی رہی۔ پھر شالی کو صفائی پر لگا کر ساجدہ بیگم کے پاس آئی اور انہیں کسی سوچ میں گم دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہیں تائی امی؟''

''کوئی خاص بات نہیں بیٹا' بس خالی بیٹھو تو کوئی نہ کوئی خیال آہی جاتا ہے۔'' ساجدہ بیگم نے محبت سے اسے دیکھ کر کہا۔

''یہ تو ہے۔'' اس نے تائید میں سر ہلایا پھر رک کر بولی تھی۔ ''ایک بات کہوں تائی امی' آپ بُرا تو نہیں مانیں گی۔''

''بُرا کیوں مانوں گی' تم کہو......'' ساجدہ بیگم سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

''وہ آپ احسن بھائی کی شادی کیوں نہیں کرتیں۔'' وہ ابھی بھی ہچکچائی تھی۔

''لو......میرے بس میں ہو تو میں آج اس کی شادی کردوں۔ وہ مانے تب نا۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ فوراً بولی تھی۔

''کیوں نہیں مانتے وہ......؟ ان سے چھوٹوں کی شادی ہوگئی' انہیں بھی کرلینی چاہیے۔ کیا بوڑھے ہو کر کریں گے۔''

''یہ بات تم اسے سمجھاؤ۔ میری تو سنتا ہی نہیں۔'' ساجدہ بیگم اس معاملے میں خود کو بے بس محسوس کررہی تھیں۔

''جی' وہ میں یہی کہنا چاہ رہی تھی تائی امی کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں احسن بھائی سے بات کروں۔''

''اس میں میری اجازت کی کیا بات ہے بیٹا؟ تم کوئی غیر نہیں اسی گھر کی بہو بیٹی ہو' حق رکھتی ہو سب پر۔'' ساجدہ بیگم نے اس کا مان بڑھایا تھا۔

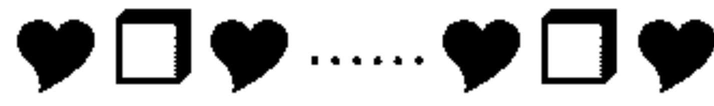
''یہ تو آپ کی محبت ہے تائی امی جو آپ ایسا کہہ رہی ہیں' ورنہ احسن......''

''احسن تمہاری بات نہیں ٹالے گا۔'' ساجدہ بیگم اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑیں۔

''میں ٹالنے دوں گی بھی نہیں۔'' اس نے سوچا پھر ساجدہ بیگم کو دیکھ کر مسکرائی تو وہ پوچھنے لگیں۔

''تمہاری امی ٹھیک ہیں؟''

''جی آپ کو یاد کرتی ہیں۔'' اس نے بتایا اور ان کے خاموش رہنے پر وہاں سے اٹھ گئی تھی۔



احسن بہت مصروف ہوگئے تھے۔ صبح ہاسپٹل' شام میں کلینک' جہاں سے ان کی واپسی دس گیارہ بجے ہوتی تھی اور عموماً اس وقت ساجدہ بیگم ان ہی کے انتظار میں بیٹھی رہتیں اور انہیں کھانا وغیرہ دے کر پھر سونے جاتی تھیں لیکن اس روز ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو وہ ان کے کھانے' چائے کا کام نشاء کے سپرد کرکے سوگئی تھیں۔

جب احسن کلینک سے لوٹے تو نشاء نے کھانا گرم کرکے ٹیبل پر رکھ دیا اوران کے پوچھنے سے پہلے ہی بولی تھیں۔

''تائی امی سوگئی ہیں۔''

''خیریت......'' انہوں نے سالن کی ڈش اٹھاتے ہوئے رک کراسے دیکھا۔

'ہاں بس' انہیں نیند آرہی تھی' سوگئیں۔'' نشاء کو ساجدہ بیگم نے منع کیا تھا کہ ان کی طبیعت کی خرابی کا نہ بتائے۔

''اور مونی......؟''

''وہ بھی سورہے ہیں۔ میں آپ کے لیے چائے بنادوں۔'' وہ جواب کے ساتھ کہتے ہوئے کچن میں چلی گئی تو وہ کھانا کھانے لگے' پھر اس کا انتظار نہیں کیا' کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں آگئے' اور وہ پتانہیں چائے بنارہی تھی یاپائے' خاصی تاخیر سے چائے لے کر آئی تو وہ ٹوکنے کا ارادہ ترک کرکے بولے۔

''تھینک یو۔''

''اف کتنی حبس ہے۔'' وہ چائے کا کپ انہیں تھما کر کھڑکیوں سے پردے سمیٹنے لگی تو وہ کچھ حیران ہوکر اسے دیکھنے لگے۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔'' وہ انہیں دیکھتے پاکر بولی۔ ''میں آپ کے کمرے میں پہلی بار تو نہیں آئی۔''

''تمہیں جو کہنا ہے وہ کہو۔'' وہ اس سے نظریں ہٹا کراٹھ کھڑے ہوئے گویا اشارہ تھا اپنی بات کہہ کر فوراً جاؤ' اور وہ سمجھ کر ہی بولی تھی۔

''میں چاہتی ہوں' آپ شادی کرلیں۔'' ان کے ایک دم دیکھنے پر کہنے لگی۔ ''میں نہ نہیں سنوں گی احسن بھائی' تانیہ اچھی لڑکی ہے' اور مجھے لگتا ہے وہ آپ کو پسند بھی کرتی ہے۔''

''مجھے تو اور بھی بہت سی لڑکیاں پسند کرتی ہیں تو کیا میں سب سے شادی کرلوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ جز بز ہوکر بولی۔

''میں اوروں کو نہیں جانتی۔''

''تانیہ کو کیسے جانتی ہو؟'' ان کی پیشانی شکن آلود ہوئی تو وہ ضد سے بولی۔

''جیسے بھی جانتی ہوں' آپ کو اس سے شادی کرنی ہے۔''

''نشاء' یہ تمہارا میٹر نہیں ہے۔'' انہوں نے بہت ضبط سے ٹوکا تھا۔

''میری شادی بھی آپ کا میٹر نہیں تھا' پھر آپ نے کیوں مجھے مجبور کیا تھا۔'' نشاء نے مقابل آکر انہیں پتھرادیا تھا۔

''آپ بھولے نہیں ہوں گے احسن' آپ نے مجھے اپنی محبت کا واسطہ دے کر محسن سے شادی پر مجبور کیا تھا' جب مجبوری کا طوق میں گلے میں ڈال سکتی ہوں' تو آپ کیوں نہیں' آج وقت آپ کو اسی مقام پر لے آیا ہے جہاں کبھی میں تھی۔''

''بس کرو نشاء' جاؤ اپنے کمرے میں۔'' ان کا ضبط جواب دے گیا وہ جاتے جاتے بولی تھی۔

''میں بھی آپ کو اسی محبت کا واسطہ دے رہی ہوں جسے سنبھال رکھنے کا آپ کو کوئی حق نہیں۔''

وہ کتنی دیر اس کے پیچھے دیکھتے رہے بنا پلکیں جھپکائے' یہاں تک کہ ان کی آنکھیں جلنے لگیں' تب دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں ڈھانپ کر انہوں نے گہری سانس کھینچی تو اندر ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔

''میرے خدا......'' انہوں نے خود کو صوفے پر گرایا اور بیک پر سر رکھ کر آنکھیں بند کی تھیں کہ ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ وہ ایک دم سیدھے ہو بیٹھے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنا سیل فون اٹھا کر تانیہ کو کال ملائی تھی۔

''ابھی ابھی میں نے تمہیں یاد کیا تھا اور تمہارا فون آگیا۔'' تانیہ کال لیتے ہی چہک کر بولی تھی۔

انہوں نے ہونٹ بھینچ کر خود پر ضبط کیا تھا۔

''کیا ہوگیا چپ کیوں ہوگئے؟ میرا یاد کرنا اچھا نہیں لگا۔'' تانیہ نے ٹوک کر پوچھا۔

''ایک بات بتاؤ' تم نشاء سے ملی تھیں؟'' انہوں نے اسی ضبط سے پوچھا۔

''نشاء......'' تانیہ کا انداز سوچتا ہوا تھا۔ ''تمہاری کزن' بلکہ بھابی' اس کی بات کر رہے ہو؟''
''ہاں...... تم ملی تھیں اس سے؟'' انہوں نے تصدیق کے ساتھ پھر پوچھا تو تانیہ سابقہ انداز میں بولی تھی۔
''کب...... وہ جب تمہارا بھائی ہاسپٹل میں تھا' ہاں ہاں اس وقت نشاء سے سرسری ملاقات ہوئی تھی۔''
''میں اس وقت کی بات نہیں' ابھی کی بات کر رہا ہوں۔ ابھی کل' پرسوں۔'' انہوں نے جھنجلا کر کل پرسوں پر زور دیا تھا۔
''نہیں' ان دنوں میں تو میری نشاء سے ملاقات نہیں ہوئی' کیوں کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں۔''
''کچھ نہیں' پھر تم اس طرح......'' تانیہ حیران ہو کر جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ انہوں نے سیل فون آف کر دیا تھا۔
صبح ناشتے کی ٹیبل پر وہ گم صم تھے اور شاید ان کی غائب دماغی نوٹس کر کے محسن نے شوشا چھوڑا تھا۔ ساجدہ بیگم کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔
''امی' پھر آپ احسن بھائی کی شادی کب کر رہی ہیں؟'' اور واقعی انہوں نے چونک کر محسن کو دیکھا تو جلال احمد ان سے بولے۔
''ہاں بھئی احسن' تم کیوں اپنی ماں کو چکر دے رہے ہو۔''
''نہیں تو ابو' میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ بوکھلائے تھے۔
''کیوں میں جب تمہاری شادی کی بات کرتی ہوں تو تم نہ نہ کرنے لگتے ہو۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو محسن ہنستے ہوئے بولا۔
''آپ سمجھتی نہیں امی' نہ نہ کا مطلب ہوتا ہے ہاں ہاں' کیوں بھائی۔ آخر میں ان سے تصدیق چاہی تو وہ جھکی نظروں سے نشاء کو دیکھ کر بولے تھے۔
''تم کہہ رہے ہو تو ایسا ہی ہوتا ہوگا۔''
''لو بیگم...... محسن نے تو بیٹھے بیٹھے اس سے اعتراف کروالیا'' جلال احمد نے ہنستے ہوئے ساجدہ بیگم کو دیکھا۔
''یہ اپنے اعتراف پر قائم بھی تو رہے۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو محسن فوراً بول پڑا۔
''بالکل قائم رہیں گے بھائی' سب کے سامنے اعتراف کیا ہے' مکر نہیں سکتے۔ بس آپ فوراً شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔''
''تیاریاں تو ہو ہی جائیں گی پہلے کوئی لڑکی تو دیکھوں۔''
''لڑکی آپ کیوں دیکھیں گی' میرا مطلب ہے احسن بھائی شاید پسند کر چکے ہیں۔''
''ہیں......'' جلال احمد اور ساجدہ بیگم دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا۔ دونوں نے احسن کو دیکھا وہ کچھ ناراض نظروں سے محسن کو دیکھ رہے تھے۔
''بتا دیں بھائی' شرمائیں نہیں یا میں بتا دوں۔'' محسن بہت شریر ہو رہا تھا۔
''کون ہے؟'' ساجدہ بیگم نے اب محسن سے پوچھا تو وہ شوخی سے بولا تھا۔
''ڈاکٹر تانیہ۔''
احسن نے بے اختیار نشاء کو دیکھا...... وہ جانے کیوں سناٹے میں آ گئی تھی۔



خان جنید کی فلائیٹ رات بارہ بجے تھی' اس لیے انہوں نے اسے ایئرپورٹ جانے سے روک دیا اور آصف جاہ کے ساتھ چلے گئے تو اس نے عادت کے مطابق پہلے کچن میں جھانکا کیونکہ پچھلی طرف کھلنے والا دروازہ عموماً خان ساماں بند کرنا بھول جاتا تھا۔ اسے چیک کرنے کے بعد وہ لاؤنج میں آئی تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے؟ گھڑی پر نظر ڈالی ابھی صرف دس بجے تھے۔ وہ وہیں ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا وہ پوری یکسوئی سے ڈرامہ دیکھ رہی تھی کہ اچانک عقب سے آصف جاہ کی آواز نے اسے یوں چونکا دیا وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ حالانکہ وہ بہت سیدھے سادے انداز میں بولا تھا کہ آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں لیکن ایک دم سے آواز آئی تھی جب ہی وہ بری طرح چونکی تو وہ سامنے آتے ہوئے بولا۔
''ارے آپ تو ڈر گئیں۔''
''تمہیں اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔'' اس نے ناگواری سے کہا تو وہ انجان بن کر پوچھنے لگا۔
''کس طرح؟''

''بس اب خاموش رہو۔ میں ڈرامہ دیکھ رہی ہوں۔'' اس نے ٹوک کر ٹی وی پر نظریں جما دیں تو وہ اسے دیکھنے لگا۔
اس نے کوئی توجہ نہیں دی لیکن کچھ دیر بعد ہی اسے الجھن ہونے لگی' کیونکہ جس طرح وہ ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی اسی طرح آصف جاہ اس پر نظریں مرکوز کیے ہوئے تھا اور یقیناً اس کا مقصد اس کی توجہ حاصل کرنا تھا۔
''ڈرامہ دیکھو......زبردست موضوع ہے۔'' اس نے آصف جاہ کی توجہ اپنی طرف سے ہٹانے کی غرض سے کہا لیکن وہ بے نیازی سے بولا تھا۔
''میں ڈرامہ نہیں دیکھتا۔''
''تو پھر مجھے ڈسٹرب مت کرو۔'' وہ بے اختیار کہہ گئی تو وہ حیران ہو کر بولا۔
''میں آپ کو کہاں ڈسٹرب کر رہا ہوں۔ آپ کے کہنے سے بالکل خاموش تھا۔ ابھی آپ نے بات کی تو......''
''اچھا بس اپنے کمرے میں جاؤ۔'' وہ چڑ کر بولی۔
''نہیں میں یہیں بیٹھوں گا۔'' آصف جاہ نے کچھ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ٹی وی بند کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی کہ اس نے ایک ہی جست میں اس کی کلائی تھام لی۔
''ڈرامہ تو پورا دیکھ لیں۔''
''میرا ہاتھ چھوڑو۔'' اس کی بے ساختہ جسارت پر وہ پوری جان سے سلگ گئی۔ ایسے تیکھے لہجے میں بولی کہ وہ فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دے گا لیکن اس کے برعکس وہ ضد میں آ گیا۔
''چھڑا سکتی ہیں تو چھڑا لیں۔''
''دیکھو آصف میں ایسی بدتمیزی پسند نہیں کرتی۔'' اس کے انتہائی غصے کے باوجود وہ آرام سے بولا تھا۔
''آپ پسند کریں نہ کریں' ہم جیسے تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' وہ ہونٹ بھینچ کر شعلہ بار نظروں سے گھورنے لگی تو وہ شرارت سے بولا۔
''باپ رے' اتنا غصہ' ایسی نظروں سے خان انکل کو دیکھیں گی تو......''
''شٹ اپ......'' وہ جھٹکے سے کلائی چھڑا کر پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''خان تمہاری طرح نہیں ہیں۔''
''ہو بھی نہیں سکتے۔ میرا مطلب ہے جب وہ میری عمر کے تھے تب وہ بھی ایسے ہی تھے۔ اب تو بے چارے......'' آصف جاہ نے کندھے اچکا کر جیسے بات مکمل کی تھی اور یہ بات اسے گراں تو گزرتی ہی تھی جانے کیوں اسے اپنا وجود کھوکھلا لگنے لگتا تھا۔
''ویسے بہت لکی ہیں انکل' ابھی بھی ہم جیسوں کو مات دے گئے ہیں' ہے ناں۔'' آصف جاہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر گویا اس کے اندر انگارے بھر دیئے تھے۔ بہت تپش تھی' یہاں وہاں ہر طرف جانے کیسا الاؤ تھا' ایک پل کو اس کا دل چاہا وہ ننگے پاؤں اس دہکتے الاؤ میں اترتی چلی جائے لیکن اگلے پل ہی وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔
اور صبح وہ ناشتا کیے بغیر ہی یہ سوچ کر ثریا کے پاس آ گئی کہ اب خان جنید کے جرمنی سے واپس آنے پر ہی اپنے گھر جائے گی' اور ثریا کو کیونکہ اس کی طرف سے اطمینان تھا اس لیے اس کی صبح صبح آمد پر اس کے اندر کوئی تشویش نہیں ابھری تھی۔ اس کے برعکس مسکرا کر بولیں۔
''آج صبح صبح میری یاد کیسے آ گئی؟''
''میں نے سوچا کچھ دن آپ کی خدمت کر لوں۔'' جواباً وہ اترائی تھی۔ ''آپ نے ابھی ناشتا تو نہیں کیا ہوگا؟ میں نے بھی نہیں کیا' چلیں آپ بیٹھیں میں ناشتا بناتی ہوں۔''
''ارے رے'' ثریا روکتی رہ گئی لیکن اس نے ایک نہیں سنی' جھٹ پٹ ناشتا بنا کر لے آئی تھی۔ پھر ناشتے کے بعد اس نے نشاء کو فون کر کے آنے کو کہا تو وہ فوراً تو نہیں گیارہ بجے تک آ گئی تھی۔ پھر دونوں بہنوں نے گھر میں خاصی رونق لگا دی تھی۔ ہنسی مذاق' ساتھ ساتھ دوپہر کا کھانا بھی بنا لیا اور کھانے کے بعد دونوں ثریا کو گھیر کر بیٹھ گئیں۔
''امی' ہمیں ابو کے بارے میں بتائیں' انہوں نے کیوں آپ کو گھر بدر کیا؟'' صبا ہمیشہ یہ سوال کرتی رہتی تھی لیکن ثریا ٹال جاتی تھیں اور اب ٹالنا مشکل تھا کیونکہ اسے باپ کا پتہ مل گیا تھا اور اس سے ملنے سے پہلے وہ حقیقت جاننا چاہتی تھی۔
''بتائیں امی' ورنہ میں ابو کے جھوٹ کا یقین کر لوں گی۔'' صبا نے دھمکی نہیں دی تھی پھر بھی ثریا خائف ہو گئی تھیں' قدرے رک کر کہنے لگیں۔

''کوئی لمبی چوڑی داستان نہیں ہے' تمہارے ابو کی شراب نوشی کی عادت' پھر مجھے مارنا پیٹنا' یہاں تک تو میں نے صبر کیا لیکن جب وہ دوسری عورت کو گھر لانے لگے تب میں نے شور مچایا' جس پر انہوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔تم اس وقت میرے وجود سے چمٹی ہوئی تھیں اس لیے میرے ساتھ نکل آئیں اور چھ ماہ کی نشاء اس کے لیے میں تڑپتی فریادیں کرتی رہ گئی لیکن تمہارے باپ نے میری ایک نہیں سنی تھی۔شاید انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ شیر خوار بچی کے لیے میں خود ہی لوٹ آؤں گی' اور سچ تو یہ ہے کہ نشاء کے لیے میں نے لوٹنا چاہا تھا لیکن اس وقت تمہارے نانا حیات تھے وہ اور تمہارے ماموں بھی دیوار بن گئے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ بلال احمد اپنی بری خصلتوں سے تائب ہو کر آئیں گے' تب وہ مجھے ان کے ساتھ بھیجیں گے۔ پتا نہیں بلال احمد تائب ہوئے کہ نہیں' میں نے بہر حال لمبا عرصہ ان کا انتظار کیا تھا...... کیونکہ وہ چھ مہینے میں ہی اس گھر کو چھوڑ کر پتا نہیں کہاں چلے گئے تھے۔ یہ تو مجھے اب نشاء سے پتا چلا کہ وہ ملک ہی چھوڑ گئے تھے۔ کاش وہ ملک چھوڑتے وقت ہی نشاء کو مجھے سونپ جاتے تو میری ممتا کو قرار آ جاتا لیکن انہوں نے چاہا ہی نہیں۔'' ثریا بے حد آزردگی میں گھر گئی تھیں۔

''انہوں نے نہیں چاہا تو کیا ہوا' اللہ نے چاہا اور نشاء کو آپ سے ملا دیا' کیوں نشاء۔'' صبا نے کہتے ہوئے نشاء کو کہنی مار کر اکسایا پھر دونوں ثریا سے لپٹ گئیں۔

''اب یہ بتائیں مجھے ابو سے ملنا چاہیے کہ نہیں؟'' صبا نے ثریا کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پوچھا اور اس کے دیکھنے پر بولی تھی۔

''آپ اجازت دیں گی تو ملوں گی ورنہ نہیں۔''

''میں منع نہیں کروں گی لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ ماضی کی باتیں نہ دہرائی جائیں تو اچھا ہے۔'' ثریا نے کہا تو صبا نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

''چلیں ہم تینوں کہیں باہر چلتے ہیں۔گھومیں گے شاپنگ کریں گے' رات کا کھانا بھی باہر ہی کھائیں گے۔''

''لیکن صبا' مجھے جلدی گھر جانا ہے۔'' نشاء عذر تراشنے لگی لیکن صبا نے اس کی ایک نہیں سنی تھی۔



نشاء کو گھر آنے میں بہت دیر ہوگئی تھی۔ساجدہ بیگم معمول کی طرح احسن کے انتظار میں بیٹھی تھیں' نشاء نے سلام کے ساتھ انہیں بتایا کہ وہ امی اور صبا کے ساتھ شاپنگ پر چلی گئی تھی جب ہی دیر ہوگئی۔ساجدہ بیگم نے حسب عادت کوئی تبصرہ نہیں کیا صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا' تب وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

محسن آنکھوں پر بازو رکھے سیدھا لیٹا تھا۔

''سو رہے ہیں مونی......'' اس نے قریب آ کر پوچھا' محسن نے جواب نہیں دیا تو آہستہ سے اس کا بازو ہلا کر بولی۔

''سوری مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔''

''کوئی بات نہیں۔'' وہ بنا کسی حرکت کے بولا تھا۔

''آپ نے کھانا کھالیا؟''

''ہوں۔''

''دوا نہیں لی ہوگی۔'' اس نے جلدی سے ٹیبلٹ نکالی اور گلاس میں پانی ڈال کر بولی۔''اٹھیں مونی دوا لے لیں۔''

''رکھ دو میں لے لوں گا۔'' وہ بہت سپاٹ تھا۔

''نہیں آپ بھول جائیں گے۔'' اس نے کہا تو وہ ایکدم آنکھوں سے بازو ہٹا کر بگڑ گیا۔

''کبھی تم بھی بھول جایا کرو' جب دیکھو دوا لیے کھڑی ہوتی ہو' کوئی اور کام نہیں ہے تمہیں۔''

''مونی' کیا ہو گیا ہے آپ کو ناراض کیوں ہو رہے ہیں؟'' محسن نے پھر آنکھوں پر بازو رکھ لیا' تو عاجزی سے بولی۔

''مونی' کوئی غلطی ہوگئی ہے مجھ سے۔ بتائیں ناں کیوں ناراض ہو رہے ہیں۔''

''دماغ خراب ہے میرا' تم خدا کے لیے مجھے تنگ مت کرو میں سونا چاہتا ہوں۔''

''میں نے آپ کو سونے سے کب منع کیا ہے۔دوا لے لیں پھر سو جائیے گا۔'' اس نے محسن کا بازو آنکھوں سے ہٹا کر گلاس اس کی طرف بڑھایا تو اس نے یوں اس کا ہاتھ جھٹکا کہ گلاس دور جا گرا' یہاں وہاں سارے کانچ پھیل گئے۔

''نہیں چاہیے مجھے دوا'' وہ غصے سے کہتا اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تو وہ پریشان ہوگئی۔ سمجھ میں نہیں آیا اسے کیا ہوگیا ہے؟ وہ تو کبھی یوں ناراض نہیں ہوا' ہمیشہ وہ خود اسے ناراض کرتی تھی' بار ہا اس کے ہاتھ جھٹکے تھے' آج اس نے جھٹکا تو جان پر بن آئی۔ فرش پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھی اور بکھرے کانچ سمیٹتے ہوئے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ٹھیک سے کچھ نظر بھی نہیں آرہا تھا' جب ہی انگلی میں کانچ یوں چبھا کہ خون کی دھار بہہ نکلی تھی لیکن اسے احساس نہیں تھا' ادھر ادھر سے کانچ اٹھا رہی تھی تب ہی محسن واپس کمرے میں آیا اور پہلی نظر اس کی انگلی سے بہتے خون پر پڑی تو تیر کی سی تیزی سے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' پھر اس کی انگلی اپنی مٹھی میں دبا کر بولا تھا۔

''مجھے مارنے میں کوئی کسر چھوڑو گی بھی......اٹھو یہاں سے۔'' وہ کچھ نہیں بولی' چپ چاپ اس نے جہاں بٹھایا بیٹھ گئی۔ محسن نے جلدی سے دراز میں سے کاٹن اور بینڈ ایج نکالی اور اس کی انگلی پر بینڈ ایج کرتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے آنسو ایک تواتر سے گر رہے تھے۔

''تکلیف ہو رہی ہے؟''

''بہت۔'' اس کی آواز پر آنسو غالب تھے۔

''اتنی سی چوٹ پر۔'' وہ ذرا سا ہنسا تھا۔

''چوٹ یہاں نہیں یہاں لگی ہے۔'' نشاء نے اپنے دل پر انگلی رکھی تو محسن نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بینڈ ایج کی گرہ لگاتے ہوئے بولا۔

''سوری' میں تو یونہی تمہیں تنگ کر رہا تھا۔ اگر تمہیں برا لگا تو......''

''نہیں' مجھے آپ کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''اس کا مطلب ہے ہم دونوں ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے ہیں۔'' محسن کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیسا دھوکا......'' وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''محبت کا......وہ کہہ کر یکدم موڈ میں آ گیا' ہلکے پھلکے انداز میں وضاحت کرنے لگا۔

''بھئی دیکھو ناں' محبت میں شکایتیں تو ہوتی ہیں جبکہ ہم دونوں کا دعویٰ ہے کہ مجھے تمہاری اور تمہیں میری کوئی بات بری نہیں لگتی' تو اس کا کیا مطلب ہوا' ہم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے۔''

''کیا فضول باتیں کر رہے ہیں۔'' نشاء نے سر جھٹکا۔

''ہاں ہا' فضول آدمی ہوں تو فضول باتیں ہی کروں گا ناں۔'' محسن اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرایا تھا۔



ساجدہ بیگم اب جلد سے جلد احسن کی شادی کرنا چاہتی تھیں' اور اس سلسلے میں وہ ان سے تفصیلی بات کرنا چاہتی تھیں لیکن احسن موقع ہی نہیں دے رہے تھے۔ صبح عجلت میں ہاسپٹل کے لیے نکل جاتے اور رات میں تھکن کا بہانا کر کے سونے چلے جاتے۔ اس وقت وہ ناشتے کی ٹیبل سے جلدی اٹھ گئے تھے لیکن ساجدہ بیگم ٹھان چکی تھیں فوراً ان کے پیچھے ان کے کمرے میں چلی آئیں اور انہیں جلدی جلدی بالوں میں برش کرتے دیکھ کر یونہی بولی تھیں۔

''ہاسپٹل جا رہے ہو؟''

''جی......آپ کو کوئی کام ہے؟'' وہ برش رکھ کر بریف کیس چیک کرنے لگے۔

''کام تو نہیں' بات کرنی ہے تم سے۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو وہ بریف کیس بند کر کے بولے۔

''جی کہیے۔''

''میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں بیٹا کہ محسن جو کہہ رہا ہے ٹھیک کہہ رہا ہے؟'' ساجدہ بیگم کی بات وہ فوری سمجھے نہیں تھے۔

''کیا کہہ رہا ہے محسن؟''

''لو تمہارے سامنے تو کہہ رہا تھا کہ تم ڈاکٹر تانیہ سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' وہ ایکدم خاموش ہو گئے۔

''جواب دو' چپ کیوں ہو گئے۔'' ساجدہ بیگم نے ٹوکا تو وہ بے بس ہو گئے۔

''آپ تو سب جانتی ہیں امی پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔ جو آپ کا دل چاہے کریں۔''
''مجھے اپنے دل کی کرنی ہوتی تو میں بہت پہلے تمہاری شادی کر چکی ہوتی۔ یہ سب نصیب کی باتیں ہیں بیٹا' پھر اب تو اللہ کا شکر ہے نشاء بھی اپنے نصیب پر راضی ہو گئی ہے۔''
''دعا کریں' میں بھی اپنے نصیب پر راضی ہو جاؤں۔'' ان کی دل گرفتگی ساجدہ بیگم کو محسوس ہوئی تھی۔
''کیوں نہیں بیٹا...... اللہ جو نصیب لکھتا ہے پھر اس پر بندے کو راضی بھی وہی کرتا ہے۔''
''اب آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟''
''میں......'' ساجدہ بیگم بے دھیانی میں انہیں دیکھنے لگیں پھر اچانک یاد آنے پر کہنے لگیں۔ ''ہاں وہ تم مجھے تانیہ کے بارے میں بتاؤ۔ میرا مطلب ہے اس کا اتا پتہ' کہاں رہتی ہے؟ پھر میں جاؤں تمہارا رشتہ لے کر۔''
''میں آپ کو اس کا لینڈ نمبر دے دیتا ہوں۔ آپ پہلے اس کی امی کو فون کر لیں۔'' وہ کہتے ہوئے پیپر پر نمبر لکھنے لگے۔
''یہ ٹھیک ہے' تانیہ کی امی سے بات کر کے پھر میں آج ہی جاؤں گی۔'' ساجدہ بیگم ان کے ہاتھ سے پیپر لے کر بولیں۔
''میں جاؤں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' انہوں نے اجازت چاہی اور خدا حافظ کہہ کر نکل گئے تو ساجدہ بیگم نے اسی وقت تانیہ کی امی کو فون کر ڈالا اور پھر شام میں نشاء کے ساتھ ان کے گھر پہنچیں تو تانیہ کی امی زبیدہ نے بہت اخلاق اور محبت سے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔
''یہ میری چھوٹی بہو ہے نشاء۔'' ساجدہ بیگم نے نشاء کا تعارف کرایا پھر کہنے لگیں۔ ''احسن باہر تھا اس لیے مجھے چھوٹے بیٹے کی شادی پہلے کرنی پڑی اور اب میں احسن کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہوں۔''
''کتنی جلدی......'' زبیدہ نے مسکرا کر پوچھا تھا۔
''بس اگلے مہینے...... نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔'' ساجدہ بیگم نے کہا تو زبیدہ خاموش ہو گئیں۔
''تانیہ کہاں ہیں آنٹی؟'' نشاء نے خاموشی محسوس کر کے پوچھا۔
''تانیہ چائے بنا رہی ہے۔''
''میں جاؤں ان کے پاس؟'' نشاء کو تانیہ کو دیکھنے سے زیادہ اس سے بات کرنے کی جلدی تھی۔
''ضرور جاؤ' کچن اس طرف ہے۔'' زبیدہ نے کچن کی طرف اشارہ بھی کر دیا تو نشاء نے ساجدہ بیگم کو دیکھ کر گویا ان سے اجازت طلب کی اور ان کے سر ہلانے پر اٹھ کر کچن میں آ گئی۔
''ارے تم یہاں کیوں آ گئی؟'' تانیہ نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔
''دیکھنے آئی ہوں کہ آپ چائے کیسے بناتی ہیں۔''
''میرا خیال ہے چائے بنانے کا ایک ہی فارمولا ہے۔'' تانیہ جلدی جلدی ٹرالی میں لوازمات رکھ رہی تھی۔
''فارمولا تو ایک ہی ہے پر ٹیسٹ میں فرق کیوں ہوتا ہے؟'' وہ تانیہ کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر اس کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھی۔
''اچھا سوال ہے۔ سوچنا پڑے گا۔''
''میں بتا سکتی ہوں۔'' اس نے کہا تو تانیہ ٹی پاٹ ٹرے میں رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔
''سیدھی سی بات ہے اگر خلوص سے چائے بنائی جائے گی تو اچھی بنے گی' ورنہ پینے والے کا دل چاہے گا چائے اپنے سر پر انڈیل دے یا بنانے والے کے سر پر۔'' اس کی منطق پر تانیہ بے ساختہ ہنس کر بولی تھی۔
''تم یقیناً اچھی چائے بناتی ہو گی۔''
''یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔'' اس نے فوراً پوچھا تھا۔
''ایسے کہ تم بہت مخلص لڑکی ہو۔ ہر کام خلوص سے کرتی ہو گی تو اچھا ہی ہوتا ہو گا' جیسے تم نے میرے لیے احسن کو منا لیا۔'' تانیہ نے کہا تو وہ جیسے اسی انتظار میں تھی فوراً کہنے لگی۔
''ارے نہیں' میں نے کہاں' وہ تو خود ہی' میرا مطلب ہے میں نے احسن بھائی سے شادی کا کہا ہی تھا کہ انہوں نے آپ کا نام لے دیا۔''
''احسن نے......؟'' تانیہ حیران ہوئی۔

''جی جناب' آپ کو پتا ہی نہیں وہ آپ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ آپ کے بغیر رہ نہیں سکتے۔ شادی کریں گے تو آپ سے ورنہ نہیں یہی کہا تھا احسن بھائی نے۔'' اس نے بہت خوب صورتی سے تانیہ کے اندر اگر کوئی بات تھی تو اس کی نفی کر دی تھی۔

پھر اپنی طرف سے بات پکی کر کے اور زبیدہ کو اگلے مہینے شادی کر دینے پر راضی کر کے ہی ساجدہ بیگم اٹھی تھیں۔ انہیں تانیہ پسند آئی تھی۔ جب ہی وہ خوش نظر آ رہی تھیں۔ گھر میں جلال احمد ان ہی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ ان کے بیٹھتے ہی پوچھنے لگے۔

''لڑکی کا باپ کیا کرتا ہے؟''

''باپ نہیں ہے' بس دو ماں بیٹی ہیں۔'' ساجدہ بیگم نے بتایا تو افسوس سے پوچھا۔

''او...... کب انتقال ہوا اس کے باپ کا؟''

''بتا رہی تھیں زبیدہ کہ جب تانیہ میڈیکل میں پڑھتی تھی تب پہلے ہارٹ اٹیک نے ان کی جان لے لی۔''

''پھر تو بڑی مشکل ہوئی ہو گی۔ کیسے پڑھایا بیٹی کو۔ میڈیکل کی تعلیم آسان تو نہیں ہے۔'' جلال احمد غالباً حالات کی روشنی میں ان کے حسب نسب کا اندازہ کرنا چاہتے تھے۔

''یہ تو میں نے نہیں پوچھا' بہرحال اچھی سلجھی ہوئی سیدھی سادی خاتون ہیں' تانیہ کی امی۔'' ساجدہ بیگم نے موضوع سمیٹنا چاہا تھا۔

''بس بیگم تم ہر ایک کو اپنی طرح مت سمجھ لیا کرو۔ ایک دو ملاقاتوں میں کسی کے مزاج کا پتا نہیں چلتا۔ خیر تم تیاری میں کوئی کسر مت چھوڑنا۔'' جلال احمد نے انہیں ہوشیار کر کے کہا۔

''کیا کسر نہ چھوڑوں۔ میری تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا' بازاروں کے چکر لگانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔'' ساجدہ بیگم نے اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر معذوری ظاہر کی تو وہ کہنے لگے۔

''تم جانا بھی مت۔ ایک دن بازار جاؤ گی چار دن بستر پر پڑی رہو گی۔ نشاء سے کہنا لبنیٰ کے ساتھ چلی جائے گی یا اب تو وہ بھی ہے کیا نام ہے اس کا...... ہاں صبا......!''

''صبا......!'' ساجدہ بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔



وہ خان جنید کے ساتھ ہی گھر آئی تھی اور اسی روز آصف جاہ کسی کام سے لاہور چلا گیا تو اس نے سکون کا سانس لیا اور یہاں تک سوچا کہ وہ واپس نہ ہی آئے تو اچھا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی قسمت پر راضی ہونا چاہتی تھی۔ بہرحال خان جنید جرمنی سے لوٹے تو بے حد مصروف ہو گئے تھے۔ شاید کوئی نیا پروجیکٹ ملا تھا کہ اب انہیں دن رات کا ہوش نہیں تھا۔ پہلے جو وہ سات بجے ہی رات کا کھانا لیا کرتے تھے' اب ان کے انتظار میں آدھی رات ہو جاتی تھی' کبھی تو وہ سو بھی جاتی تھی۔ گو کہ خان جنید اسے زیادہ کمپنی نہیں دیتے تھے نہ اس کے ساتھ کہیں آتے جاتے تھے' پھر بھی ان کی حد درجہ مصروفیت نے اسے بور کر دیا تھا اور تنہائی محسوس کرتے ہوئے ہی اسے اچانک احساس ہوا تھا کہ اس کی گود ابھی تک سونی ہے حالانکہ اس کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا' صرف چھ ماہ' اور وہ نئے مہمان کے بارے میں سوچنے لگی۔ بڑا خوش کن احساس تھا جب ہی اس رات خان جنید کے سامنے اس نے خاص طور سے بچوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ وہ ان کے تاثرات دیکھنا چاہتی تھی' کہ آیا وہ مزید بچوں کی آرزو رکھتے ہیں یا نہیں اور اسے بہت مایوسی ہوئی جب انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ پھر بھی اگلے کئی دن تک وہ انہیں آزماتی رہی کبھی بچوں کی باتیں اور کبھی بچوں کی کوئی مووی لگا دیتی اور خان جنید پتا نہیں سمجھ نہیں رہے تھے یا جان بوجھ کر انجان بن رہے تھے۔ بہرحال وہ خاصی دلبرداشتہ ہوئی اور ایک آخری کوشش کے طور پر ان سے صاف بات کرنے کی جسارت کر بیٹھی۔

''خان' میں اپنی تکمیل چاہتی ہوں۔''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو ہچکچا کر بولی تھی۔

''میں...... میرا مطلب ہے میں ماں بننا چاہتی ہوں۔''

''ارے......'' خان جنید کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ ''صبا' میری بیوی بنتے ہی تم نہ صرف ماں بلکہ نانی اور دادی بھی بن گئی تھیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے خان لیکن میں اپنے بچے کی ماں بننا چاہتی ہوں' جو میری کوکھ سے جنم لے اور میری آغوش میں پرورش پائے۔''

''کم آن سوئیٹی۔'' وہ ٹوک کر کہنے لگے۔ ''صرف اپنا نہیں میرا بھی سوچو' اب اس عمر میں میں شیر خوار بچے کا باپ کہلاتا اچھا لگوں گا کیا۔ تم خود سوچو فریحہ پہلے ہی خفا ہے کہ میں نے اس عمر میں شادی کیوں کی اب اگر بچے پیدا کرنے لگوں تو......''

''صرف ایک......'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔
''امپاسبل۔'' ان کی پیشانی شکن آلود اور لہجے کی سختی نے اسے نہ صرف اندر تک دہلا دیا بلکہ باور بھی کرا دیا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی بات نہ اب نہ آئندہ کبھی سنیں گے۔
وہ سر جھکا کر اپنے اندر ہمکتے مامتا کے جذبے کا گلا گھوٹنے کی کوشش کرنے لگی تھی کہ وہ کہنے لگے۔
''سنو...... تمہیں صرف ماں بننے کی خواہش ہے یا میری پراپرٹی میں حصہ دار پیدا کرنا چاہتی ہو؟''
''میرے خدا......'' اسے حیرت کے ساتھ دکھ بھی ہوا۔ یہ ان کا کون سا روپ تھا؟ تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''مجھے جائیداد میں سے کچھ نہیں چاہیے خان' بس ایک بچہ جو میری مامتا کا سہارا ہو میرا یقین کریں میں اپنے لیے اور بچے کے لیے بھی کچھ نہیں مانگوں گی۔''
''پھر بھی سوری...... میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔'' وہ کروٹ بدل گئے اور وہ بقیہ تمام رات آنکھوں پر بند باندھتی رہی تھی۔
خان جنید نے اسے اندھیرے میں نہیں رکھا تھا نہ ہی اس کا دل رکھنے کی خاطر کوئی آس دلائی تھی بلکہ انہوں نے واضح الفاظ میں اس کی خواہش رد کر دی تھی اور ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ ہر بات کی طرح اسے بھی نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتی لیکن اس کے برعکس وہ کسی طرح بھی اس تلخ حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہی تھی گو کہ کوشش ضرور کر رہی تھی' کہ اپنے اندر ہمکتے مامتا کے جذبے کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دے لیکن جتنا وہ اس جذبے کو دباتی اتنا زیادہ وہ سر ابھارتا اور وہ بے چین ہو جاتی۔
''کیا وہ کبھی معتبر نہیں ہوگی۔'' وہ سوچتی۔
''کیا اس کی سماعتیں ہمیشہ ایک لفظ ماں سننے کو ترستی رہیں گی؟
''کوئی تو ہو جو میرے تڑپتے مچلتے جذبے کو فقط ایک لفظ سے شانتی بخش دے......!
اور پھر وہ سکون ڈھونڈتی ہوئی بنٹی کے پاس جا بیٹھی اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔
''تمہیں یاد ہے بنٹی اول روز تم نے پوچھا تھا کہ تم مجھے کیا کہہ کر مخاطب کرو۔''
''جی اور شاید آپ نے کہا تھا جو بھی نام دو بس اتنا خیال رکھنا کہ میری عزت نفس مجروح نہ ہو۔'' بنٹی نے سوچتے ہوئے اس کی بات دہرائی تھی۔
''ہاں بنٹی' میں نے ایسا ہی کہا تھا پھر تم نے مجھے کوئی نام کیوں نہیں دیا؟'' اس نے پوچھا تو بنٹی اس کی حالت سے بے خبر بے پروائی سے بولا تھا۔
''بس یونہی۔''
''یونہی......'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ وہ اسے دیکھے گئی۔ وہ کوئی ننھا منا سا معصوم فرشتہ نہیں تھا جو اس کی آغوش میں سما جاتا۔ وہ تو بس اس سے چند برس ہی چھوٹا تھا پھر بھی اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لے کر بولی۔
''سنو...... تم مجھے ماں کیوں نہیں کہتے......''
''ماں'' بنٹی شاید ہنسنا چاہتا تھا لیکن جانے کیوں ہنس نہیں سکا۔
''ہاں بنٹی تم مجھے ممی کہو یا مما یا ایسا ہی کوئی لفظ جو تمہیں اچھا لگے۔''
''اچھا۔'' بنٹی مسکرا کر بولا۔ ''مجھے آپ کو مما کہنے میں اعتراض تو نہیں لیکن آپ میری مما لگتی نہیں ہیں' آئی مین عمر میں آپ مجھ سے اتنی بڑی نہیں ہیں۔''
''تو کیا ہوا۔'' وہ جلدی سے بولی تھی۔ ''ہوں تو میں تمہاری مما اور جب تم اس رشتے کو تسلیم بھی کر رہے ہو تو پھر مما کہنے میں کیا حرج ہے؟''
''آپ کو برا نہیں لگے گا؟''
''نہیں بھئی میں خود تم سے کہہ رہی ہوں اور مجھے بہت اچھا لگے گا۔''
''اچھا تو مما جی' اب آپ یہاں سے اٹھ کر اوپر بیٹھیں مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا کہ میری ماں میرے پیروں کے پاس بیٹھی ہے۔''

بنٹی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھانے کی سعی کرتے ہوئے کہا تو وہ بہت خوش ہوگئی۔
''تھینک یو بنٹی تھینک یو۔''
اس نے زندگی میں کبھی بہت زیادہ کی آرزو نہیں کی تھی۔ بس جو مل گیا اس پر قناعت کرلی۔ شاید قناعت کرنا اس کی مجبوری تھی کیونکہ دنیا میں واحد ہستی ابوجی جن پر وہ حق رکھتی تھی اور انہوں نے کبھی اس کی خبر نہیں لی' جو خبر گیری کرتے تھے ان پر ابوجی جتنا حق بہرحال نہیں تھا' اس لیے ان کی طرف سے جو مل گیا اسے ہی بہت سمجھ لیا اور اب بنٹی پر بھی اسے اتنا حق نہیں تھا جتنا کہ اپنی اولاد پر ہوتا ہے' اس لیے اس کی طرف سے محبت کے چند بولوں کو اس نے بہت سمجھ لیا تھا اور ان دنوں وہ کچھ مگن سی ہوکر بنٹی کی نازبرداریوں میں مصروف تھی' جب ہی اس نے غور نہیں کیا کہ خان جنید کچھ تھکے تھکے سے رہنے لگے ہیں' وہ جو اپنی عمر سے دس سال کم نظر آتے تھے' اب اتنے ہی برس آگے جا کھڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت وہ بنٹی کے ساتھ بیٹھی کوئی مووی دیکھ رہی تھی کہ فون کی بیل سن کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دوسری طرف خان جنید کا پی اے تھا' اس نے بتایا کہ خان جنید کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔
''کیا ہوا ہے انہیں؟'' وہ ایکدم پریشان ہوگئی اور اس سے ہاسپٹل کا معلوم کرکے جلدی سے بنٹی کے پاس آکر اسے بتانے لگی۔
''بنٹی' تمہارے ڈیڈی ہاسپٹل میں ہیں اور میں ان کے پاس جارہی ہوں۔'' پریشانی اس کے چہرے اور آواز میں بھی سمٹ آئی تھی جبکہ بنٹی نے بڑے سکون سے اس خبر کو سنا اور اطمینان سے کہنے لگا۔
''کم آن مما' ڈیڈی یونہی چیک اپ کے لیے گئے ہوں گے۔''
''نہیں بنٹی' ان کے پی اے کا فون تھا اس نے بتایا ہے کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔''
''اچھا' کام کی ٹینشن ہوگی' آپ پلیز پریشان نہ ہوں۔'' بنٹی کا انداز ہنوز تھا' وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور ڈرائیور سے گاڑی کی چابی لے کر خود ہی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور آندھی طوفان کی طرح خان جنید کے پاس پہنچی تو انہوں نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا پھر پوچھنے لگے۔
''تم یہاں کیسے آئیں' آئی مین تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔''
''آپ کیسے ہیں خان؟'' وہ ان کی بات نظرانداز کرگئی۔
''ایک دم فرسٹ کلاس۔'' پتا نہیں انہوں نے لہجے کو فریش رکھنے کی کامیاب کوشش کی تھی یا واقعی اتنے فریش تھے وہ سمجھ نہیں سکی۔
''کیا ہوا ہے آپ کو؟'' اس کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔
''کچھ نہیں' بس سینے میں معمولی سا درد تھا تو چیک اپ کے لیے چلا آیا۔'' انہوں نے بتایا۔ تب ہی ڈاکٹر صاحب اندر آئے تو خان جنید کے ساتھ وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔
''خان صاحب' اب مزید تاخیر آپ کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ آپ کو فوراً بائی پاس کرانا چاہیے۔'' ڈاکٹر نے کہا تو خان جنید نے اثبات میں سر ہلایا پھر اس کی طرف اشارہ کرکے بولے۔
''ڈاکٹر یونس ان سے ملیں یہ میری مسز ہیں۔''
''ہیلو۔'' ڈاکٹر یونس اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکرائے۔ جواباً وہ مسکرانے کی کوشش میں ناکام ہوگئی۔ اس کی سماعتوں میں بس ایک لفظ بائی پاس' سائیں سائیں کررہا تھا۔
''مسز خان آپ میرے ساتھ آئیں۔'' ڈاکٹر یونس نے کہا تو وہ خان جنید کو دیکھنے لگی۔ پھر ان کا اشارہ پاکر ڈاکٹر صاحب کے پیچھے چل پڑی۔ ڈاکٹر یونس اسے اپنے روم میں لے آئے اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔
''خان صاحب' اپنی صحت پر بزنس کو ترجیح دے رہے ہیں۔ انہیں ہارٹ ٹربل کی شکایت ہے اور میں گزشتہ تین ماہ سے انہیں بائی پاس کے لیے کہہ رہا ہوں اور وہ ہیں کہ آج کل پر ٹالتے جارہے ہیں۔ آپ پلیز انہیں سمجھائیں' مسز خان کہ مزید تاخیر سخت نقصان دہ ہوگی۔'' قدرے رک کر پیپر پر لکھتے ہوئے بولے۔
''میں کچھ میڈیسن لکھ کر دے رہا ہوں' یہ پابندی سے استعمال کرائیں' اور اس ہفتے مکمل ریسٹ کرائیں۔ کسی قسم کی کوئی ٹینشن نہیں ہونی چاہیے۔''
''وہ گھر پر ریسٹ نہیں کریں گے ڈاکٹر صاحب۔'' اسے بولنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرنی پڑی تھیں۔

''ہوں......'' ڈاکٹر یونس نے چند لمحے سوچا پھر اسے دیکھ کر بولے۔ ''ٹھیک ہے میں انہیں ایڈمٹ کرلیتا ہوں۔ آپ یہ میڈیسن منگوالیں۔''

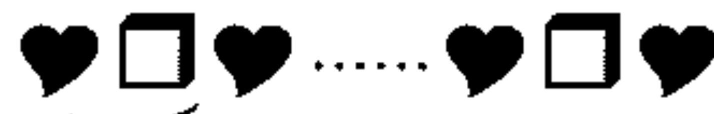
''جی۔'' وہ ان کے ہاتھ سے میڈیسن کا پرچہ لے کر باہر آئی تو خیال آیا کہ وہ اپنا پرس تو لائی نہیں' پھر خان جنید سے پیسے لینے کا سوچ کر تیز قدموں سے چلتے ہوئے ان کے روم میں داخل ہوتے ہی رک گئی۔

کندھے پر سفری بیگ لٹکائے آصف جاہ شاید ایئر پورٹ سے سیدھا ادھر ہی آ گیا تھا۔

''صبا......'' خان جنید نے اسے پکارا تب آصف جاہ بھی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''خان' یہ میڈیسن لینی ہیں۔'' وہ فوراً آگے بڑھ آئی تو آصف جاہ اس کے ہاتھ سے میڈیسن کا پرچہ لے کر باہر نکل گیا۔

''آپ خود سے بے پروائی کیوں کررہے ہیں۔'' آصف جاہ کے جاتے ہی وہ ان سے الجھنے لگی۔ ''ڈاکٹر صاحب بتارہے ہیں انہوں نے تین مہینے پہلے آپ کو بائی پاس کا کہا تھا۔ ان کی بات ماننا تو دور کی بات آپ نے خود کو مزید مصروف کرلیا۔ کیوں کررہے ہیں آپ ایسا؟ اپنا نہیں تو ہمارا خیال کریں' میں' بنٹی' کون ہے ہمارا آپ کے سوا۔'' وہ رونے لگی تو خان جنید نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب کرلیا تھا۔



ایک کے بعد دوسرے آپریشن نے انہیں بے حد تھکا دیا تھا۔ مزید پیشنٹ دیکھنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ پھر شام میں انہیں کلینک بھی جانا تھا' اس لیے دو تین گھنٹے آرام کرنے کا سوچ کر وہ ہاسپٹل سے نکلے تو راستے میں تانیہ کا فون آ گیا۔

''کہاں ہو تم' میں کب سے تمہیں فون کررہی ہوں۔'' وہ جھنجلائی ہوئی تھی۔

''میں راستے میں ہوں۔'' ان کی آواز میں تھکن ظاہر تھی۔

''کہاں جارہے ہیں؟'' تانیہ نے فوراً پوچھا۔

''گھر۔''

''میرے گھر آجاؤ۔'' تانیہ نے کہا تو وہ بہت ضبط سے بولے۔

''نہیں تانیہ اس وقت......''

''کوئی بہانہ نہیں' بس آجاؤ' میں انتظار کررہی ہوں۔'' تانیہ نے ان کی بات سنی ہی نہیں کھٹ سے فون بند کردیا تو نا چاہتے ہوئے بھی انہوں نے گاڑی اس کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے' مجبوری کے اس بندھن کو بہرحال انہیں نبھانا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد انہوں نے تانیہ کے گیٹ پر گاڑی روکی اور ابھی اترنے لگے تھے کہ تانیہ ایکدم آ کر ان کے برابر بیٹھ گئی۔

''چلو......'' وہ ناسمجھی میں اسے دیکھنے لگے۔

''کلفٹن مال' پارک ٹاور' چیری کہیں بھی' مجھے شاپنگ کرنی ہے۔'' تانیہ نے کہا تو وہ بددل ہوکر بولے۔

''یہ کام تم اپنی امی کے ساتھ بھی کرسکتی ہو۔''

''بالکل کرسکتی ہوں' لیکن شادی کی شاپنگ میں تمہارے ساتھ کرنا چاہتی ہوں۔ تمہاری پسند سے۔'' انہوں نے خاموشی سے گاڑی آگے بڑھادی' کیونکہ اس سے کچھ کہنا فضول تھا۔ کچھ دیر تانیہ خود ہی جانے کیا کیا بولتی رہی پھر ان کی خاموشی محسوس کرکے ٹوک کر بولی۔

''تم کچھ بول کیوں نہیں رہے۔ نشاء سے تو سب کہہ دیا تم نے۔''

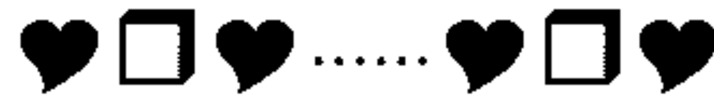
''نشاء سے؟'' انہوں نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''اب انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے احسن' نشاء نے سب بتادیا ہے مجھے کہ تم جانے کب سے مجھے پسند کرتے ہو۔ امریکا جانے سے پہلے تم اپنی امی سے کہہ گئے تھے کہ تم شادی کروگے تو مجھ سے ورنہ کسی سے نہیں۔'' تانیہ اترا کر بول رہی تھی اور وہ اتنے بے بس ہوگئے تھے کہ اس کی باتوں کو جھٹلا بھی نہیں سکے' نہ شاپنگ میں اس کا ساتھ دے سکے۔ تانیہ نے ہر چیز میں ان کی پسند پوچھی اور انہوں نے بس سر ہلادیا۔ پھر دونوں فوڈ کارنر میں آ کر بیٹھے تو تانیہ کا موڈ آف تھا۔

''بور کردیا تم نے۔ میں چاہ رہی تھی تمہاری پسند سے شاپنگ کروں لیکن تمہیں کسی چیز سے دلچسپی ہی نہیں ہے کیوں؟''

''یہ بات نہیں ہے تانیہ' اصل میں مجھے خواتین کی شاپنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔'' انہوں نے بات بنانے کی کوشش کی' وہ تنک کر بولی۔

''نہ ہو تجربہ' لیکن یہ تو بتا سکتے تھے کہ کون سا کلر مجھ پر سوٹ کرتا ہے کون سا نہیں۔''
''تم پر ہر کلر سوٹ کرتا ہے۔'' انہوں نے فوراً کہا تب بھی وہ مشکوک ہوئی۔
''جان چھڑا رہے ہو۔''
''جان چھڑانا ہوتی تو شادی کا پیغام کیوں بھیجتا۔'' وہ قصداً مسکرائے پھر بھی تانیہ مشکوک نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔
''کم آن یار' پبلک پلیس پر تو مت گھورو...... لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اچھا میں کچھ کھانے کو لاتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر چلے گئے پھر سینڈوچز کے ساتھ سوفٹ ڈرنک لے کر آئے تو تانیہ خاموشی سے سینڈوچ کھانے لگی۔ احسن نے اس کی خاموشی کو نوٹس کیا پھر سنجیدگی سے کہنے لگے۔
''سنو' ہم ٹین ایج سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔ اب اس عمر میں ہمیں بچکانہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں۔''
''کیا مطلب ہے تمہارا' ہم بوڑھے ہو گئے ہیں۔'' وہ چیخ کر بولی تھی۔
''لگ بھگ۔'' احسن کی شرارت پر تانیہ نے دانت پیسے تھے۔



وہ الماری میں سر دیئے جانے کیا تلاش کر رہی تھی کہ محسن نے پکار کر چائے کا کہا تو اس نے اپنی تلاش ترک کر دی اور الماری بند کر کے کمرے سے نکل کر سیدھی کچن کی طرف جا رہی تھی کہ ساجدہ بیگم نے پکار لیا۔
''جی تائی امی۔'' وہ ان کے کمرے میں آ گئی۔
''یہ دیکھو......'' ساجدہ بیگم نے اپنے سامنے کھلے دو تین جیولری کے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا تو وہ دیکھتے ہی قریب چلی آئی اور شوق سے دیکھنے لگی۔ پھر ایک ڈبہ اٹھا کر بولی۔
''تائی امی یہ بہت خوب صورت ہے۔ پہلے دن احسن بھائی کی دلہن کو یہ سیٹ پہنایئے گا۔''
''ہاں لیکن......'' ساجدہ بیگم جانے کیا سوچنے لگیں۔
''لیکن کیا؟'' اس نے ٹوکا تو ساجدہ بیگم کہنے لگیں۔
''بیٹا' آج کل تو شراروں کے ساتھ جیولری سیٹ میچ کیا جاتا ہے۔''
''ہاں تو تائی امی ہم اسی سیٹ پر شرارے کے ساتھ میچنگ نگ لگوا لیں گے۔'' اس نے فوراً حل بتا دیا۔
''مجھے تو ان سب باتوں کا پتا نہیں ہے بیٹا۔''
''تو میں کس لیے ہوں۔ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔''
''تم اپنی تیاری تو کرو۔ اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔'' ساجدہ بیگم خاصی بوکھلائی ہوئی لگ رہی تھیں۔
''میری تیاری بھی ساتھ ساتھ ہو جائے گی۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' اس نے کہا تب ہی محسن دروازے میں آ کر چلایا تھا۔
''نشاء' تم یہاں بیٹھی ہو۔ دو گھنٹے پہلے میں نے تمہیں چائے کا کہا تھا۔''
''مونی میں......'' وہ بوکھلا کر اٹھی تھی۔
''نہیں بنانی تھی چائے تو منع کر دیتیں۔ میں وہاں انتظار میں بیٹھا رہا۔ محتاج ہوں نا تمہارا' جب ہی ہر کام کے لیے ترساتی ہو۔'' وہ جانے کیوں اتنا غصہ کرنے لگا تھا۔
''مونی کیا ہو گیا ہے بیٹا' نشاء کو میں نے بلایا تھا۔'' ساجدہ بیگم نے قدرے پریشان ہو کر اسے ٹوکا لیکن وہ مزید بگڑ گیا۔
''بس کریں امی' آپ نہ اس کی طرفداری کریں۔ ابھی آپ نے اسے بلایا ہے ناں یہ تو ہمیشہ ایسے ہی کرتی ہے' بھول جاتی ہے میرے سارے کام۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں بھی ہوں۔''
''مونی......'' اس کے صرف ہونٹ ہلے تھے۔
''بے کار باتیں مت کرو مونی' جاؤ نشاء تم چائے بناؤ۔'' ساجدہ بیگم نے محسن کو ڈانٹ کر اس سے کہا تو وہ فوراً کچن میں آ گئی' نہ صرف خائف بلکہ روہانسی بھی ہو رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محسن کو کیا ہو گیا ہے؟ کہاں تو اتنی محبت اور اب ذرا ذرا سی بات پر بگڑنے لگا تھا۔ جانے اس کے اولین دنوں کے رویے کا بدلہ لے رہا تھا یا کوئی اور بات تھی۔
''اور کیا بات......'' وہ سوچتی الجھتی چائے لے کر کمرے میں آئی تو محسن جانے کس سوچ میں بیٹھا تھا اس کے چہرے پر محسوس کیے جانے

والا کرب پھیلا تھا۔
''سوری مونی...... میں تائی امی کے پاس بیٹھی تو پھر چائے بھول ہی گئی۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تو وہ اس کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے بولا۔
''بس کبھی مجھے نہ بھول جانا۔''
''آپ کیوں ایسی باتیں کرنے لگے ہیں۔ میں ساری دنیا بھلا سکتی ہوں آپ کو نہیں۔'' اس کی دل گرفتگی دل پر محسوس کر کے بھی وہ ذرا سا ہنسا تھا۔
''اچھا......''
''آپ کو مجھ پر میری محبت پر یقین نہیں ہے۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
''محبت......'' محسن کی آنکھوں میں درد سمٹ آیا تھا۔ کسی نادیدہ نقطے پر نظریں جمائے جانے کہاں کھو گیا تھا۔
''مونی؟'' اس نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دھیرے سے پکارا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
''کیا آپ کو میری محبت پر شک ہے؟'' اس نے ڈوبتے دل کے ساتھ پوچھا تو وہ اس کی آنکھوں میں اپنی نظریں اتار کر بولا۔
''اگر میں کہوں ہاں تو......''
''تو میں مر جاؤں گی۔ سچ مچ مر جاؤں گی۔'' وہ رو پڑی۔
''بے وقوف...... ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی ہو۔'' وہ زبردستی مسکرایا پھر اچانک یاد آنے پر یا شاید بات بدلنے کی غرض سے بولا تھا۔
''ارے ہاں تمہارا سیل فون بج رہا تھا۔ صبا کی کال تھی۔''
''صبا کی کال تھی تو آپ ریسیو کر لیتے۔'' اس نے ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا تو وہ کندھے اچکا کر بولا۔
''مجھے مناسب نہیں لگا۔''
''اس میں نامناسب کی کیا بات ہے؟''
''خیر تم خود کال کر لو۔ پتا نہیں کیا ضروری بات کرنی ہو گی اسے۔'' محسن نے کہا تو اس نے پہلے جا کر منہ ہاتھ دھوئے پھر آ کر صبا کو کال ملائی تھی۔
''ہاں صبا تم کال کر رہی تھیں؟'' اس نے کہا پھر ادھر کی بات سنتے ہوئے وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی۔
''کیا...... کب؟''
''ابھی کیا کنڈیشن ہے؟''
''ہاں میں...... میں آتی ہوں۔''
''تم پریشان مت ہو میں ابھی......'' اس نے سیل آف کر کے محسن کو دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
''مونی...... جنید بھائی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔''

(جاری ہے)



# تیرے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

## ﴿گزشتہ قسط کا خلاصہ﴾

تانیہ احسن کے وطن واپس لوٹنے پر بے حد خوشی محسوس کرتی ہے جب کہ دوسری طرف احسن کے دل میں اس کے لیے کوئی خاص جذبات نہیں۔ اسی لیے وہ تانیہ سے فرار حاصل کرنا چاہتا ہے جبکہ تانیہ اس سے محبت کی دعوی دار ہے تانیہ اپنے مقصد کی خاطر نشا کی مدد سے احسن کے دل تک رسائی حاصل کرنا چاہتی ہے اور نشا بھی اس کی مدد کرنے کی حامی بھر لیتی ہے۔ وہ احسن کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تانیہ کے لیے تیار کر لیتی ہے جب ہی ساجدہ بیگم اور نشا باقاعدہ طور پر تانیہ کی ماں زبیدہ بیگم سے ملتی ہیں۔ نشا تمام حالات سے سمجھوتہ کر کے محسن کے ساتھ خوشگوار زندگی گزارنے کا سوچ کر اپنے تمام سابقہ رویوں میں بدلاؤ لا کے محسن سے معافی مانگ لیتی ہے جبکہ محسن اس کے اس طرز عمل پر حیران رہ جاتا ہے۔ دوسری طرف محسن کے رویے میں بدلاؤ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے اسے نشا کی محبت پر شک ہونے لگتا ہے جب کہ محسن کی یہ بے اعتمادی نشا کو توڑ کر رکھ دیتی ہے۔

صبا کے لیے آصف جاہ کا وجود دن بدن پریشانیاں لے کر آتا ہے وہ ایسے خان جنید اور اس کی عمروں کا تفاوت کا احساس دلا کر کمتری کے احساسات میں مبتلا کر دیتا ہے آصف جاہ خود بھی صبا کی جانب محبت و دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے آصف جاہ کے اس رویے پر صبا کو خود بھی اپنی زندگی کے خالی پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ دوسری طرف خان جنید زندگی کے سفر میں صبا کے ہم قدم چلنے میں ناکام رہتے ہیں۔ خان جنید کی خراب ہونے پر صبا ایک اور حقیقت سے آگاہ ہوتی ہے کہ خان جنید ہارٹ ٹربل میں مبتلا ہیں لیکن کسی طور پر بائی پاس کرانے کے لیے تیار نہیں۔

دوسری طرف نشا کے لیے محسن کا تلخ رویہ بہت سی مشکلات لے کر آتا ہے جب ہی اسے صبا کے فون کے ذریعے خان جنید کے ہارٹ اٹیک کی اطلاع ملتی ہے جس پر وہ مزید الجھن کا شکار ہو جاتی ہے۔

## ﴿اب آگے پڑھیے﴾



خان جنید آئی سی یو میں تھے اور کسی کو ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آصف جاہ چاہتا تھا کہ صبا گھر چلی جائے کیونکہ وہ بہت پریشان اور اب نڈھال بھی لگ رہی تھی۔ اس نے صبح سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا۔ اس لیے وہ بار بار اسے گھر جانے پر زور دے رہا تھا لیکن وہ مان کر نہیں دی۔ الٹا آصف جاہ پر بگڑ گئی تھی۔ جس پر وہ دور جا بیٹھا۔ لیکن دھیان اسی کی طرف تھا۔ وہ کبھی بیٹھتی کبھی ٹہلنے لگتی۔ پھر نشا کے آنے پر وہ ایکدم ڈھے سی گئی تھی۔

''نشا...... خان کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی پلکوں سے دو آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔

''ان شاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔ نشا نے اسے گلے لگا کر تسلی دی پھر پوچھنے لگی۔ ''امی کہاں ہیں؟''

''امی کو میں نے نہیں بتایا۔ تم بھی مت بتانا''۔ صبا نے کہہ کر محسن کو دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

''ابھی کہاں ہیں خان صاحب؟'' صبا نے آئی سی یو کی طرف اشارہ کر دیا۔ ''کیا بتایا ڈاکٹر نے؟'' محسن نے اشارے کی سمت دیکھ کر پوچھا تو وہ بے بسی سے بولی۔

''مجھے کچھ نہیں بتا رہے ڈاکٹر......''

''اچھا آپ پریشان نہ ہوں میں نے احسن بھائی کو فون کر دیا ہے وہ آنے والے ہوں گے۔'' محسن نے کہتے ہوئے نشا کو اشارہ کیا تو وہ سمجھ کر بولی۔

''ہاں صبا تم پریشان مت ہو ادھر بیٹھو۔''

کچھ دیر بعد احسن آ گئے اور موقع ایسا تھا کہ صبا سے سرسری مل کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔ کیونکہ وہ خود ڈاکٹر تھے اس لیے ساری رپورٹ لے کر آئے تھے۔

''آپ کے جنید خطرے سے نکل آئے ہیں صبا۔ ہاں اگر انھوں نے آپ کو اس حال میں دیکھ لیا تو انہیں دوبارہ خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔''

احسن اس کی پریشانی دیکھ کر بولے تھے۔ ''بی ریلیکس۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ گھر جا کر آرام کریں اور فریش ہو کر آئیں۔''

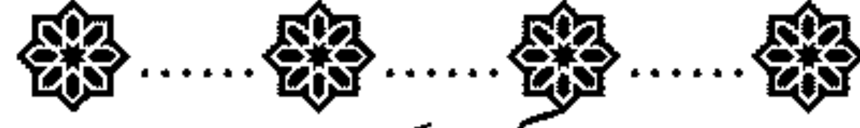
''احسن بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں صبا۔ تمہیں آرام کرنا چاہیے۔'' نشا نے کہا تو وہ اس کا ہاتھ تھپک کر بولی۔

''میں ٹھیک ہوں اور جب تک خان روم میں نہیں آ جاتے میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' پھر احسن اور محسن کو دیکھ کر بولی تھی۔ ''میں نے آپ سب کو پریشان کر دیا۔''

''اب ہم پر رحم کریں اپنا خیال رکھیں ورنہ آپ کے خان صاحب ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔'' احسن نے ہلکا پھلکا انداز اختیار کر کے اسے ٹینشن سے نکالنے کی کوشش کی تو محسن نے ان کی کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دیا۔

''ہاں خان صاحب کہیں گے سالو اپنی بہن کا خیال نہیں کیا۔''

صبا کی بے ساختہ ہنسی پر دور بیٹھے آصف جاہ نے چونکنے کے ساتھ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔



وہ یقیناً ان لڑکیوں میں سے تھی جنہیں زندگی میں خواہش کے برعکس کچھ ملے تو وہ اسے نصیب کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔ گو کہ اپنے ساتھ ہونے والے تقدیر کے مذاق پر وہ آزردہ ضرور ہوئی تھی لیکن خان جنید سے پھر بھی متنفر نہیں ہوئی نہ ہی ان کے لیے غلط انداز سے سوچا تھا۔ انہیں تو ایجاب وقبول کے مراحل سے گزرتے ہی اس نے اپنا سب کچھ مان لیا تھا۔ جب ہی اس کے دل سے ہر دم ایسی ہی صدائیں نکلتی تھیں کہ......

''اللہ نہ کرے جو خان کو کچھ ہو۔''

پھر جس دن خان جنید ڈسچارج ہو کر گھر آئے تب اس تمام عرصے میں پہلی بار وہ بے اختیار ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

''ارے کیا ہوا بھئی......؟'' وہ قدرے حیرت سے پوچھنے لگے۔

''خان میں آپ کی طرف سے بہت پریشان تھی۔'' اس نے کہا تو وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولے۔

''کم آن گرل اب تو میں ٹھیک ہوں۔''

''ہاں اللہ کا شکر ہے۔'' وہ آنسو پوچھ کر انہیں دیکھنے لگی۔ چہرے کی رنگت زردی مائل ہو رہی تھی اور کمزور بھی لگ رہے تھے۔ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر بے ساختہ بولی تھی۔

''اللہ آپ کو میری عمر بھی لگا دے۔''

''ارے......'' خان جنید ہنسے پھر بغور اسے دیکھنے لگے۔ ان کی نظر میں وہ عام سی لڑکی جس میں متاثر کرنے والی کوئی بات نہیں تھی یا پھر خان جنید عمر کے اس حصے میں تھے جہاں صنف مخالف میں کشش محسوس ہوتی بھی ہے تو دل بے اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی طرف لپکتا ہے۔ اور وہ تو ان کی نظر میں عام سی لڑکی تھی۔ جس سے شادی بھی انہوں نے محض بنٹی کی وجہ سے کی تھی وہ لاکھ انکار کرتے لیکن حقیقت یہی تھی۔ کیونکہ بنٹی بہت تنہائی محسوس کرتا تھا اور کوئی گورنس اس کے پاس زیادہ دن ٹک کر نہیں رہتی تھی یوں وہ بیوی لا کر قدرے مطمئن ہو گئے تھے کہ کم از کم وہ گورنس کی طرح چھوڑ کر جائے گی تو نہیں اور اب وہ حیران ہونے کے ساتھ دل ہی دل میں پشیمان بھی ہو رہے تھے کہ جسے انھوں نے عام سی لڑکی سمجھا تھا وہ کتنے خلوص سے انہیں اپنی زندگی کی دعا دے رہی تھی۔

''آپ کیا سوچنے لگے خان؟'' اس نے ایک ٹک انہیں اپنی طرف دیکھتا پا کر پوچھا تو وہ چونک گئے۔

''یہ بتاؤ تم نے میرے لیے کتنی دعائیں مانگیں؟''

''بے شمار نہ صرف دعائیں بلکہ منتیں بھی جواب میں پوری کروں گی۔''

''کیوں؟ آئی مین تمھیں میری زندگی سے کیا فائدہ ہے؟'' بالآخر بزنس مین تھے جو سود وزیاں کی بات ضرور کرتا ہے۔

''فائدہ......'' وہ حیران ہوئی۔ ''میں کسی فائدے نقصان کو نہیں جانتی خان۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرا سائبان ہیں۔ اور ہمارا معاشرہ بے سائبان عورت کو کوئی مقام نہیں دیتا۔''

''تم اس انداز سے سوچتی ہو؟'' وہ اس سے زیادہ حیران ہوئے۔

''جناب اب آپ پلیز آرام کریں۔ باقی باتیں بعد میں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ خان جنید نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا کر چھوڑ دیا تو وہ انہیں سونے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ پھر سٹنگ روم میں آ کر اس نے ثریا کو فون کیا تو وہ جیسے اسی کے فون کے انتظار میں تھی۔ چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔

''صبا تم اسی شہر میں ہی ہو یا کہیں اور؟'' وہ سمجھ گئی اتنے دنوں کی غیر حاضری جتائی جا رہی ہے۔

''اسی شہر میں ہوں امی۔''

''پھر اتنے دنوں سے آئی کیوں نہیں؟'' ثریا نے فوراً ٹوکا۔

''بس وہ خان صاحب ریسٹ کے موڈ میں تھے۔ آفس نہیں جا رہے تھے اس لیے میں بھی گھر پر ہی رہی۔ خیر آپ سنائیں سب ٹھیک ہے ناں......'' اس نے سہولت سے بات بنا کر پوچھا۔

''ہاں بیٹا سب ٹھیک ہے بس تم دونوں بہنوں کا انتظار رہتا ہے۔ ثریا نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔''

''نشا بھی نہیں آ رہی؟''

''ایک دن آئی تھی بس تھوڑی دیر کے لیے۔ اصل میں وہ احسن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔'' ثریا نے بتایا تو اس کی نظروں میں احسن کا وجیہہ سراپا آن سمایا۔''

''ہاں امی میری احسن بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''کہاں؟'' ثریا نے پوچھا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''وہ شاپنگ مال پر۔ نشا اور محسن کے ساتھ تھے۔ بس اب مجھے ابو سے ملنا ہے دیکھیں کب جانا ہوتا ہے۔'' اس نے بات گھما دی پھر ثریا کی خاموشی محسوس کر کے جلدی سے بولی تھی۔

''ٹھیک ہے امی پھر میں جلدی آؤں گی۔ اللہ حافظ۔'' فون رکھ کر اس نے گہری سانس کھینچی تھی۔

پھر ڈاکٹر یونس کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے وہ خان جنید کو مکمل ریسٹ دے رہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کا پی اے آفس کی کوئی انتہائی ضروری فائل لے کر بھی آتا کہ اس پر خان جنید کے سائن کروانے ہیں تو وہ اسے باہر ہی سے لوٹا دیتی۔ وہ جانتی تھی کہ فائل ہاتھ میں لیتے ہی خان جیند کو بہت سارے کام یاد آ جائیں گے اور اگر وہ خود نہ بھی گئے تو اس ٹینشن میں ضرور مبتلا ہو جائیں گے کہ پتا نہیں ان کا وہ کام ہوا کہ نہیں۔ اور کسی بھی قسم کی ٹینشن ان کے لیے سخت نقصان دہ تھی۔ وہ انہیں بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی کہ بعض اوقات تو وہ جھنجلا جاتے اور شائستہ قسم کی گالیوں سے بھی نواز دیتے۔ وہ سب کچھ سن لیتی۔ پتا نہیں اس کے اندر کوئی خوف کنڈلی مارے بیٹھا تھا کہ اسے اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔



نشا احسن کی شادی کے لیے اپنی شاپنگ محسن کے ساتھ کرنا چاہتی تھی۔ حالانکہ جانتی بھی تھی کہ یہ ایک تھکا دینے والا کام ہے لیکن وہ بضد تھی۔ اور محسن جو پہلے اس کی ہر بات بلا چوں، چرا مان لیتا تھا اب جانے کیوں اکھڑا اکھڑا سا رہنے لگا تھا۔ اس کی ذرا سی کوتاہی پر آپے سے باہر ہو جاتا۔ سخت سست کہتا۔ اور نشا کو اس کی کوئی بات بری نہیں لگتی تھی وہ سوچتی۔

''ٹھیک تو ہے میں اسی قابل ہوں۔ کتنا ستایا میں نے مونی کو۔ اس کی محبت کی قدر نہیں کی۔''

بہر حال اس نے بڑی منتوں سے محسن کو شاپنگ کے لیے منا ہی لیا تھا۔ اور اپنی ہر شے میں اس کی پسند ترجیح دیتے ہوئے وہ بہت خوش تھی۔ پھر محسن کی شاپنگ وہ اپنی پسند اور بہت شوق سے کرا رہی تھی کہ اچانک محسن کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔

''بس نشا اب اور نہیں......'' اس نے رک رک کر کہا تو نشا ایکدم پریشان ہو گئی۔

''کیا؟ مونی...... آپ...... اچھا چلیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑی مردانہ شرٹ پھینک دی اور محسن کا ہاتھ پکڑ کر دکان سے باہر نکل آئی۔ پھر اسے یہی سمجھ میں آیا کہ محسن کو فوڈ کارنر پر بٹھا کر پانی کی بوتل لے آئی۔

''لیں مونی پانی پی لیں۔'' محسن نے اس کے ہاتھ سے بوتل لے لی۔ اور پانی کا ایک گھونٹ لے کر دوسری طرف دیکھنے لگا، وہ اپنے آپ میں بہت عجیب سا محسوس کر رہا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے سب لوگ اسے ہی دیکھ رہے ہوں۔

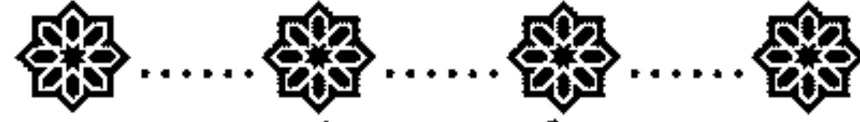
''کیا فیل کر رہے ہیں مونی؟'' پریشانی نشا کے چہرے اور آواز سے ہی ظاہر تھی۔

''تماشا بنا دیا ہے تم نے مجھے۔'' اس کے لہجے میں افسوس میں دکھ بھی شامل تھا۔ پھر اطراف میں نظر ڈال کر کہنے لگا۔ ''لوگوں کی نظریں دیکھ رہی ہو۔ ان میں میرے لیے نہیں تمہارے لیے ترس جھلک رہا ہے اور یہیں تک نہیں گھر جا کر بھی یہ لوگ افسوس کرتے رہیں گے کہ اتنی خوب صورت لڑکی اور اس کا شوہر۔''

''بس کریں مونی۔ چلیں۔'' وہ غصے سے ٹوک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تمہاری شاپنگ؟''
''ہوگئی شاپنگ چلیں اٹھیں۔''محسن اس کے غصے سے سرخ پڑتے چہرے سے نظریں ہٹا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
گھر آتے ہی دونوں سیدھے اپنے کمرے میں آ گئے۔نشا نے شاپنگ بیگز ایک طرف ڈالے اور آدھے گلاس پانی میں دوا ملا کر محسن کے پاس آن کھڑی ہوئی۔
''یہ دوا پی لیں۔''
''رہنے دو میں ٹھیک ہوں۔''محسن کی بے زاری پر وہ ضبط سے بولی۔
''کہاں ٹھیک ہیں۔اتنے نڈھال لگ رہے ہیں۔''
''لگ رہا ہوں۔''وہ یک دم مشتعل ہو گیا۔''لگ رہا ہوں سے مطلب۔میں ہوں ہی نڈھال۔ٹوٹا ہوا بے بس آدمی۔بس اب یہ سارے جتن چھوڑ دو۔ڈھے جانے دو مجھے۔جان چھوٹ جائے گی تمہاری بھی۔بوجھ بنا ہوا ہوں نا تم پر۔''
''ہاں بنے ہوئے ہیں بوجھ۔''اس کا ضبط بھی جواب دے گیا۔ہاتھ میں پکڑا گلاس پٹخ کر چیخی تھی۔''صرف مجھ پر نہیں سب پر۔پاگل ہیں ہم سب جو آپ سے محبت کرتے ہیں۔آپ جسمانی ہی نہیں ذہنی بیمار بھی ہیں۔سب کو اپنے لیے پریشان دیکھنا چاہتے ہیں۔''
''تو مت ہوا کرو میرے لیے پریشان۔چھوڑ دو مجھے میرے حال پر۔''
''یہی تو نہیں کر سکتے ہم۔''اس کی آواز یکلخت بھرا گئی تو تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔
احسن اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے نشا اور محسن کے لڑنے کی آواز سن کر رکے تھے اور تشویش سے ان کے کمرے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ نشا کو غصے میں کمرے سے نکل کر جاتے دیکھ کر وہ مزید پریشان ہو گئے۔سمجھ میں نہیں آیا کیا کریں کبھی کمرے کی طرف دیکھتے کبھی نشا کے پیچھے۔پھر کچھ سوچ کر نشا کے پیچھے آئے تھے۔نشا پچھلے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی رو رہی تھی۔انہیں بے حد تکلیف ہوئی بمشکل خود پر قابو پا کر بولے تھے۔
''ارے تم رو رہی ہو۔کیا ہوا؟''نشا نے جواب نہیں دیا تو اس کے سامنے آ کر نرمی سے پوچھنے لگے۔''کیا بات ہے نشا۔ایسے کیوں رو رہی ہو۔مونی نے کچھ کہا ہے؟''نشا اپنی ہتھلیوں سے آنکھیں رگڑنے لگی۔ناک سے شوں شوں کی آواز نکل رہی تھی۔
''بے وقوف'مونی کی باتوں کا برا مانتی ہو وہ تو......''
''کیا وہ تو......''وہ چیخ گئی۔''عاجز کر دیا ہے انہوں نے مجھے۔بات بات پر غصہ کرنے لگے ہیں۔دوا نہیں لیتے۔پھینک دیتے ہیں۔''
''کیا'مونی دوا پھینک دیتا ہے کیوں؟''انہیں جھٹکا لگا تھا۔
''بتاؤ نشا'مونی دوا کیوں نہیں لے رہا اور کب سے نہیں لے رہا؟''
''مجھے نہیں پتا۔آپ ان ہی سے پوچھ لیں۔''وہ مسلسل آنسو صاف کرنے میں لگی تھی۔
''تمہیں یہ تو پتا ہوگا مونی ایسا کیوں کر رہا ہے؟''انہیں اب اسی ایک بات کی فکر نے گھیر لیا تھا۔
''نہیں'میں نے کہا ناں مجھے کچھ نہیں پتا۔''وہ تنگ آ گئی۔
''اچھا تم رومت۔میں پوچھتا ہوں اس سے۔''وہ کہہ کر رکے نہیں تیز قدموں سے محسن کے کمرے میں آئے تھے۔اور فوراً ہی سرزنشی انداز میں کہنے لگے۔
''یہ تم کیا کر رہے ہو مونی۔نشا بتا رہی ہے تم دوا نہیں لے رہے۔پھینک دیتے ہو۔کیوں؟''ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں محسن نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔''بس بھائی'اب جی اچاٹ ہو گیا ہے۔ہر شے سے پھر یہ طے ہے ناں کہ جتنی میری زندگی ہے وہ میں دواؤں کے بغیر بھی جی لوں گا۔''
''بہت لمبی زندگی ہے تمہاری۔''وہ فوراً گویا ہوئے۔''اور یہ دوائیں تمہیں زندگی کے لیے نہیں فٹ رہنے کے لیے دی جاتی ہیں۔تمہیں اندازہ ہے تمہاری اس حرکت سے نشا کتنی پریشان ہے۔ابھی بھی بیٹھی رو رہی ہے۔''انہوں نے رک کر اسے احساس دلانا چاہا تھا۔
''کیوں......ابھی تو میں زندہ ہوں۔اس سے کہیں آنسو سنبھال رکھے میرے مرنے پر کام آئیں گے۔''محسن کی سنگدلی نے انہیں مشتعل کر دیا تھا۔
''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا مونی۔میری محبتوں میری محنتوں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہو تم۔خود کو بھلا دیا میں نے تمہارے لیے۔

احساس ہے تمہیں کہ نہیں؟"
"یہی احساس تو مارے ڈال رہا ہے بھائی' خود کو ہی نہیں سب کچھ بھلا دیا آپ نے۔" محسن کے لہجے کا دکھ انہیں تڑپا گیا۔
"پاگل ہو تم۔ احساس کرنا ہے تو صرف ہماری محبتوں کا احساس کرو۔ اور دیکھو اب جب کہ میری شادی ہونے والی ہے تم کیوں ایسی باتیں کر کے اپنے ساتھ مجھے بھی......"
"سوری......" وہ بول پڑا۔ "سوری بھائی' مجھے آپ کی خوشی کا خیال کرنا چاہئے۔"
"تو وعدہ کرو اب تم دوا پابندی سے لو گے۔" انہوں نے فوراً موقع سے فائدہ اٹھایا۔ "نشا کو تنگ نہیں کرو گے' خیال کرو گے اس کا۔"
"وہ میرا خیال کرتی ہے۔ ہمیشہ کی کہی بات میں اب ہمیشہ والا مان نہیں تھا۔ یہ بات احسن نے شدت سے محسوس کی اور پھر رک نہیں سکے۔ آہستگی سے اس کا کندھا تھپک کر وہاں سے نکل آئے تھے۔
اور پھر اسی نہج پر سوچ کر فوری شادی کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس وقت ساجدہ بیگم کے پاس آن بیٹھے تھے اور بغیر کسی تمہید کے انہیں مخاطب کر کے بولے تھے۔
"امی آپ میری شادی طے کر دیں اسی ہفتے۔"
"اسی ہفتے......" ساجدہ بیگم نے حیرت سے انہیں دیکھا۔
"جی امی' میں نے چھٹی اپلائی کی تھی جو منظور ہو گئی ہے۔ پھر بعد میں مجھے ایک تو چھٹی نہیں ملے گی دوسرا ہو سکتا ہے ڈاکٹرز کنونشن کے سلسلے میں مجھے کینیڈا جانا پڑے۔ پھر بہت دیر ہو جائے گی امی۔" وہ بہت سوچ کر آئے تھے۔
"نہیں' بہت دیر تو میں بھی نہیں چاہتی۔" ساجدہ بیگم فوراً بولی تھیں۔ "تم نے تو مجھے بوکھلا دیا ہے۔ جمعہ تو سر پر کھڑا ہے اور تیاری۔" ساجدہ بیگم واقعی بوکھلا گئی تھیں۔
"تیاری کی فکر نہ کریں آپ۔ سارے انتظام ہو جائیں گے۔" وہ ہر بات کو ایزی لے رہے تھے۔
"اور بیٹا! تانیہ کی امی۔ انہوں نے اگر جمعہ کی تاریخ نہ دی تو۔" ساجدہ بیگم کو نئی فکر لگ گئی۔
"کیوں نہیں دیں گی۔ آپ بتائیے گا انہیں کہ پھر مجھے ڈاکٹر کنونشن میں کینیڈا جانا ہے اور میں تانیہ کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"
"تو یوں کہو۔" ساجدہ بیگم مسکرائیں تو وہ جھنپ گئے تھے۔



ڈاکٹر نے خان جنید کو فوری بائی پاس کا مشورہ دیا تھا۔ جسے وہ کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے۔ جس سے صبا بہت پریشان تھی اور مسلسل انہیں آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر وہ آمادہ ہوئے بھی تو اس پر کہ یہاں نہیں لندن سے بائی پاس کرائیں گے۔ پتا نہیں وہ سنجیدہ تھے یا ٹالنے کی غرض سے کہا تھا بہر حال صبا کچھ مطمئن ہو گئی تھی۔ تب اسے ثریا کا خیال آیا جس سے ملے ہوئے اسے قریباً مہینہ ہونے والا تھا۔ فون پر تو بات ہو جاتی تھی لیکن وہ جا نہیں پائی تھی۔ اب خان جنید کی طرف سے اطمینان ہوا تھا تو وہ جانے کو تیار ہو گئی لیکن پھر راستے میں جانے کیا خیال آیا کہ اس نے گاڑی دوسری سمت موڑ دی۔ اور تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بلال احمد کے بنگلے پر تھی۔ جن کی کمی اس نے اپنی زندگی میں اکثر محسوس کی تھی اور جن سے ملنے کو اس کا دل تڑپتا تھا لیکن جب پتا چلا کہ انہوں نے نشا کو نظر انداز کر دیا تھا تب اس کے سارے جذبے اپنی موت آپ مر گئے۔ پھر بھی ابھی وہ پورے استحقاق سے ان کے گھر میں داخل ہوئی تھی اور پہلے مقام پر ہی وہ نظر آ گئے صوفے پر قدرے تکلف سے بیٹھے بریف کیس میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔
"صبا...... میں صبا ہوں۔" اس نے یوں تعارف کرایا جیسے پوری دنیا میں ایک صرف اس کا نام صبا ہے۔
"صبا......" ان کے چہرے پر ہلکی سی سوچ ابھری پھر پہچان کی منزلیں طے کرتے ہوئے اٹھ کر اس کی طرف بانہیں پھیلا دیں تو وہ کسی طرح خود کو روک نہیں سکی۔ ایک ہی جست میں ان کی بانہوں میں سما گئی۔ البتہ آنسوؤں کو چھلکنے نہیں دیا تھا۔
"کیسی ہے میری بیٹی؟" بلال احمد نے اس کا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بیٹھو بیٹا۔" وہ اسے بٹھا کر کہنے لگے۔ "مجھے نشا نے بتایا تھا اور میں خود تمہارے پاس آنا چاہ رہا تھا۔ تمہاری ماں کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہیں۔" اسے ان کا سرسری انداز بری طرح کھلا تھا۔
"کہاں رہ رہی ہیں وہیں اپنے باپ بھائی کے گھر؟" انہوں نے پوچھا تو اس کا دل چاہا کہے انہیں باپ بھائی کے گھر بٹھانے والے

آپ ہی تھے لیکن ضبط سے فقط اتنا کہا۔

''نہیں۔''

''اچھا میری بیٹی کیا کھائے پیئے گی۔'' انہوں نے کہنے کے ساتھ ملازم کو آواز بھی دے ڈالی۔ غالباً انہیں ثریا کے بارے میں جاننے سے دلچسپی نہیں تھی۔ اسے دکھ ہوا اور حیرت بھی کہ قدرت نے اس شخص کی قسمت میں کوئی ٹھوکر نہیں لکھی تھی جو اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کرتی۔

''ہاں بیٹا'' ملازم کے آنے پر بلال احمد نے اسے دیکھا تو وہ ایک دم اٹھ گئی۔

''کچھ نہیں ابو۔ ابھی تو میں یہاں سے گزرتے ہوئے آپ سے ملنے چلی آئی۔ پھر کبھی فرصت سے آؤں گی تو کچھ کھا پی لوں گی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے باہر نکل آئی۔ پھر اس وقت اس نے ثریا کے پاس جانا ملتوی کر دیا اور سیدھی گھر آ گئی۔ کچھ تو تھا اس کے چہرے پر کہ خان جنید دیکھتے ہی پوچھنے لگے۔

''کیا بات ہے تم کچھ پریشان ہو؟''

''نہیں......'' اس نے بمشکل خود کو گہری سانس کھینچنے سے روکا تھا۔

''ادھر دیکھو میری طرف'' اس نے سر اونچا کر کے دیکھا تو کہنے لگے۔ ''اب بتاؤ کیا بات ہے۔ لگتا ہے میری تیمارداری نے تھکا دیا ہے تمہیں۔''

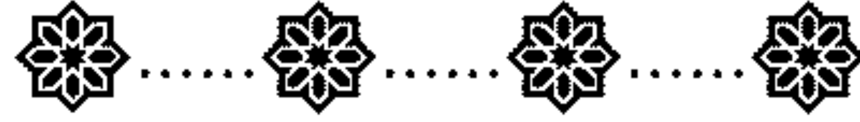
''ایسی بات نہیں ہے خان۔ بس ابھی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ عجیب گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔''

''چلو تمہارا چیک اپ کرا دوں۔ ہری اپ۔'' خان جنید فوراً کھڑے ہو گئے۔ وہ نہ نہ کرتی رہ گئی لیکن وہ زبردستی اسے ڈاکٹر کے پاس لے آئے تھے۔ پھر چیک اپ کے دوران ڈاکٹر نے مختلف سوالات کیئے اور جب بچوں کی بابت پوچھا تو وہ جواب دینے کی بجائے دزدیدہ نظروں سے خان جنید کو دیکھنے لگی۔ وہ بہت مطمئن تھے اسی بے پروائی سے بولے۔

''چائلڈ از نو پرابلم۔''

ان کے لیے تو واقعی نو پرابلم لیکن انہیں اس کی کوکھ خالی رکھنے کا بھی کوئی حق نہیں جب ہی ان کا جواب سنتے ہی وہ ڈاکٹر کے کمرے سے نکل آئی اور بغیر کہیں رکے گاڑی میں آ بیٹھی۔ کچھ دیر بعد خان جنید آئے تو ایک نظر اس پر ڈال کر تنبیہی لہجے میں بولے تھے۔

''یہ کیا حرکت تھی۔'' وہ کچھ نہیں بولی اور چہرہ دوسری طرف موڑ کر شیشے سے باہر دیکھنے لگی تھی۔



اسے لگ رہا تھا جیسے اب اس کی قسمت میں قدم قدم پر درد سہنا ہی لکھا گیا ہے۔ بلال احمد کے سرد رویے سے سنبھلی نہیں تھی کہ خان جنید کا ''چائلڈ از نو پرابلم۔'' حالانکہ پہلے بھی انہوں نے اسے اندھیرے میں نہیں رکھا تھا۔ صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتے اور اس نے کسی طور خود کو بہلا بھی لیا تھا لیکن کل پھر ایسی بات سن کر اسے نئے سرے سے دھچکا لگا تھا اور وہ کسی طرح اپنا دھیان نہیں بٹا پا رہی تھی۔

اس وقت وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آن بیٹھی تھی۔ ٹھنڈا فرش' ٹھنڈا ستون جس کے ساتھ اپنا کندھا لگایا تو پورے وجود میں سرد لہر دوڑ گئی پھر بھی وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ دور آسمان پر ابھی کوئی ستارہ نہیں چمکا تھا نہ پرندوں کے جھنڈ نظر آئے۔ اس کی نظریں جانے کس چیز کی تلاش میں بھٹک رہی تھی پتا نہیں چلا کب آصف جاہ آیا۔ غالباً سیدھا اندر جا رہا تھا۔ اس پر نظر پڑی تو ٹھٹک گیا اور کچھ تعجب کچھ تشویش سے پوچھنے لگا۔

''آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟'' اور اس کے اندر کا غبار جسے خان جنید باہر نکلنے کا موقع ہی نہیں دیتے تھے اچانک ابل پڑا۔

''تمہیں اس سے کیا۔ میں کہیں بھی بیٹھوں۔ میرا گھر ہے۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔'' وہ جو سیڑھی پر پاؤں رکھے قدرے اسی کی طرف جھکا ہوا تھا سیدھا کھڑا ہو گیا۔

''میں کوئی بھی نہیں ہوں۔ پھر بھی آپ کو یہاں نہیں بیٹھنے دوں گا۔ اندر چلیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ فضا میں خنکی بڑھ رہی ہے اور آپ نے کوئی گرم کپڑا بھی نہیں پہنا۔ وہ حتی الامکان لہجے پر قابو پا کر دھیرج سے بول رہا تھا اور وہ اسی قدر خود سری پر آمادہ ہو کر بولی۔

''تمہیں کیا زیادہ سے زیادہ بیمار پڑوں گی یا مر جاؤں گی' تمہارا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''
''نقصان تو جو ہونا تھا ہو گیا۔'' آصف جاہ نے کہتے ہوئے سر اونچا کر کے شفاف آسمان کو دور تک دیکھا پھر گہری سانس سینے کے اندر دبا کر پوچھنے لگا۔ ''خان انکل کہاں ہیں؟'' وہ اس کی پہلی بات سے کچھ سناٹے میں تھی۔ اس لیے جواب نہیں دے سکی۔
''آیئے اندر چلیں۔'' آصف جاہ نے یوں اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جیسے وہ تھام کر اٹھے گی اور وہ بہت خاموشی سے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔
''کبھی کبھی ہم جیسوں کا ہاتھ تھام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔'' اس نے چونک کر دیکھا مذاق میں کہی بات کو جانے کیوں اس نے انا کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ توہین چیلنج یا پھر کوئی اور بات۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تو ستون کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور اس کی طرف دیکھے بغیر سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔
اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی نہیں سو سکی۔ اس کی زندگی کی ناؤ طوفانوں کی زد میں آ گئی تھی۔ اور تمام رات وہ ان طوفانوں سے لڑتی رہی۔ فجر کی اذانیں ہونے لگیں تب بھی اس کی کشتی بیچ بھنور میں تھی اور وہ لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اس سے پہلے کہ بالکل ہار جاتی اس نے اٹھ کر وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ آنسو اس کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ہتھیلیاں تر ہو گئیں۔
''میرے رب' مجھے وہ راستہ دکھا جو تو میرے لیے پسند کرتا ہے۔'' اور اپنا معاملہ اپنے پیدا کرنے والے پر چھوڑ کر وہ اطمینان سے سو گئی۔
پتا نہیں آفس جاتے ہوئے خان جنید نے اسے اٹھایا کہ نہیں اسے کچھ خبر نہیں۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی سارا دن سوتی رہی۔
چار بجے کہیں جا کر آنکھ کھلی تو پہلے گرم پانی سے غسل کیا پھر آ کر کھانا کھایا اس کے بعد چائے لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ رات کی سوچوں سے اسے چھٹکارہ تو نہیں ملا تھا لیکن وہ کشاکش بھی نہیں تھی۔ بلکہ طوفانوں سے نکل کر اب اس کی کشتی بہت سہولت سے اپنا راستہ تلاش کر رہی تھی۔ تب ہی آصف جاہ آ گیا۔ بس سلام کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا کہ اس نے بے اختیار پکار لیا۔
''سنو آصف۔'' وہ رک گیا لیکن پلٹ کر نہیں دیکھا تو اس نے چائے کا سپ لینے کے بعد کہا۔
''ایسا کرو' تم اپنا ٹھکانا کہیں اور کر لو۔''
''جی......'' وہ ایک دم اس کی طرف پلٹا تھا۔
''ہاں میں چاہتی ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ۔''
''کیوں آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں۔'' وہ اسے نظروں کی گرفت میں لے کر پوچھنے لگا۔
''کوئی خاص وجہ نہیں۔'' جانے کیسے اس کے اندر اتنا سکون آ گیا تھا جیسے کل وہ دھیرج سے بات کر رہا تھا اور وہ تلملا رہی تھی اب اس کی جگہ وہ تھا۔
''وجہ ہے اور اگر آپ ایمانداری سے اعتراف کر لیں تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا۔ ورنہ نہیں۔''
''کیسا اعتراف؟'' اس نے پیشانی پر بل ڈال کر اسے دیکھا تو وہ اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔
''آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ خان جنید انکل سے پہلے میرے جیسا کوئی آپ کی زندگی میں آیا ہوتا تو آپ اسے نظر انداز نہیں کر سکتی تھیں۔''
''کر چکی ہوں تمہارے جیسے کتنوں کو نظر انداز کر چکی ہوں۔ سمجھے۔ اب تم جاؤ۔'' وہ سختی سے کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور وہ پتا نہیں گیا کہ نہیں۔ البتہ رات کے کھانے پر نظر نہیں آیا تھا۔



ساجدہ بیگم کے کہنے پر نشا دلہن تانیہ کو اس کے کمرے میں لے آئی۔ جسے اس نے محسن کے ساتھ مل کر بہت خوب صورتی سے سجایا تھا۔ تانیہ کو بٹھا کر اس نے اس کا دوپٹہ ٹھیک کیا پھر کھانے پینے کی چیزوں کا جائزہ لے کر شوخی سے بولی۔
''اچھا جناب! اس سے پہلے کہ احسن بھائی آ کر مجھے کمرے سے نکل جانے کو کہیں میں جا رہی ہوں۔'' تانیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تو وہ اسے شب بخیر کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔ سامنے سے احسن آ رہے تھے اس نے جلدی سے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ محسن کھڑکی کے قریب کھڑا لان میں جلتے بجھتے قمقموں کو دیکھ رہا تھا۔

''اچھی رہی نا شادی مزہ آیا۔'' اس نے اپنے کانوں سے جھمکے اتارتے ہوئے کہا۔

''ہاں تم نے حساب بھی تو برابر کر دیا۔'' محسن کی نظریں ہنوز کھڑکی سے باہر بھٹک رہی تھیں۔ وہ سمجھی نہیں۔

''کیسا حساب؟''

''ارے۔'' وہ اس کی طرف پلٹ کر طنزیہ ہنسی کے ساتھ کہنے لگا۔ ''اتنی جلدی بھول گئیں لیکن نہیں، تم کیسے بھول سکتی ہو۔ بہت زیادہ وقت تو نہیں گزرا۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مونی۔ میں کچھ نہیں سمجھ رہی۔'' اس کے الجھنے پر وہ ہنسنے لگا۔ ہنستا چلا گیا۔ تو وہ ٹھٹک کر خائف ہو گئی۔

''مونی۔''

''ہاں نشا۔'' محسن نے ایک دم اسے دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔ ''میں اکیلا نہیں ہوں۔ میں اکیلا نہیں ہوں نشا جسے محبت خیرات میں ملی۔ تانیہ بھی ہے۔ میری طرح جانے کب تک خوش فہم رہے گی اور جب اسے معلوم ہو گا کہ تم نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر احسن بھائی کو اس سے شادی پر مجبور کیا تھا تو اس پر بھی وہی بیتے گی جو مجھ پر بیت رہی ہے۔''

''مونی۔'' وہ سناٹے میں آ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''جھٹلانا مت نشا۔ میں خود سب سن چکا ہوں۔ مجھے بس اتنا بتا دو تم نے مجھ پر یہ ظلم کیوں کیا۔ احسن بھائی نے تمہیں اپنی محبت کا واسطہ دے کر مجھ سے شادی پر مجبور کیا اور تم مان گئیں۔ تمہیں مجھے بتانا چاہئے تھا۔ اتنی انڈر اسٹینڈنگ تو تھی ہمارے درمیان۔ کیا ہم دکھ سکھ شیئر نہیں کرتے تھے۔''

''ہاں لیکن۔'' آواز اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔

''بہت غلط کیا تم نے ظلم کیا مجھ پر۔ میں اپنی نظروں میں گر گیا۔ ارے میں تو پہلے ہی ٹوٹا ہوا بے بس انسان تھا تم لوگوں نے اور......'' محسن کی آواز بوجھل ہو کر ٹوٹ گئی تو اس کی طرف سے رخ موڑ گیا۔ نشا کے آنسو روانی سے چھلک گئے۔

''مم...... میں آپ کو جھٹلاؤں گی نہیں مونی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ وہ میرا ماضی تھا جسے وقت کی گرد نے دھندلا دیا ہے۔ اب میرا سب کچھ آپ ہیں۔''

''بس۔'' محسن جھٹکے سے اس کی طرف پلٹا تھا۔ ''بس نشا اب مجھے مزید فریب مت دو۔ میں سہہ نہیں پاؤں گا۔ سچ یہ ہے سرخ رو ہو گئی تم۔ سرخ رو ہو گئے احسن بھائی۔ کتنے عظیم ہو تم لوگ۔ سلام کرتا ہوں تمہاری عظمت کو۔ سلام کرتا ہوں۔'' وہ آپے میں نہیں رہا تھا۔ دونوں بازو پھیلا کر اس کی عظمت کو سراہتے ہوئے یکدم اسے کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔

''مونی۔ مونی پلیز، مجھ پر نہیں تو اپنے آپ پر رحم کریں۔'' وہ اسے اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ کر سنبھالنے کی سعی میں خود بھی ڈھے گئی۔

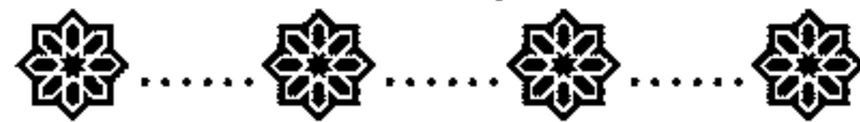
''مونی...... مونی اٹھیں ناں۔'' اس نے اوندھے منہ گرے محسن کو جھنجوڑا پھر ایک دم اٹھ کر بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلی اور احسن کا دروازہ پیٹ ڈالا۔

''احسن بھائی۔''

اور احسن تانیہ کا ہاتھ تھامے اس کی انگلی میں رونمائی کی انگوٹھی ڈالتے ہوئے گھبرا کر اٹھے تھے۔ فوراً دروازہ کھولا تو نشا انتہائی پریشان نظر آئی۔

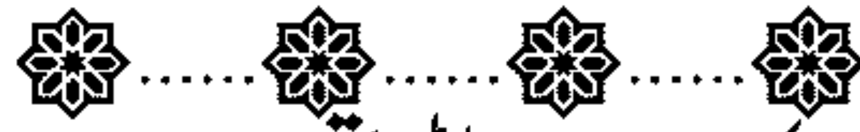
''احسن بھائی۔ مونی...... دیکھیں ان کی طبیعت۔ احسن اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کے کمرے کی طرف بھاگے تھے۔ پیچھے وہ تھی۔

اور سیج پر بیٹھی دلہن کی نظریں رونمائی کی انگوٹھی پر جا ٹھہریں جو ابھی پوری اس کی انگلی میں نہیں سمائی تھی۔



تانیہ نے احسن سے شادی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تھی تو انہوں نے کہا تھا۔ ''میرا بھائی۔ میں اس کی طرف سے غافل نہیں ہو سکتا۔ شادی کر لوں گا تو فطری بات ہے میری توجہ بٹ جائے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میری بیوی کو میرا اپنے بھائی کے ساتھ اٹیچ ہونا پسند نہ آئے۔'' اور اس وقت تانیہ نے کہا تھا۔

''تم ایسا کیوں سوچتے ہو۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ تمہاری بیوی تمہارا ساتھ بھی دے سکتی ہے۔''
اور یہ نہیں تھا کہ تانیہ اپنی بات بھول گئی تھی یا اپنی بات کا پاس نہیں رکھنا چاہتی تھی وہ اس شخص کے ساتھ قدم ملا کر چلنا چاہتی تھی لیکن یہ تو اس نے تصور ہی نہیں کیا تھا کہ وصل کے اولین لمحوں میں وہ یوں اس کا ہاتھ چھوڑ کر چلا جائے گا۔ کتنی دیر وہ گم صم بیٹھی باہر سے آتی آوازیں سنتی رہی۔ پھر ایمبولینس کا سائرن اس کے بعد ایک دم خاموشی چھا گئی۔ تب اس نے اٹھ کر ڈریسنگ روم کا رخ کیا۔ چینج کر کے نکلی تو ساجدہ بیگم کو دیکھ کر اس کی نظریں جھک گئیں۔
''وہ بیٹا مونی......'' ساجدہ بیگم اپنی جگہ عجیب سا محسوس کر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آیا اس سے کیا کہیں تب وہ آگے بڑھ آئی۔
''میں جانتی ہوں آنٹی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔''
''پریشان کیسے نہ ہوں۔ اچانک پتا نہیں کیا ہو جاتا ہے اسے۔'' ساجدہ بیگم کی آواز بھرا گئی۔
''ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بیٹھیں۔ میں آپ کے لیے گلوکوز لاتی ہوں۔'' وہ ڈاکٹر تھی اسی حساب سے انہیں ٹریٹ کر رہی تھی۔
''تم بھی کیا سوچتی ہو گی۔'' ساجدہ بیگم نے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ مسکرائی۔
''میں کچھ نہیں سوچ رہی اور ہاں نشا کہاں ہے؟'' اس نے اچانک خیال آنے پر نشا کا پوچھا۔
''وہ ساتھ گئی ہے۔ میں تو منع کر رہی تھی لیکن وہ۔''
''اور انکل......'' اس نے جلال احمد کا پوچھا۔
''وہ ابھی گئے ہیں تم فون کر و احسن کو۔'' ساجدہ بیگم نے بتا کر کہا تو اپنا سیل فون اٹھاتے ہوئے اس کی نظر احسن کے موبائل پر پڑی۔
''احسن کا موبائل تو یہیں رکھا ہے۔ خیر وہ خود فون کر لیں گے' آپ آرام سے بیٹھ جائیں آنٹی۔ میں آپ کے لیے......''
''نہیں بیٹا۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تم آرام کرو۔'' ساجدہ بیگم پیار سے اس کا گال تھپک کر چلی گئیں۔ تو وہ اپنے پیچھے صوفہ دیکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ وسط دسمبر کی سرد رات بہت دھیرے دھیرے سرک رہی تھی۔
جانے صبح کیا پیغام لانے والی تھی۔ اس نے صوفے کی بیک پر سر رکھ کر پلکیں موند لیں۔
وہ خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی۔ پھر بھی کچھ خواب تھے اور وہ ان سے دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔



وہ ایمرجنسی روم کے بند دروازے پر نظریں جمائے بالکل ساکت بیٹھی تھی جبکہ اس کے ذہن میں جھکڑ چل رہے تھے۔ محسن کے بدلتے رویے سے وہ پریشان ضرور ہوتی تھی اور یہ بھی سوچتی کہ اسے کیا ہو گیا ہے لیکن یہ تو گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کی احسن کے ساتھ گفتگو سن کر بدگمان ہو گیا ہے اور جانے اب وہ اس کا یقین کرے گا کہ نہیں۔
''محبت میں بڑی طاقت ہے مردوں کو زندہ کر دیتی ہے۔'' اب وہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ احسن کے پکارنے پر چونکنے کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔
''کیسے ہیں محسن ٹھیک ہیں ناں؟'' انداز میں حد درجہ بے قراری تھی۔ احسن ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر بولے۔
''ٹھیک ہو جائے گا۔''
''ابھی......ابھی کیسے ہیں۔ مجھے لے چلیں ان کے پاس۔'' وہ مچل گئی۔
''ریلیکس۔'' احسن نے اس کے کندھے پر دباؤ ڈال کر بٹھایا۔ پھر ساتھ بیٹھ کر پوچھنے لگے۔ ''کیا ہوا تھا مونی کو شام تک تو ٹھیک تھا۔ کوئی بات ہوئی تھی؟''
''نہیں۔'' وہ نظریں چرا کر اپنے ناخن دیکھنے لگی۔
''دیکھو نشا۔ مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔'' انہوں نے کہا تو وہ اپنے آپ میں الجھ کر بولی۔
''کیا چھپاؤں گی میں آپ سے۔ اپنی شادی کے دن بھی مونی کا یہی حال تھا اور اب آپ کی۔'' وہ رکی پھر ایک دم انہیں دیکھ کر بولی۔ ''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔''
''کیا مطلب؟'' وہ سمجھے نہیں۔
''مطلب آپ کی شادی......وہ تانیہ۔ آپ کو گھر جانا چاہئے۔'' وہ بے ربط تھی۔ احسن کچھ نہیں بولے۔

''احسن بھائی...... تانیہ بھابی کیا سوچیں گی۔ پلیز آپ جائیں۔'' اب کہ اس نے منت سے کہا۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتے تھے لیکن جلال احمد کو آتے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''کیا ہے مونی...... کہاں ہے؟'' جلال احمد نے پریشانی سے پوچھا۔

''اسے روم میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ میڈیسن کے زیر اثر ہے صبح تک ہوش میں آئے گا۔'' انہوں نے بتایا تو جلال احمد نشا پر نظر ڈال کر کہنے لگے۔

''ٹھیک ہے۔ میں رکتا ہوں مونی کے پاس۔ تم نشا کو لے کر گھر چلے جاؤ۔''

''نہیں تایا ابو۔'' وہ فوراً بول پڑی۔ ''میں نہیں جاؤں گی۔ میں مونی کے پاس رہوں گی۔''

''بیٹا۔''

''تایا ابو پلیز۔'' وہ رو پڑی۔ جلال احمد احسن کو دیکھنے لگے۔

''کوئی خطرے کی بات نہیں ہے ابو۔ صبح تک مونی ٹھیک ہوگا۔ آپ جا کر آرام کریں۔ صبح ہم مونی کو گھر لے آئیں گے۔'' احسن نے گویا اسے رکنے کا اشارا دیا تھا۔

''احسن بھائی آپ کو بھی جانا چاہئے۔'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ وہ ان سنی کر کے جلال احمد کے ساتھ چل پڑے اور کچھ ہی دیر میں انہیں رخصت کر کے واپس آئے تو وہ پوچھنے لگی۔

''آپ نہیں گئے؟''

''شپ اپ۔ چلو مونی کے پاس اور خبردار رونا دھونا نہیں۔'' وہ دبے لہجے میں اسے ڈانٹ کر وارن کرتے ہوئے محسن کے روم میں لے آئے تو پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی بیڈ سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ محسن کے چہرے پر آکسیجن ماسک چڑھا تھا۔ جس سے اس کی سانسوں کی آمدورفت واضح محسوس ہو رہی تھی۔

''تم نے کبھی بجھتے ہوئے دیے کو دیکھا ہے۔ جسے کچھ دیر اور روشن رکھنے کی خاطر ہتھیلی کی اوٹ میں لے لیا جاتا ہے۔ میں اسی دیے کی مانند ہوں۔'' اس کی سماعتوں پر دستک ہونے لگی۔ ایک کے بعد ایک۔

''میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ نشا کہ کبھی میری زندگی میں بھی بہار آ سکتی ہے۔ لیکن تمہاری محبت نے تو اچانک ایسے پھول کھلائے ہیں کہ میں صرف چند برس نہیں بلکہ برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا ہوں۔''

''مونی......'' اس کی آنکھوں میں ٹوٹ کے ساون اترا تھا۔ تب ہی عقب سے احسن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

''احسن بھائی۔ مونی کو کچھ ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی۔'' احسن نے اس کا سر تھپک کر تسلی دی۔ پھر اسے دوسرے بیڈ پر لٹا کر کمبل اوڑھایا اور سونے کی تاکید کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئے تھے۔



گو کہ آصف جاہ کے جانے سے گھر سونا ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ خود کو باور کراتی کہ اس کا جانا ہی بہتر تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں گیا ہے نہ اس نے کسی سے پوچھنا مناسب سمجھا تھا۔ وہ اس سے لاتعلق رہنا چاہتی تھی تو لاتعلقی ظاہر بھی کر رہی تھی۔ اس وقت بنٹی فون پر شاید آصف جاہ سے ہی بات کر رہا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش نہیں کی اور برآمدے میں نکل آئی۔ فضا میں عجیب سی سوگواریت محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے دور تک پہلے آسمان کو دیکھا پھر اندر جانے لگی تھی کہ خان جنید کی گاڑی گیٹ سے داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔ اسے اچنبھا ہوا ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ آفس گئے تھے اتنی جلدی واپسی۔

''ہیلو۔'' خان جنید نے قریب آ کر اس کی سراسیمگی کو توڑا تو وہ چونک کر بولی۔

''خیریت؟''

''سب خیریت......'' انہوں نے بریف کیس کے ساتھ ایک لفافہ اسے تھمایا تو وہ ان کے ساتھ اندر آتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''اس لفافے میں کیا ہے۔''

''دیکھ لو'' وہ بے نیازی سے بولے۔ اس نے بریف کیس رکھ کر لفافہ کھول دیا۔ اس کے اور خان جنید کے پاسپورٹ کے ساتھ لندن کے ٹکٹس تھے۔ وہ انہیں دیکھنے لگی۔

''بھئی تم ہی چاہتی ہو کہ میں بائی پاس کرالوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ اطمینان سے ہو کر بولی۔

''بالکل چاہتی ہوں کب جانا ہے؟''

''کل۔''

''اتنی جلدی۔ میرا مطلب ہے آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا۔'' وہ تیاری کا سوچ کر بوکھلا گئی۔

''کیا پرابلم ہے۔ تمہیں اپنی مدر سے ملنا ہے بہن سے ملنا ہے تو جاؤ مل آؤ پھر آ کر ایک سوٹ کیس تیار کر دینا۔'' ان کے لیے واقعی کوئی پرابلم نہیں تھی۔ وہ خاموش ہو گئی۔ پھر پہلے امی کے پاس جانے کا سوچ کر وہ تیار ہو کر نکلی تھی کہ راستے میں احسن کا فون آ گیا۔ نشا کے نمبر سے کال کر رہے تھے۔ انہوں نے زیادہ کچھ نہیں بتایا بس یہی کہا کہ وہ نشا کے پاس ہاسپٹل چلی جائے۔ وہ پوچھتی رہ گئی کیا ہوا ہے نشا کو لیکن ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا بلکہ کر دیا گیا۔ اس کی پریشانی فطری تھی۔ آندھی طوفان کی طرح ہاسپٹل پہنچی اور نشا کو دیکھ کر ابھی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی کہ نشا اس کے گلے لگ کر رو پڑی۔

''نشا......'' وہ مزید پریشان ہوئی۔ ''کیا ہوا ہے۔ کون ہے یہاں؟''

''مونی۔ میرا محسن۔'' نشا کی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی۔

''کیا ہوا ہے محسن کو؟'' اس نے جھٹکے سے نشا کو خود سے الگ کیا تھا۔

''وہ بس پتا نہیں۔ اچانک انہیں کیا ہو جاتا ہے۔'' یہ تفصیل میں جانے کا وقت نہیں تھا۔ یوں بھی نشا نے پہلے کچھ نہیں بتایا تھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ اپنی طرف سے اپنی ماں کو کوئی دکھ نہیں دے گی۔ اور اب تو وہ پور پور محسن کی محبت میں ڈوب چکی تھی کیسے کہہ دیتی کہ وہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہے۔

''ہے کہاں؟'' صبا نے پوچھا تو نشا اس کا ہاتھ تھام کر روم میں لے آئی۔ جہاں محسن آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ اس کی پلکوں کی لرزش دیکھ کر ہی نشا نے پکارا تھا۔

''مونی......صبا آئی ہے۔'' محسن نے صبا کا سن کر آنکھیں کھولی تھی۔

''کیا ہوا ہے آپ کو؟'' صبا نے آگے بڑھ کر پوچھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''بس دل چاہ رہا تھا سب کو اپنے لیے پریشان کروں۔''

''کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا ہے آپ نے۔ نشا کی حالت دیکھ رہے ہیں مجھے تو آپ سے زیادہ یہ بیمار لگ رہی ہے۔'' صبا نے نشا کی سرخ آنکھوں اور چہرے کی طرف اشارا کر کے کہا تو وہ ایک نظر نشا پر ڈال کر بولا۔

''آپ اسے گھر لے جائیں۔''

''نہیں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔'' نشا فوراً بولی تھی۔

''کہاں میرا مطلب ہے میرا تو فی الحال گھر جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔ کچھ دن بلکہ بہت سارے دن یہیں آرام کروں گا۔'' وہ غالباً صبا کی وجہ سے ہلکے پھلکے انداز میں بولتے ہوئے مسکرا بھی رہا تھا۔

''دن کیا چاہے مہینوں، میں بھی یہیں رہوں گی۔'' نشا ضد سے بولی تو صبا ہنس پڑی۔

''یہ تم دونوں کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔ محسن آپ شام تک بالکل فٹ فاٹ ہو کر گھر جائیں پھر کل آپ دونوں نے ہمیں سی آف کرنے آنا ہے۔'' اس نے ٹوک کر کہا تو محسن پوچھنے لگا۔

''کہاں جا رہی ہیں آپ؟''

''لندن......خان صاحب کا بائی پاس ہے۔'' اس نے بتایا تو نشا پریشانی سے اسے دیکھنے لگی جب کہ محسن نے او کے انداز میں ہونٹ سکیڑ لیے تھے۔

''بہر حال تم لوگ دعا کرنا۔ مجھے ابھی امی سے ملنا ہے اور تیاری بھی کرنی ہے۔ ٹھیک ہے پھر ان شاء اللہ ملاقات ہو گی۔ اور ہاں محسن سب کو پریشان کرنا ٹھیک نہیں ہے۔'' آخر میں اس نے محسن کو سرزنش کی پھر نشا سے گلے مل کر اسے ڈھیروں تسلی دے کر وہاں سے نکل آئی۔ پھر

ثریا کے پاس وہ زیادہ دیر نہیں رکی تھی۔ بس چائے پینے تک بیٹھی اس دوران ثریا کو تسلی بھی دیتی رہی اور بار بار دعا کے لیے بھی کہتی رہی تھی۔ گو کہ اس کے پاس کرنے کو بہت ساری باتیں تھیں لیکن ابھی اسے تیاری بھی کرنی تھی اس لیے بہت عجلت میں ثریا سے مل کر گھر آئی تو اپنے کمرے سے آتی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔ کوئی بہت اونچا اونچا بول رہا تھا۔ اسے اندر جانا ٹھیک نہیں لگا نہ ہی اس نے سننے کی کوشش کی۔ واپس پلٹ کر بنٹی کے کمرے میں جا رہی تھی کہ ملازم کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''سنو۔ صاحب کے کمرے میں کون ہے؟''

''جمشید صاحب اور فریحہ بی بی آئی ہیں۔'' ملازم نے بتایا تو اس نے یونہی سر ہلا کر پوچھا۔

''اور بنٹی کہاں ہے؟''

''وہ بھی وہیں صاحب کے کمرے میں ہیں بیگم صاحبہ۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ ملازم کو بھیج کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ گو کہ خان جنید کی اولادوں کا آنا کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ اب جب کہ وہ بائی پاس کے لیے جا رہے تھے تو انہیں آنا ہی تھا اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں تھی پھر بھی اس کا اندر جانے کیوں بے چین تھا بار بار اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھتی جس کے اس طرف ماحول یقیناً سازگار نہیں تھا۔

کتنی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور پہلے بنٹی اپنی چیئر دھکیلتے ہوئے نکل کر سیدھا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وہ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر کچھ اخذ کرنے لگی تھی کہ خان جمشید اور فریحہ کو نکلتے دیکھ کر بلا ارادہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی لیکن وہ دونوں اسے یکسر نظر انداز کرتے ہوئے باہر نکلتے چلے گئے تھے۔

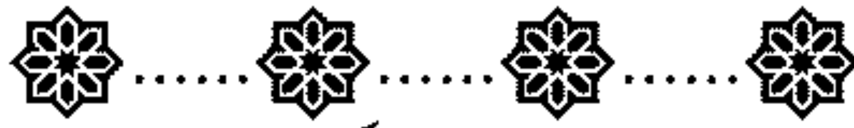
''یا اللہ......'' اس کی کچھ سمجھ نہیں آیا تو بھاگ کر کمرے میں آئی تھی۔ خان جنید فون پر بات کر رہے تھے۔

''صبح نو بجے تم عبدالرحمٰن کو لے کر میرے آفس پہنچنا۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

''ٹھیک......'' انہوں نے فون رکھ کر اسے دیکھا وہ پریشان کھڑی تھی۔

''کیا ہوا خان؟''

''کچھ نہیں تم تیاری کرو۔'' انہوں نے کہہ کر اپنا بریف کیس کھول لیا۔ تو وہ مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ملتوی کر کے وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔



احسن نے پوری رات ہاسپٹل میں جاگ کر کاٹی تھی۔ صبح دس بجے وہ گھر آتے ہی سو گئے تھے۔ دوپہر میں ساجدہ بیگم جلال احمد کے ساتھ ہاسپٹل چلی گئیں اور وہ ایک رات کی دلہن سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی۔ کبھی کمرے میں آ کر احسن کو دیکھنے لگتی جن کے چہرے پر کچھ پالینے کا شائبہ تک نہیں تھا۔ نہ اولین شب کے ضائع کا ملال۔ بلکہ نیند میں بھی یوں لگ رہا تھا جیسے ان کا دھیان محسن کی طرف ہو اور یہ تو وہ جانتی تھی کہ محسن کے معاملے میں وہ کچھ حساس ہیں اور انہوں نے اسے یاد بھی کرا دیا تھا پھر بھی اپنا یوں نظر انداز ہونا اسے بری طرح کھل رہا تھا۔ اس وقت وہ کتنی دیر سے ان کے چہرے پر نظریں جمائے کھڑی تھی جب کروٹ بدلتے ہوئے انہوں نے ذرا سی آنکھیں کھولیں اور پھر ایک دم بیدار ہوگئے۔

''چائے لاؤں......'' انہیں پوری آنکھیں کھولتے دیکھ کر تانیہ نے چونک کر پوچھا تو جواباً انہوں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ایک بازو اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ جھکی پھر ان کے پاس بیٹھ کر بولی۔

''چار بج رہے ہیں۔''

''ارے۔'' وہ فوراً اٹھ بیٹھے۔ ''میں اتنی دیر تک سوتا رہا۔ تم نے اٹھایا کیوں نہیں۔''

''سوچا تو تھا پھر اس خیال سے رک گئی کہ پتا نہیں اتنی گہری نیند سے اٹھائے جانے پر تمہارا کیا ردعمل ہوتا ہے۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تو وہ بظاہر سنجیدگی سے پوچھنے لگے۔

''ردعمل جاننا چاہتی ہو؟ تانیہ نے اثبات میں سر ہلایا تھا کہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ارے کرتی رہ گئی تھی۔

پھر ساجدہ بیگم اور جلال احمد ہاسپٹل سے لوٹے تو وہ احسن کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئی۔ احسن کا خیال تھا وہ اسے اس کی امی کے پاس

چھوڑ دیں گے لیکن وہ نہیں مانی۔ پہلے مقام پر ہی اس نے اپنی حیثیت کا تعین کر دیا تھا پھر وہ کوئی ٹین ایج لڑکی نہیں تھی کہ ناز نخرے دکھا کر شوہر کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی اسے احسن کے ساتھ چلنا تھا۔

جب وہ احسن کے ساتھ روم میں داخل ہوئی محسن جانے کس بات پر نشا کو سخت سست کہہ رہا تھا۔ نشا کا انداز ضدی روٹھے بچے جیسا تھا۔

''ارے ارے مونی...... اتنا غصہ کیا ہو گیا ہے یار۔ کیوں اس بے چاری کو ڈانٹ رہے ہو۔'' احسن نے فوراً بڑھ کر محسن کا ہاتھ تھام کر ٹوکا۔ تو وہ ناراضگی سے بولا۔

''آپ کی اس بے چاری نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔'' محسن کے آپ کی کہنے پر نشا گھبرا کر کمرے سے نکل گئی تو تانیہ بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

''بے وقوف رو کیوں رہی ہو۔'' اس نے نشا کو ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے دیکھ کر پیار سے ٹوکا پھر کہنے لگی۔

''تمہیں اس کی باتوں کا برا نہیں ماننا چاہئے۔ اصل میں وہ اپنی طبیعت سے پریشان ہے پھر شاید گلٹی بھی فیل کرتا ہو گا کہ خوشی کے موقع پر وہ سب کے لیے پرابلم بن جاتا ہے۔''

''مونی میرے لیے پرابلم نہیں ہیں تانیہ بھابی۔ میں تو عادی ہوں بلکہ ہم سب عادی ہیں۔'' نشا نے کہا۔

''اچھا تم پریشان مت ہو۔ یہ بتاؤ ابھی ڈاکٹر کیا کہہ رہے ہیں؟'' تانیہ نے تسلی دے کر پوچھا۔

''یہ تو احسن بھائی کو پتا ہو گا۔ ڈاکٹر سے ان کی بات ہوتی ہے۔'' نشا نے کہا تب ہی احسن آ کر کہنے لگے۔

''مونی تمہارے لیے پریشان ہے نشا۔ تم اس کی بات کیوں نہیں مانتی۔''

''کون سی بات؟'' نشا حیران ہوئی۔

''اس کا کہنا ہے کہ تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہئے ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔ اور وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' احسن نے بتانے کے ساتھ محسن کی تائید بھی کی۔

''تو یہاں مونی کے پاس کون رہے گا؟'' نشا نے بے اختیار پوچھا تو احسن اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''میں جو ہوں۔''

''نہیں آپ جائیں۔ میں مونی کے ساتھ ہی گھر جاؤں گی۔'' نشا کہہ کر روم میں چلی گئی تو اس کے پیچھے دیکھتے ہوئے انہوں نے کندھے اچکائے پھر تانیہ کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''اب کیا پروگرام ہے۔''

''امی کے گھر چلیں۔'' تانیہ نے کہا پھر ان کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگی محسن کب ڈسچارج ہو گا۔

''کل ان شاء اللہ۔''

''ایک بات پوچھوں احسن؟'' جب احسن گاڑی مین روڈ پر لے آئے تب وہ بولی تھی۔

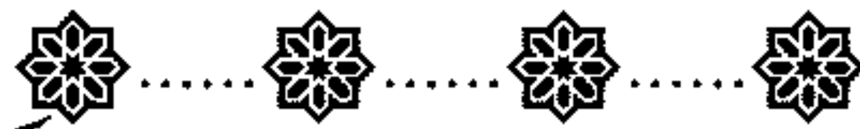
''ہوں؟''

''کیا ان دونوں کی لو میرج ہے؟''

''کن دونوں کی؟'' احسن کا دھیان جانے کہا تھا۔

''میں نشا اور محسن کی بات کر رہی ہوں۔'' تانیہ نے زور دے کر کہا تو اپنے آپ میں گلٹی فیل کرتے ہوئے احسن صرف سر ہلا سکے۔

''میرا بھی یہی خیال تھا ورنہ......'' وہ جانے کیا کہنے جا رہی تھی کہ ایک دم خاموش ہو گئی پھر کنکھیوں سے احسن کو دیکھا۔ انہوں نے شاید سنا نہیں تھا جس پر اس نے شکر کیا تھا۔



کچھ ہی دیر میں لندن جانے والی فلائٹ کا اعلان ہونے والا تھا۔ وہ خان جنید سے ایکس کیوز کر کے ایک طرف آ کھڑی ہوئی اور جلدی سے اپنا سیل فون نکال کر نشا کو کال ملائی تھی۔

''سوری صبا...... ہم تمہیں سی آف کرنے نہیں آ سکے۔ اصل میں مونی ابھی......'' نشا کال ریسو کرتے ہوئے معذرت کے ساتھ مجبوری بیان کرنے لگی تھی کہ وہ ٹوک کر بولی۔

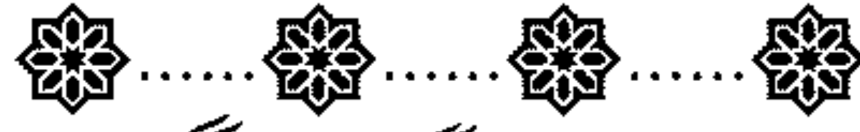
''کم آن نشا۔ جانتی ہوں تم پریشان مت ہو۔ اور میرے لیے بہت دعا کرنا۔''
''تم گھبرا رہی ہو صبا۔'' نشا نے جانے کیسے محسوس کر لیا تھا۔
''ہاں...... مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے نشا...... پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بالکل اکیلی ہوں میرے آس پاس کوئی نہیں ہے۔'' صاف گوئی سے اعتراف کرتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی ادھر نشا پریشان ہو گئی۔
''صبا۔ جنید بھائی کہاں ہیں؟''
''میرے ساتھ ہیں۔'' اس نے قدرے فاصلے پر بیٹھے خان جنید کو دیکھ کر کہا۔
''پھر کیوں گھبرا رہی ہو۔ اور اب تو بائی پاس عام سی بات ہو گئی ہے۔'' نشا اسے تسلی دے رہی تھی۔ ادھر فلائٹ کا اعلان ہو گیا تو اس نے عجلت میں خدا حافظ کہہ کر سیل آف کر دیا۔ پھر خان صاحب کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر ان کا بازو تھام لیا۔
اس کی زندگی کا یہ پہلا ہوائی سفر تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خوش ہوتی انجوائے کرتی اب جانے کیوں خائف سی تھی۔ عجیب سے واہموں میں گھر کر بار بار خان جنید کا چہرہ دیکھتی۔ وہ بہت پرسکون نظر آ رہے تھے اور بہت دیر سے اسے نوٹس کر رہے تھے پھر وہ یہی سمجھے کہ وہ ہوائی سفر سے خوفزدہ ہے جب ہی اس کا دھیان بٹانے کی غرض سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں اور بے دھیانی سے سنتے ہوئے اچانک وہ پوری جان سے متوجہ ہوئی تھی۔ خان جنید کہہ رہے تھے۔
''میری نظر میں تم عام سی لڑکی تھی۔ مسائل میں گھری ہوئی مجبور لڑکی۔ اور میں بنٹی کی طرف سے پریشان تھا جب میں نے دیکھا کہ بنٹی تم سے مانوس ہو گیا ہے تب میں نے اپنی پریشانی کا تمہاری مجبوری سے سودا کر لیا۔ گھاٹے کا سودا نہیں تھا۔ میں اطمینان سے ہو گیا کہ بنٹی کو فل ٹائم کمپنی مل گئی۔ تمہارے بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ نہ تمہارے جذبات واحساسات جاننے کی ضرورت سمجھی۔ شاید اسی لیے کہ جس طرح میں اپنی پریشانی کا حل ڈھونڈ کر اطمینان سے ہو گیا تھا اسی طرح میرا خیال تھا کہ تم بھی مسائل سے نکل کر مطمئن ہو گئی ہو گی' لیکن یہ میری بھول تھی۔ اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہوا جب تمہیں اپنے لیے پریشان دیکھا اور اس وقت تو میں بے پناہ پشیمانیوں میں گھر گیا جب تم نے مجھے اپنی عمر لگ جانے کی دعا دے کر کہا تھا۔
''میں کسی فائدے نقصان کو نہیں جانتی۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ میرا سائبان ہیں۔ اور ہمارا معاشرہ بے سائبان عورت کو کوئی مقام نہیں دیتا۔ وہ اس کی بات دہرا کر کہنے لگے۔'' ''تم کبھی بے سائبان نہیں ہو گی صبا۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔''
''خان...... اس نے تڑپ کر ان کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔'' خان جنید نے اس کا ہاتھ اپنی مٹھی میں دبا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی سرخی مائل رنگت میں زردیاں گھلتی دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔ تب ہی ایتھنز ایئر پورٹ پر لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔
''خان آپ ٹھیک ہیں ناں۔'' اس نے پکار کر پوچھا۔
''ہوں......'' ان کی پلکوں میں حرکت ضرور ہوئی لیکن انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔
''خان بس اب ہم لینڈ کر رہے ہیں۔ سیدھے ہاسپٹل جائیں گے ناں۔ آپ کا بریف کیس۔ ہاں یہ میں پکڑ لیتی ہوں۔'' وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی وہ کیا کہہ رہی ہے کیا کر رہی ہے۔ پھر جانے زمین سے ناتا جڑنے پر پلین کو جھٹکا لگا تھا یا خان جنید کو۔
''خان......'' اس کے منہ سے چیخ نکل گئی اور پھر اس نے چیخ کر ہوسٹس کو بلایا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے حواسوں میں نہیں رہی تھی۔ اسے نہیں پتا وہ پلین سے کیسے نکلی پھر وہ خان جنید کے اسٹریچر کے پیچھے بھاگ رہی تھی اس کا پیر سلپ ہوا اور وہ اوندھے منہ گر گئی اس سے پہلے کہ کوئی اسے اٹھاتا وہ خود ہی اٹھ کر بھاگی تھی لیکن خان جنید تک نہیں پہنچ سکی کیونکہ وہاں انسانی زندگی بہت قیمتی تھی اس کا انتظار نہیں کیا گیا خان جنید کو فوراً ہوائی سروس کے ذریعے ہاسپٹل روانہ کر دیا گیا۔ وہ جب ایئر پورٹ سے نکلی اسے وہ اسٹریچر کہیں نظر نہیں آیا۔
''خان......'' وہ ان کا بریف کیس دونوں بازوؤں میں جکڑے ڈھے جانے کو تھی کہ کسی نے اسے تصدیقی انداز میں پکارا تھا۔
''مسز خان۔''
''ہاں......'' وہ فوراً پلٹی تھی۔ ''خان کہاں ہیں؟''
''انہیں ہاسپٹل روانہ کر دیا گیا ہے۔ آپ کہاں جائیں گی' ہاسپٹل یا اپنی رہائش پر۔'' اس نے پوچھا تو وہ فوراً بولی۔
''ہاسپٹل خان کے پاس۔''
''آیئے......'' اس نے گاڑی کی طرف اشارا کیا تو وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے ایک دم رک گئی۔

''آپ کون ہیں؟''

''اعزاز احمد۔شاید خان صاحب کے منہ سے آپ نے میرا نام سنا ہو۔میں یہاں ان کے آفس میں ہوتا ہوں۔انہوں نے وہاں سے روانگی کے وقت مجھے فون کر دیا تھا اور میں آپ لوگوں کو ریسو کرنے ہی آیا تھا۔''اس نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا تب وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔

اور اتنی کوئیک سروس کے باوجود خان جنید زندگی ہار گئے۔اپنے گھر اپنے وطن سے دور وہ تنہا ہوگئی۔اجنبی دیس اجنبی لوگوں میں کوئی ایسا نہیں تھا جو اس کے لرزتے وجود کو سہارا دیتا۔اپنے ہونٹوں پر سختی سے ہاتھ جمائے وہ ابلنے کو بے تاب چیخوں کو دبائے کھڑی تھی جب کہ آنکھوں میں اترے سیلاب نے سارے بند توڑ دیئے تھے۔

''کیا کرنا ہے میم؟''اعزاز احمد اس سے پوچھ رہا تھا جسے اپنا ہوش نہیں تھا۔



اعزاز احمد اسے اپارٹمنٹ میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔اب تو آنسو بھی خشک ہو گئے تھے پھر دھیرے دھیرے اس نے سوچنا شروع کیا تب بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے۔گھٹنوں سے سر اٹھایا تو سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

''یا اللہ......''دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اس نے مدد کے لیے اللہ کو پکارا تھا۔تب ہی اس کی نظر خان جنید کے بریف کیس پر پڑی۔ اس نے فوراً بریف کیس کھولا اور ان کا سیل فون نکال کر آن کرتے ہی پہلے نمبرز چیک کیے پھر خان جمشید کا نمبر پش کر دیا۔تیسری بیل کے بعد خان جمشید کی آواز آئی تھی۔

''یس ڈیڈ۔''

''میں صبابات کر رہی ہوں۔آپ کے ڈیڈ چلے گئے۔''اس کے آنسو پھر رواں ہو گئے۔

''واٹ؟''خان جمشید کی چنگھاڑ ہوئی آواز تھی۔

''ہاں......وہ دنیا سے چلے گئے۔اب بتائیں میں کیا کروں؟''اس نے روتے ہوئے پوچھا تو ادھر سے وہ دھاڑ کر بولا تھا۔

''تم بھی وہیں مرو اور انہیں بھی وہیں دفن کر دو۔''

''ہاں......''اس کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ادھر سے سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔وہ کتنی دیر دھندلائی آنکھوں سے سیل فون کو دیکھتی رہی پھر دوبارہ نمبرز چیک کرتے ہوئے اس نے آصف جاہ کا نمبر پش کیا تھا۔اور کیونکہ خان جنید کا سیل فون تھا اس لیے خان جمشید کی طرح آصف جاہ بھی انہیں ہی سمجھا تھا۔

''یس سر۔''

''میں صبا......''وہ دقتوں سے اسی قدر کہہ پائی۔

''جی صبا کیسی ہیں آپ۔اور آپ کے خان ٹھیک ہیں ناں؟''وہ اپنا نہیں تھا لیکن اپنائیت سے پوچھ رہا تھا وہ یوں ٹوٹ کے روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔

''صبا......صبا''وہ پکارے جا رہا تھا۔

''پلیز صبا آپ روئیں نہیں۔مجھے بتائیں کیا ہوا ہے۔خان ٹھیک ہیں ناں۔''اس کی پریشانی آواز سے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

''نہیں۔خان چلے گئے۔مجھے اکیلا چھوڑ کر دنیا سے چلے گئے۔مجھے بتاؤ میں کیا کروں آصف۔خان جمشید کہتے ہیں انہیں یہیں دفن کر دوں اور میں بھی یہیں مروں......''وہ ہچکیوں میں رک رک کر بول رہی تھی۔

''اچھا آپ......آپ پلیز ہمت کریں۔''آصف جاہ خود چکرا گیا تھا۔

''آپ روئیں نہیں......میں......میں آ رہا ہوں۔پہلی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔آپ پلیز خود کو سنبھالیں۔میں اعزاز کو فون کرتا ہوں وہ خان انکل کو یہاں لانے کا فوری اقدام کرے۔ہیلو صبا......آپ سن رہی ہیں ناں۔''اور وہ سن کر کیا کرتی اس کی تو دنیا اجڑ گئی تھی۔

اپنے ہمسفر کے ساتھ پہلے سفر میں ہی اس کی زندگی کا سفر تمام ہو گیا تھا یوں کہ اس کے سارے احساسات منجمد ہو گئے تھے اس کی کھلی آنکھوں نے سب کچھ دیکھا ضرور لیکن سارے منظر لاشعور میں کہیں گم ہوتے چلے گئے تھے۔آصف جاہ کی آمد' تیسرے دن خان جنید کے

جسد خاکی کے ساتھ واپسی کا سفر‘ان کی آخری رسومات اور آج تیسرے دن سوئم میں بھی وہ گم صم بیٹھی تھی۔اطراف میں سب اس کے اپنے تھے سب کو اس کا غم رلا رہا تھا اور اس کی آنکھیں صحرا ہوگئی تھی۔

اس کے دائیں بائیں ثریا اور ساجدہ بیگم بیٹھی تھیں۔قدرے فاصلے پر راحیلہ خاتون جو وقفے وقفے سے لمبی آہ کھینچ کر اس کی جوانی پر ترس کھا تیں۔عقب سے نشا اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اس کے ساتھ گویا خود کو بھی سہارا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔پھر ایک ایک کر کے سب رخصت ہوگئے تب ثریا اسے وہاں سے اٹھا کر کمرے میں لے جانے لگی تھی کہ خان جمشید‘فریحہ کے ساتھ سامنے آن کھڑا ہوا اور کرخت لہجے میں بولا۔

''بس اب تمہارا کام ختم۔اپنا بوریا بستر سمیٹو اور تم بھی جاؤ یہاں سے۔''اس کی سماعتوں پر کاری ضرب پڑی تھی ایک چھناکے سے سناٹے چور چور ہوگئے اس نے بنٹی کی تلاش میں نظروں کا زاویہ بدلا تو دور کونے میں آصف جاہ کھڑا نظر آیا وہ فون پر جانے کس سے بات کر رہا تھا انداز خاصا جارحانہ تھا پھر وہ وہیں سے باہر کی طرف بھاگا تھا۔

''سنا نہیں تم نے......''خان جمشید پھر دھاڑا۔

''بیٹا......''ثریا نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے فوراً ان کا ہاتھ دبا کر خاموش کر دیا پھر یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے اپنے جانے کا اشارا دیا ہو اور ثریا کا ہاتھ تھامے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئی۔

''آپ بیٹھ جائیں امی۔میں اپنی کچھ ضروری چیزیں لے لوں۔''وہ کہہ کر الماری کی طرف بڑھ گئی۔ثریا صدمے کی حالت میں اسے دیکھے گی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر خان جنید کی کچھ نشانیاں اور کچھ تحائف جو انہوں نے اسے دیے تھے بیگ میں رکھنے لگی‘اس کام سے فارغ ہوئی تو اسے بنٹی کا خیال آیا۔

''دو منٹ امی۔میں بنٹی سے مل کر آتی ہوں۔''وہ بہت ضبط کر رہی تھی جب ہی ثریا کی طرف دیکھنے سے گریز کرتے ہوئے کمرے سے نکل آئی اور سیدھی بنٹی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ کسی نے اسے پکارا تھا۔

''مسز خان‘‘اس نے رک کر دیکھا لاؤنج میں خان جمشید اور فریحہ کے ساتھ وہ تیسرا ادھیڑ عمر شخص جانے کون تھا جو غالباً اس کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''یہاں تشریف لایے مسز خان۔''اس شخص نے اسے مخاطب کیا تو اس نے پہلے دزدیدہ نظروں سے خان جمشید اور فریحہ کو دیکھا پھر قریب جا کر سوالیہ انداز میں بولی تھی۔

''جی؟''

''میرا نام عبدالرحمٰن ہے میں خان جنید صاحب کا لیگل ایڈوائزر ہوں اور میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ خان صاحب کی وصیت کے مطابق جو کچھ آپ کا ہے اس سے آپ کو آگاہ کرسکوں۔آپ پلیز تشریف رکھیں۔''عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا تعارف کرانے کے ساتھ پھر اسے بیٹھنے کو کہا تو فریحہ کی کھا جانے والی نظروں سے خائف ہو کر بیٹھ گئی۔

''خان صاحب نے یہ بنگلہ آپ کے نام کیا ہے۔''اس کے بیٹھتے ہی عبدالرحمٰن صاحب بتانے لگے۔''ان کی وصیت کے مطابق یہاں سے کوئی آپ کو بے دخل نہیں کرسکتا۔مزید بزنس میں آپ کا جتنا حصہ انہوں نے رکھا ہے وہ ہر مہینے آپ کو کیش کی صورت ملتا رہے گا۔اور انہوں نے آپ سے ریکویسٹ کی ہے کہ آپ بنٹی کا خیال رکھیں۔باقی خان جمشید صاحب اور فریحہ بی بی کے لیے خان صاحب نے جو وصیت کی تھی وہ میں نے ان کے حوالے کر دی ہے آپ بھی اپنی امانت سنبھالیں۔''

''نہیں۔''وہ جو بہت غور سے سن رہی تھی ایک دم بول پڑی۔''میرا مطلب ہے آپ اسی طرح ہمارے لیگل ایڈوائزر رہیں گے جیسے خان صاحب کی زندگی میں تھے۔اس لیے یہ تمام پیپرز آپ اپنے پاس رکھیں۔البتہ ان کی ایک کاپی مجھے پہنچا دیجیے گا۔''

''جی بہتر۔''عبدالرحمٰن صاحب تمام پیپرز واپس بریف کیس میں بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔''مجھے اجازت دیجیے اور ہاں یہ میرا کارڈ رکھ لیجیے۔جب بھی آپ کال کریں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

''تھینک یو۔''وہ ان کے ہاتھ سے کارڈ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر ان کے جاتے ہی چاہا کہ خان جمشید اور فریحہ کو یکسر نظر انداز کر کے اپنے کمرے میں چلی جائے کہ عقب سے بنٹی چلایا تھا۔

''اب آپ لوگ بھی جائیں۔میری مما یہیں رہیں گی۔''وہ فوراً بنٹی کی طرف گھومی وہ انتہائی غصے سے خان جمشید اور فریحہ کو دیکھ رہا تھا۔

”بنٹی…… یہ تمہاری مما نہیں ہے۔ اس نے ہمارے ڈیڈ کو مارا ہے۔“ فریحہ نے کہا تو بنٹی اور زور سے چلایا۔
”ڈیڈ کو انہوں نے نہیں آپ نے مارا ہے۔ آپ جائیں یہاں سے۔ آئی ہیٹ یو۔“
”یہ پاگل ہوگیا ہے تم چلو فریحہ۔“ خان جمشید غصے سے کہتا فریحہ کو لے کر چلا گیا تو اس نے بنٹی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن سماعتوں پر ہونے والی دستک نے رلا دیا تھا۔
”تم کبھی بے سائبان نہیں ہوگی صبا۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔“



محسن کو مسلسل یہ احساس کچوکتا تھا کہ وہ احسن اور نشا کی محبت کا مجرم ہے۔ لاکھ نشا نے قسمیں کھائیں کہ اس کے لیے گزری باتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور یہ نہیں تھا کہ وہ نشا کا یقین نہیں کر رہا تھا یقین کرنے کے باوجود اس کے اندر سے احساس جرم جاتا نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ ایک تو وہ بہت حساس تھا دوسرے نشا سے اس کی محبت عشق کی انتہاؤں کو چھونے لگی تھی وہ جو ٹوٹا ہوا اور خود سے عاجز انسان تھا محبت کا احساس ملتے ہی برسہا برس جینے کی تمنا کرنے لگا تھا' اسے یہی بتایا گیا تھا کہ نشا اس سے محبت کرتی ہے اور اب وہ یہ سوچتا کہ آخر اس کے پیچھے کیا راز ہے کیوں اس سے غلط بیانی کی گئی اور اس کا سارا نزلہ نشا پر گرتا تھا کہ اس نے اسے اس وقت آگاہ کیوں نہیں کیا جب اس کے ساتھ زبردستی ہوئی یا اسے مجبور کیا گیا تھا۔ وہ مجبوراً اس کی زندگی میں آئی اور اسے خبر تک نہیں ہوئی الٹا خود فہم ہوگیا اور اس خوش فہمی نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ محبت کا روگ ہی ایسا تھا جس نے اسے شکی بنا دیا تھا۔
”نشا کہاں ہے۔ کیا کر رہی ہے اور خصوصاً احسن سے بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ کیا بتاتا ہے۔ وہ اپنی باتوں میں الجھ کر خود اذیتی کا شکار ہوگیا تھا۔ نشا کو ٹارچر کرتا اور اس کے بعد خود بھی چین سے نہیں رہتا تھا۔ اس کی پریشانیاں خود ساختہ تھیں اور وہ ان سے فرار کی سوچنے لگا تھا کہ اچانک صبا کے ساتھ ہونے والے سانحے نے سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کچھ بھی تھا وہ اس خاندان کی بیٹی تھی جسے تقدیر نے بیوگی کی چادر اوڑھا کر ٹوٹی کڑیاں پھر سے ملا دی تھیں۔ ان دنوں سب اپنا آپ بھولے ہوئے تھے وہ بھی سب بھلا کر نشا کے ساتھ صرف صبا کی باتیں کرتا اور روزانہ اسے صبا کے گھر لے جاتا رہا۔ پھر جیسا کہ وقت بڑا مرہم ہے زخم بھرے نہیں تو کھرنڈ ضرور جم گئی۔ ایک ٹھہراؤ سا آتے ہی وہ پھر اپنی باتوں میں الجھ کر ساجدہ بیگم کے پاس آ بیٹھا تھا۔
”امی آپ تو ماں ہیں۔ ضرور جانتی ہوں گی کہ احسان بھائی اور نشا ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر شادی کے لیے آپ نے میرا پیغام کیوں دیا تھا۔“ ساجدہ بیگم ایک دم سناٹے میں آگئیں غالباً توقع نہیں تھی کہ وہ براہ راست ان سے سوال کرے گا۔
”بتائیں نا امی؟“ اس نے ان کا بازو ہلا کر اصرار کیا تو وہ چونک کر بولیں۔
”یہ…… یہ تم کیا کہہ رہے ہو بیٹا۔“
”آپ اچھی طرح سمجھ رہی ہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔“ وہ بہت سادہ تھا۔ ساجدہ بیگم نظریں چرا گئیں۔
”تم سے نشا نے کچھ کہا ہے؟“
”نہیں…… نشا نے اس زیادتی پر پہلے آواز نہیں اٹھائی تھی تو اب کیا کہے گی۔“ وہ پھر نشا کا دفاع کر رہا تھا۔
”پھر تم کیوں……“
”کیونکہ مجھے اب پتا چلا ہے۔“ وہ فوراً بولا تھا۔ ”مجھ سے جھوٹ بولا گیا تھا کہ نشا مجھے پسند کرتی ہے جب کہ وہ مجھ سے شادی پر راضی ہی نہیں تھی۔“
”راضی نہ ہوتی تو تمہاری دلہن کیسے بنی۔ اور اب جب احسن بھی بیوی والا ہوگیا ہے تم کیوں ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر تانیہ کو بھنک پڑ گئی تو اپنے ساتھ تم احسن کا گھر بھی خراب کرو گے۔“ ساجدہ بیگم نے ناراضگی سے ٹوک کر کہا تھا۔
”نہیں کروں گا میں ایسی باتیں اگر آپ مجھے سچ بتا دیں۔“ وہ دل گرفتہ سا قدرے ضد میں آ گیا تھا۔
”کیسا سچ؟“ ساجدہ بیگم اندر سے خائف سہی لیکن پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔
”نشا کے ساتھ زیادتی کیوں کی گئی؟“
”کوئی زیادتی نہیں ہوئی وہ خوش ہے تمہارے ساتھ۔ تم خوامخواہ اس کی طرف سے دل برا مت کرو۔ پھر خود سوچو ہم کیسے اس کے ساتھ زیادتی کر سکتے ہیں وہ کوئی غیر نہیں میری آغوش میں پلی بڑھی ہے کسی طرح مجھے اپنی اولاد سے کم عزیز نہیں۔“ ساجدہ بیگم کسی طرح ماننے کو

تیار نہیں تھیں۔
''یہی تو دکھ ہے آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ساجدہ بیگم اس کا ہاتھ کھینچ کر بولیں۔
''کیا...... کیا اولاد کے ساتھ بھلائی ہی سوچی تھی۔''
''ہاں اپنی اولاد کی بھلائی سوچتے ہوئے نشا کو نظر انداز کر گئیں۔ اس خود غرضی پر آپ کا ضمیر آپ کو ملامت نہیں کرتا؟'' وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا۔ ساجدہ بیگم کو غصہ آ گیا۔
''تم حد سے بڑھ رہے ہو مونی۔ ہم نے کچھ ایسا غلط نہیں کیا جس کے لیے تم آپے سے باہر ہو رہے ہو اور یہ ساری باتیں تمہیں اب کیوں سوجھ رہی ہیں کہ نشا کے ساتھ زبردستی ہوئی یا ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی۔ بلاؤ نشا کو میں اس سے پوچھتی ہوں۔''
''نشا سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر تیز قدموں سے باہر نکل آیا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ کہاں جا رہا ہے بس چلتا چلا جا رہا تھا۔ پھر روڈ کراس کرتے ہوئے بھی اسے اپنا ہوش نہیں تھا جب اس کے قریب گاڑی کے بریک چرچرائے تب اس کے قدم جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے۔
''ارے ادھر جاؤ یا ادھر یا سیدھے اوپر جانا ہے۔'' شیشے میں سے سر نکال کر ایک لڑکی اس سے مخاطب تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا نہ ہی وہ اپنی جگہ سے ہل سکا۔ تب وہ لڑکی گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آئی۔ سرتاپاؤں اسے دیکھا اور جانے کیا سمجھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے گاڑی میں لا بٹھایا پھر ڈرائیونگ پر آ کر بیٹھی اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے کہنے لگی۔
''میرا نام کندن ہے۔ سنا ہے سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے۔ لیکن مجھے آگ سے بہت ڈر لگتا ہے کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں آگ سے گزرے بنا کندن کیسے بن سکتی ہوں۔'' وہ خاک سمجھتا۔ سنتا تو سمجھتا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے وہ تو اپنی آگ میں جل رہا تھا۔
''ویسے مزے کی بات بتاؤں مجھے پتا ہی نہیں کہ کندن ہے کیا بلا۔ بس اس محاورے سے کہ سونا آگ میں تپ کر کندن بنتا ہے' میں نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی دھات ہے جو سونے سے زیادہ قیمتی ہو گی۔'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔ پھر اسے دیکھ کر بولی۔
''ارے میں نے تمہارا نام تو پوچھا ہی نہیں۔ کیا نام ہے تمہارا؟'' وہ جو اس کی ہنسی سے متوجہ ہوا تھا بے اختیار بولا تھا۔
''محسن۔''
''محسن اچھا نام ہے۔ تمہارے گھر والے تمہیں پیار سے مونی پکارتے ہوں گے۔'' وہ پتا نہیں باتونی تھی یا اس وقت موڈ میں تھی محسن نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
''واہ۔'' اپنے درست قیاس پر میں خود کو شاباش دیتی ہوں اس نے خود ہی اپنا کندھا تھپکا پھر پوچھنے لگی۔
''مزید قیاس کروں؟'' وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تو کندھے اچکا کر بولی۔
''چلو پھر سہی ابھی تو گھر آ گیا۔'' اس نے ہارن بجایا اور گیٹ کھلنے پر گاڑی اندر لے جا کر روکی تب وہ ادھر ادھر دیکھ کر حیرت سے بولا۔
''یہ...... یہ آپ مجھے کہاں لے آئیں؟''
''اپنے گھر۔ چلو اترو۔ چائے پئیں گے۔ تھوڑی باتیں کریں گے پھر کہو گے تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گی۔'' وہ کہہ کر اتر گئی تو ناچار وہ بھی اتر کر اس کے پیچھے چل پڑا۔



''ہائے بچی کی کتنی سی شکل نکل آئی ہے۔ بیٹا اللہ کی مرضی۔ بندہ تو بے بس ہے تم صبر کرو۔ اب صبر کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔'' راحیلہ خاتون بار بار صبا کا منہ پکڑ کر ایسی ہی باتیں کیے جا رہی تھیں۔
''اتنا بڑا گھر کیسے بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ ساس نندیں بھی ہوتیں تو کچھ سہارا ہو جاتا۔ اب اکیلی کیسے رہے گی۔ ثریا تم تو اب اس کے پاس رہو گی ناں؟'' راحیلہ خاتون نے آخر میں ثریا کو مخاطب کر کے پوچھا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔
''اس کی عدت ختم ہونے تک تو مجھے اس کے پاس رہنا ہی پڑے گا بھابی۔ پھر اپنے ساتھ لے جاؤں گی؟'' راحیلہ خاتون جانے کس کھوج میں تھیں صبا اٹھ کر چلی گئی ثریا نے اسے جاتے ہوئے دیکھا پھر کہنے لگی۔
''میں تو کہتی ہوں صبا سے کہ وہ میرے ساتھ چلے مجھے بیٹی کے گھر رہنا اچھا نہیں لگتا لیکن وہ نہیں مانتی۔''
''تو یہاں اکیلی کیسے رہے گی۔ خان جنید کی بڑی اولادیں بھی تو ہیں۔ وہ اعتراض نہیں کریں گی کیا؟''

''نہیں ان کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ یہ بنگلہ بھی صبا کے نام ہے۔'' ثریا سادگی میں بتارہی تھی۔ ''خان جنید وصیت کر گئے ہیں کہ صبا کو یہاں سے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا۔''

''اچھا......'' راحیلہ خاتون کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ ''اور کیا کچھ صبا کے نام کر گئے ہیں؟''

''پتا نہیں بھابی۔ میں نے پوچھا نہیں۔''

''چلو سر چھپانے کا ٹھکانا تو دے گئے ہیں یہ بھی بہت ہے اور ہاں ان کا ایک معذور لڑکا بھی تو تھا وہ کہاں گیا؟'' راحیلہ خاتون کو اچانک بنٹی یاد آیا تھا۔

''وہ یہیں ہے صبا کے ساتھ۔ اس کی وجہ سے بھی صبا یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔'' ثریا نے بتایا تو راحیلہ خاتون ناگواری سے بولیں۔

''لو......وہ کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہے۔ پھر اس کے اپنے بہن بھائی موجود ہیں ان کے پاس جارہے۔ صبا کیوں یہ مصیبت اپنے گلے میں ڈال رہی ہے۔''

''ایسا نہ کہیں بھابی۔ بنٹی صبا سے بہت مانوس ہے۔ بیچارے کی پہلے ماں نہیں تھی اور اب تو باپ بھی نہیں رہا۔ بڑے بہن بھائی اپنے بال بچوں والے ہیں اس کا کیا خیال کریں گے۔'' ثریا کی خدا ترسی دیکھتے ہوئے راحیلہ خاتون نے اس وقت مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر قدرے توقف سے کہنے لگیں۔

''میں نے نگار کی شادی طے کر دی ہے اب سوچ رہی ہوں تاریخ آگے بڑھا دوں۔''

''کیوں؟'' ثریا کے منہ سے بلا ارادہ ہی نکلا تھا۔

''صبا جو عدت میں بیٹھی ہے۔ اب اچھا تو نہیں لگتا یہاں اتنا بڑا سانحہ ہو گیا اور ہم خوشیاں منائیں۔ اللہ صبا کو صبر دے میں تو گھر میں بھی ہر وقت اس کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ ابھی بچی کی عمر ہی کیا ہے۔ آگے پہاڑ سی زندگی' اللہ ایسا وقت کسی کو نہ دکھائے۔'' راحیلہ خاتون رقت سے بول رہی تھیں۔ ثریا کے آنسو جھلک گئے۔

''تمہاری بھی کیا قسمت ہے ثریا' شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا ساتھ نصیب نہ ہوا اور بیٹی کو اللہ نے محروم کر دیا۔ بس اللہ کے کام وہی جانے۔'' راحیلہ خاتون مزید ثریا کو محرومی کا احساس دلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اللہ تم ماں بیٹی کو ہمت حوصلہ دے۔ کبھی کسی کام کے لیے ضرورت پڑے تو بلا جھجک کہہ دینا۔ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں میں تو جاذب سے کہتی رہتی ہوں کہ تمہارے پاس چکر لگا لیا کرے ابھی پتا نہیں کس کام میں پھنسا ہے میں نے کہا بھی تھا مجھے لینے آجائے لیکن......''

''تو آپ کیسے جائیں گی بھابی؟'' ثریا نے احساس کر کے پوچھا۔

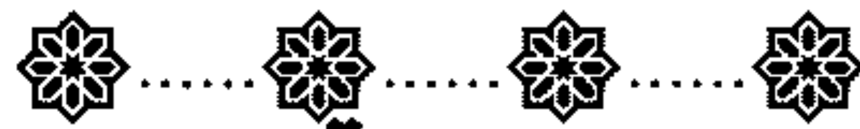
''چلی جاؤں گی رکشہ سے چلی جاؤں گی۔''

''ارے نہیں بھابی۔ چلیں میں ڈرائیور سے کہتی ہوں آپ کو چھوڑ آئے گا۔'' ثریا ان کے ساتھ باہر تک آئی۔ راحیلہ خاتون نے مروتاً بھی منع نہیں کیا دھڑلے سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔

پھر تمام راستہ ان کے ذہن میں کھچڑی پکتی رہی اور گھر آتے ہی جاذب پر چڑھ دوڑیں۔

''تم یہیں بیٹھے ماتم کرتے رہو۔ یہ نہیں کہ جا کر اس کا غم بٹاؤ۔ بے چاری بالکل نڈھال ہو گئی ہے۔ ارے یہی تو وقت ہوتا ہے بندے کو سہارا چاہئے ہوتا ہے۔ یہاں تو بہت پھوپو کے آگے پیچھے پھرتے تھے اب تمہیں کوئی خیال نہیں۔ بیٹی کے غم نے ادھورا کر دیا ہے اسے۔'' جاذب حیرت اور غیر یقینی سے ماں کو دیکھے جارہا تھا۔

''نگار کو بھی ساتھ لے جانا۔ صبا کا دل بہل جائے گا۔'' راحیلہ خاتون مزید آرڈر جاری کر کے کمرے سے نکل گئیں۔



نشا نے رات کا کھانا بنا دیا پھر اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''مونی' چلیں کھانا لگ رہا ہے۔''

محسن کمرے میں نہیں تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا واش روم چیک کیا پھر ساجدہ بیگم کے پاس آ کر پوچھنے لگی۔

''تائی امی محسن کہاں ہیں؟''

''ابھی تو یہیں تھا کمرے میں ہوگا۔'' ساجدہ بیگم نے سرسری انداز میں جواب دیا تھا۔
''کمرے میں تو نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہوئے واپس پلٹی اور سارے گھر میں دیکھنے کے بعد اپنے کمرے میں آ کر سیل فون اٹھایا اور محسن کو کال ملائی تو سائیڈ کارنر پر رکھا محسن کا سیل فون بجنے لگا۔
''موبائل تو یہیں ہے۔'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ سیل فون رکھ کر کمرے سے نکلی تو احسن اور تانیہ کو ڈائننگ کی طرف جاتے دیکھ کر تقریباً بھاگتے ہوئے ان کے پاس آئی تھی۔
''احسن بھائی۔ مونی کو دیکھا ہے آپ نے۔ میرا مطلب ہے وہ پتا نہیں کہاں گئے ہیں۔ بتا کر بھی نہیں گئے۔''
''تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے کہیں بھی گیا ہے آ جائے گا۔'' احسن نے دھیرج سے رک کر کہا۔
''تم اسے فون کرلو۔'' تانیہ نے کہا تو وہ روہانسی ہو کر بولی۔
''ان کا سیل فون یہیں رکھا ہے۔''
''ارے تم تو رونے لگیں۔ بے وقوف مونی کوئی بچہ ہے جو کھو جائے گا۔'' احسن نے ہلکے پھلکے انداز میں اس کا مذاق اڑایا پھر تانیہ کو اشارا کیا تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈائننگ روم میں لے آئی۔ جہاں ساجدہ بیگم اور جلال احمد ان کے انتظار میں بیٹھے تھے۔
''آؤ بچو...... کھانے کو انتظار نہیں کرواتے۔'' جلال احمد نے کہتے ہوئے سالن کی ڈش اٹھالی۔ اپنی پلیٹ میں سالن نکالا پھر سب کو دیکھتے ہوئے محسن نظر نہیں آیا تو پوچھنے لگے۔
''مونی کہاں ہے کھانا نہیں کھائے گا؟''
''مونی کہیں باہر گیا ہے ابو۔'' احسن نے بتایا تو وہ نشا کو دیکھ کر پوچھنے لگے۔
''باہر کہاں؟''
''پتا نہیں، تایا ابو! مجھے بتا کر نہیں گئے۔ ان کا سیل فون بھی کمرے میں رکھا ہے۔''
اس کی پریشانی بجا تھی کیونکہ محسن بتائے بغیر کبھی کہیں نہیں گیا تھا۔
''تو یہیں کہیں قریب گیا ہوگا آ جائے گا۔ تم کھانا کھاؤ۔'' جلال احمد نے کہہ کر باقی سب کو کھانے کی طرف متوجہ کیا اور خود کھانا شروع کر دیا۔ نشا نے ایک نظر سب کو دیکھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''میں محسن کے ساتھ کھاؤں گی۔'' وہ کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور بے مقصد کبھی الماری کھولتی کبھی درازوں کی تلاشی لیتی۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا تلاش کر رہی ہے۔ پھر وہ محسن کا سیل فون چیک کر رہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر احسن اندر آ گئے۔
''احسن بھائی مونی کو بتا کر جانا چاہئے تھا۔'' وہ انہیں دیکھتے ہی بولی تھی۔
''ہوں......'' ان کا انداز سوچتا ہوا تھا پھر اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔ ''کوئی بات ہوئی تھی آئی مین لڑائی جھگڑا۔''
''جھگڑتے تو ہیں وہ لیکن ناراض نہیں ہوتے اور آج تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔'' وہ ابھی بھی رو دینے کو ہو رہی تھی۔
''جب کوئی بات نہیں ہوئی تو تم کیوں محسوس کر رہی ہو۔ میرے خیال میں تو یہ اچھی بات ہے کی مونی کہیں آنے جانے لگا ہے اس معاملے میں تمہیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے نہ کہ پریشان ہو جاؤ۔'' احسن نے سمجھایا تو وہ جز بز ہو کر بولی۔
''آپ کو نہیں پتا۔''
''کیا نہیں پتا بتاؤ مجھے کیا نہیں پتا؟'' ان کے ٹوکنے پر وہ کوئی بات بتانا چاہتی تھی کہ تانیہ چائے لے کر آ گئی اور ٹرے اس کے سامنے رکھ کر کہنے لگی۔
''تم ناحق پریشان ہو رہی ہو ابھی امی بتا رہی ہیں کہ مونی ان سے کہہ کر گیا تھا کہ کسی دوست کے ہاں جا رہا ہے دیر سے آئے گا۔''
''کیا......'' وہ حیران ہوئی۔ تائی امی نے مجھے تو نہیں بتایا۔
''بھول گئی تھیں ابھی انہیں یاد آیا۔ چلو تم چائے پیو یا پہلے کھانا کھاؤ گی تو لے آؤں؟'' تانیہ نے اس کی حیرت کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔
''نہیں......'' اس نے چائے کا کپ اٹھالیا۔ اس کا ذہن الجھ گیا تھا۔
احسن اور تانیہ چائے پینے تک اس کے پاس بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر اپنے کمرے میں چلے گئے تو کچھ دیر کو جو اس کا

دھیان بٹ گیا تھا تنہا ہوتے ہی پھر محسن کو سوچتے ہوئے اس کی نظریں کلاک پر جا ٹھہریں۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

# تیرے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کوئی اجنبی پل میں اجنبیت کی ساری دیواریں گرا کر یوں قریب آ جاتا ہے کہ دل نہ صرف اسے اپنا مان لیتا ہے بلکہ اس کا اعتبار بھی کر لیتا ہے اس کے سامنے بیٹھی کندن جسے جاننا تو دور کی بات پہلے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں تھا جانے وہ اپنا بنانے کا ہنر جانتی تھی یا وہ خود رشتوں کی بے اعتباریوں کا بوجھ اٹھائے تھک گیا تھا کہ اپنی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا آخر میں کہنے لگا۔

''کیا تھا میرے پاس کچھ بھی نہیں نہ مجھے کسی چیز کی آرزو تھی چاہنے اور چاہے جانے کا تو سوال ہی نہیں تھا اتنے روگ میری جان کو چمٹے ہوئے تھے ویران کھنڈر دل میں بھلا کوئی امنگ کیسے جاگ سکتی تھی میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں کسی کی چاہت ہو سکتا ہوں پھر پتا نہیں کیوں میری ماں نے میرے ساتھ یہ مذاق کر ڈالا مجھے نشا کی چاہت بنا کر میرے دل کی کھنڈر زمین پر ایسے بیج بو دیے جن کی آبیاری میں پور پور نشا کی محبت میں ڈوب گیا۔ ایک ٹوٹے ہارے انسان کو محبت نے زندگی سے پیار کرنا سکھا دیا تب کبھی مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ نشا مجھ سے پیار کیسے کر سکتی ہے۔ اپنی ماں کی بات پر ایمان لا کر میں نے کبھی نشا کے دل میں جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اس کے ارمانوں کا خون کب کیسے ہوا یہ مجھے تب پتا چلا جب وہ احسن بھائی کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تانیہ سے شادی پر مجبور کر رہی تھی اس وقت سچ مچ اس روئے زمین پر مجھ سا بد قسمت کوئی نہیں تھا۔ پھر بھی مجھے اپنی بد قسمتی نے نہیں رلایا میں نشا کے لیے رویا تھا وہ اتنی سادہ معصوم اور محبت کرنے والی لڑکی ہے کہ گرم ہوائیں بھی اسے چھونے سے ڈرتی ہوں گی پھر میرے گھر والوں نے اسے تپتے صحرا میں کیسے چھوڑ دیا مجھے اس سے بہت شرم آتی ہے میں چاہتا ہوں اس سے بہت دور چلا جاؤں لیکن اپنے دل کا کیا کروں جو دھڑکتا بھی اسی کے لیے ہے پھر بھی میں نے سوچ لیا ہے میں نشا کے لیے مزید آزمائش نہیں بنوں گا۔'' وہ خاموش ہوا تب بھی کندن فوراً کچھ نہیں بولی۔ وہ سائیکاٹرسٹ تھی اور ابھی دو مہینے پہلے اس نے پریکٹس شروع کی تھی اسے شروع ہی سے لوگوں کے چہرے پڑھنے اور انہیں جاننے کا شوق تھا جب ہی اس نے اپنے لیے اس شعبے کو منتخب کیا تھا مشاہدہ اس کا جنون تھا اسی طرح ہر ایک کی داستان سننے یوں بیٹھ جاتی جیسے اور کوئی کام ہی نہ ہو، گھر میں کام کرنے والی ماسی، خانساماں، مالی حتیٰ کہ چوکیدار تک کے تمام حالات زندگی سے واقف تھی اور یہ نہیں تھا کہ اسے صرف سننے کا شوق تھا اس کے اندر سیکھنے کی جستجو تھی دوسروں کے تجربات، واقعات اور غلطیوں سے وہ بہت کچھ سیکھ رہی تھی اس کی مما اس کے جنون سے عاجز تھیں جبکہ ڈیڈی نوٹس نہیں کرتے تھے بہر حال محسن کو وہ یونہی نہیں اپنی گاڑی میں بٹھا کر گھر لے آئی تھی اسے دیکھتے ہی اس نے سمجھ لیا تھا کہ وہ شکست خوردہ ہے اور وہ اسے اس احساس سے نکالنے کی سعی کر سکتی ہے محسن کی داستان کوئی اتنی عجیب نہیں تھی پھر بھی اسے الجھا گئی تھی جب ہی اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ فوراً کچھ نہیں بولی اپنے آپ سوچنے لگی جبکہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں جنہیں محسوس کر کے ہی محسن نے اسے دیکھا اور پریشان ہو گیا۔

''سوری...... میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا تم ہو کون؟''

''میں کون ہوں۔'' وہ چونکی پھر گہری سانس کھینچ کر ہلکے پھلکے انداز میں بولی۔

''تمہیں نہیں پتا کمال ہے ویسے مجھے بھی ابھی ابھی پتا چلا ہے کہ میں تمہاری دوست ہوں۔''

''میری دوست۔'' محسن کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ مچلی۔

''ہاں تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ دوستوں ہی کے ساتھ دکھ سکھ شیئر کیے جاتے ہیں...... ہے نا؟'' آخر میں اس نے تصدیق بھی چاہی تو وہ خاموش ہی رہا۔

''دیکھو محسن میں مانتی ہوں کہ تمہارے ساتھ اور نشا کے ساتھ بھی زیادتی ہوئی تھی۔'' قدرے رک کر وہ سمجھانے کے انداز میں گویا ہوئی۔

''بھی میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اب جب زندگی ایک ڈگر پر چل نکلی ہے تو تمہیں ایڈجسٹ کرنا چاہیے تم یہ خیال دل سے نکال دو کہ نشا اب بھی تمہارے بھائی کو سوچتی ہو گی میں ٹھیک کہہ رہی ہوں، لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ جسے تن سونپتی ہیں من میں بھی اسے ہی بسا لیتی ہیں وہ تمہاری بیوی ہے تم سے محبت کرتی ہے تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے۔'' وہ کچھ نہیں بولا چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''چلو نشا کو فون کرو، وہ تمہارے لیے پریشان ہو رہی ہو گی۔'' اس نے کہا تو محسن اپنی جیبوں پر ہاتھ مار کر بولا۔

''سیل فون تو شاید گھر پر ہی رہ گیا۔''

''چلو پھر میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔''

''نہیں میں چلا جاؤں گا۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
''میں تمہیں گیٹ تک سی آف تو کر سکتی ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ باہر تک آئی تو پوچھنے لگی۔
''سنو اپنا کانٹیکٹ نمبر دو گے؟'' محسن اسے اپنا سیل نمبر بتا کر فوراً آگے بڑھ گیا۔ کندن اسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر اندر آتے ہوئے اس کا سیل نمبر محفوظ کر رہی تھی۔



محسن کا انتظار کرتے رات کے جانے کس پہر اس کی آنکھ لگ گئی تھی صوفے کے بازو پر سر رکھے وہ نیند میں بھی اسے ہی سوچ رہی تھی پھر ابھی سورج نے اپنی کرنوں کا جال نہیں پھیلایا تھا کہ وہ اچانک ہڑبڑا کر اٹھی۔
''مونی......!'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ اس نے پہلے بیڈ پھر چاروں اُور نظریں دوڑائیں تو ہر شے جیسے اسی کی طرح محو انتظار تھی اس کا دل ڈوبنے لگا بمشکل خود کو سنبھالتی وہ کمرے سے نکل آئی تو لاؤنج میں ساجدہ بیگم غالباً کچن کی طرف جا رہی تھی۔
''تائی امی!'' وہ انہیں دیکھتے ہی یکلخت بکھری۔ ''تائی امی محسن کہاں ہیں؟ وہ رات سے گھر نہیں آئے۔''
''کیا......؟'' مامتا کے سینے میں ایسی ہوک اٹھی کہ ساجدہ بیگم دل تھام کر وہیں ڈھے گئیں۔
''تائی امی۔'' اس اچانک افتاد پر نشا کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ چند لمحے پتھرائی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی پھر اس کے حلق سے دلدوز چیخ بلند ہوئی تھی۔
''تائی امی......'' اگلے پل جلال احمد ننگے پاؤں کمرے سے بھاگے آئے اور ادھر سے احسن سیڑھیاں پھلانگتے آ رہے تھے۔
''کیا ہوا؟'' ایک ساتھ دو آوازیں تھیں۔
''تائی امی۔'' اس بار اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آواز نکلی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ زمین بوس ہوتی اس نے ساجدہ بیگم کے قریب گھٹنے ٹیک دیے۔
''امی۔'' احسن فوراً ساجدہ بیگم کو چیک کرنے لگے اور پھر اپنی ساری تدبیروں میں ناکام ہو کر انہوں نے نشا کو دیکھا اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ گیا تھا۔
''بیٹا اسپتال لے چلتے ہیں ایمبولینس کال کروں۔'' جلال احمد نے کہا تو بہت ضبط کے باعث ان کی آواز بھرا گئی۔
''نہیں ابو، امی چلی گئیں ہمیں چھوڑ کر۔''
''نہیں......'' نشا کے ساکت وجود میں یکلخت بجلی سی دوڑی تھی۔ ''نہیں تائی امی نہیں آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔''
''نشا......'' جلال احمد نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تو وہ ان کے بازوؤں میں جھول گئی۔
جب اسے ہوش آیا اس کا ذہن بالکل ماؤف تھا در و دیوار سے ٹپکتی وحشت محسوس ہوئی نہ نوحے سنائی دے رہے تھے کوئی اپنا اس کے پاس نہیں تھا جسے دیکھ کر شاید اس کا ذہن بیدار ہوتا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ رات محسن کا انتظار کرتے ہوئے وہ کس کرب سے گزری تھی کتنی دیر بعد تانیہ گلوکوز کا گلاس لیے اس کے پاس آئی اور اسے بے حس و حرکت دیکھ کر ایک لحظہ کو اس کا دل کسی اتھاہ میں ڈوبا تھا۔
''نشا۔'' گلاس سائیڈ کارنر پر رکھ کر وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
''اٹھو نشا گلوکوز پی لو، اٹھو شاباش۔'' نشا نے جیسے سنا ہی نہیں۔
''نشا پلیز ہمت رکھو، میں اکیلی کچھ نہیں کر پا رہی، پھر سب تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ اٹھوں نا۔'' تانیہ نے عاجز ہو کر اسے جھنجوڑا تو وہ ہچکی لے کر چونکی پھر خالی خالی نظروں سے تانیہ کو دیکھنے لگی۔
''امی چلی گئیں تم نے ان کا آخری دیدار بھی نہیں کیا۔'' اسے شدید دھچکا لگا۔ ساجدہ بیگم نے صرف اسے جنم نہیں دیا تھا۔ باقی اس کی پرورش میں کوتاہی نہیں کی تھی وہ ماں نہیں ماں جیسی تھیں۔
''تائی امی چلی گئیں۔'' وہ تانیہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔



صبا جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی صبح ہی احسن نے فون پر اسے ساجدہ بیگم کے انتقال کی خبر دی تھی ابھی اس کا اپنا دکھ تازہ تھا کہ یہ نیا دکھ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے عدت میں ہونے کے باعث وہ نشا کے پاس جا بھی نہیں سکتی تھی۔ بار بار

اسے فون کررہی تھی نشا کے سیل پر بیل جاتی تھی لیکن کال ریسیو نہیں کررہی تھی اسے اتنا اندازہ تو تھا کہ جس گھر میں کہرام برپا ہو وہاں سیل فون کی ٹون شاید ہی سنی جائے لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ نشا کو اپنا ہوش نہیں تھا پھر بہت تھک کر وہ ثریا کے پاس آ کر بیٹھی تو مزید پریشان ہوگئی۔ ثریا گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔

''امی میں بھی رونا چاہتی ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ثریا کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی ثریا نے اسے چپ نہیں کرایا دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے کے ساتھ اپنے آنسو بھی پونچھتی جارہی تھی تب ہی راحیلہ خاتون نگار کے ساتھ آ گئیں اور ماں بیٹی کو روتے دیکھ کر یہی سمجھی کہ خان جنید کا غم منایا جارہا ہے جب ہی اسی حساب سے ثریا کو سرزنش کرتے ہوئے بولنا شروع ہوگئیں۔

''ہائے ثریا پاگل تو نہیں ہوگئی تم بجائے بچی کو حوصلہ دینے کے خود بھی اس کے ساتھ مل گئیں۔'' پھر صبا کو پچکارنے لگیں۔

''بس کرو بیٹا کب تک روؤں گی رونے سے جانے والا واپس تو نہیں آ جائے گا۔ بلکہ اس کی روح کو تکلیف ہی ہوگی۔''

''بھابی وہ ساجدہ بھابی......'' ثریا نے آنسو پونچھتے ہوئے اس قدر کہا تھا کہ راحیلہ خاتون فوراً پوچھنے لگیں۔

''کون ساجدہ بھابی؟''

''وہ صبا کی تائی امی ان کا انتقال ہوگیا ہے۔'' ثریا نے بتایا تو راحیلہ خاتون اوہ کر کے رہ گئیں پھر گہری سانس کھینچ کر نگار سے مخاطب ہوئیں۔

''نگار جاؤ بہن اور پھپو کے لیے پانی لے آؤ۔''

''جی چلو صبا پہلے منہ ہاتھ دھولو اور پھپو پلیز آپ تو ایسے نہ کریں۔'' نگار نے ایک ساتھ دونوں کو مخاطب کر کے صبا کو اٹھایا تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر پھر پہلے اس نے نشا کا نمبر دو تین بار ٹرائی کیا آخر مایوس ہو کر کمرے سے نکل آئی راحیلہ خاتون غالباً ثریا کو لاؤنج سے لے آئی تھیں۔ ٹیبل پر اورنج جوس کا جگ اور گلاس رکھا تھا دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے اس کی نظریں گلاس وال سے باہر لان میں بھٹکتی ہوئی ایک منظر پر ٹھہر گئیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ چونکتی ضرور لیکن اس وقت اس کا ذہن کہیں اور تھا جب ہی دیکھتے ہوئے بھی جیسے نہیں دیکھ رہی تھی کہ نگار کس طرح آصف جاہ کے ساتھ اٹھلا اٹھلا کر باتیں کررہی تھی پھر آصف جاہ کے جانے کے بعد ہی نگار اس کے پاس آئی اور دھم سے اس کے برابر بیٹھی تب وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''ہاؤ، ہینڈسم۔'' نگار آصف جاہ کے سحر میں تھی وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھے گئی۔

''کون تھا وہ ہینڈسم؟'' اب نگار نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''ہینڈسم۔'' وہ اب بھی نہیں سمجھی۔

''ہاں کون ہے؟''

''کس کی بات کررہی ہو؟'' وہ قدرے الجھی۔

''ارے وہی جو ابھی لان میں کھڑا تھا آصف جاہ۔'' نگار نے نام لیا تب اسے ہلکا سا جھٹکا لگا۔

''آصف جاہ آیا تھا کیوں میرا مطلب ہے کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ فوراً سنبھلی۔

''تمہاری خیریت پوچھ رہا تھا اور یہ کہ اس نے کچھ پیپرز بنٹی کو دیے ہیں وہ تم سائن کردینا۔'' اس نے نگار کی پوری بات سن کر یونہی سر ہلا دیا۔

''ہے کون، جنید بھائی کا کوئی رشتہ دار ہے۔'' نگار کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے قصداً اختصار سے کام لیا۔

''کہاں رہتا ہے؟'' نگار بے چین تھی آصف جاہ کے بارے میں سب جان لینا چاہتی تھی۔

''پتا نہیں خان جنید تھے تو یہیں رہتا تھا ہمارے ساتھ اب پتا نہیں۔'' اس نے آخر میں کندھے اچکائے۔

''تم نے پوچھا نہیں۔''

''نہیں۔'' وہ اکتا کر اٹھنے لگی تھی کہ نگار نے سمجھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بادل ناخواستہ اس موضوع سے ہٹ کر کہنے لگی۔

''وہ صبا تم سے ایک بات کہنی تھی۔'' وہ کچھ نہیں بولی البتہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''وہ جاذب تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' نگار نے کوشش سے نارمل انداز اختیار کیا پھر بھی وہ الرٹ ہوگئی۔

''کس سلسلے میں؟'' اس کے اندر جیسے خان جنید کی روح سما گئی تھی خالص بزنس مین والا لہجہ تھا۔
''ظاہر ہے تم اتنے بڑے سانحے سے دوچار ہوئی ہو اور جازی تم سے ڈھنگ سے تعزیت بھی نہیں کر سکا سچ میں وہ بہت ڈسٹرب ہے شادی سے زیادہ تمہاری بیوگی اسے بہت رلاتی ہے ہر وقت تمہاری فکر......''
''اسے میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ نگار کی بات پوری ہونے سے پہلے بے اختیار بولی۔
''کیسے ضرورت نہیں...... تم اور کچھ نہ سہی اس کی کزن تو ہو اور یہ رشتہ تو ٹوٹنے والا نہیں۔'' نگار نے زور دے کر کہا تو اس نے ہونٹ بھینچ لیے کیونکہ اس کے اندر ابال اٹھنے لگا تھا اور یہ موقع نہیں تھا کہ وہ کچھ الٹا سیدھا بولے جب ہی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔



موبائل کی ٹون سے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ فوری طور پر سمجھ نہیں پائی کہ یہ کیسی آواز ہے پھر آواز کی سمت گردن موڑی تو سیل فون کی جلتی بجھتی اسکرین کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں بھی جھماکے ہونے لگے تھے۔
''مونی۔''
''تائی امی۔'' بند ہونٹوں کی بے آواز جنبش اور اگلے پل جھٹکے سے اٹھ کر اس نے سیل فون اٹھا لیا۔
''ہیلو۔'' اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔
''محسن سے بات کرا دیں پلیز۔ میں صبح سے اسے کال کر رہی ہوں لیکن وہ ریسیو ہی نہیں کر رہا اتنا بے مروت لگ تو نہیں رہا تھا۔'' ادھر سے کندن اپنی جون میں بولے چلی گئی۔ نشا نے پہلے سیل فون چیک کیا محسن کے سیل پر کال تھی پھر اچنبھے میں گھری پوچھنے لگی۔
''آ...... آپ...... کون......؟''
''میں کندن بات کر رہی ہوں اور تم یقیناً نشا ہو گی ہے نا'' وہ باتونی لڑکی ادھر کی صورت حال سے بے خبر مزے سے پوچھ رہی تھی۔
''جی میں نشا۔'' وہ الجھن آمیز حیرت سے دوچار ہوئی۔
''دیکھو میرا گیس کبھی غلط نہیں ہوتا۔ آپ پلیز محسن سے بات کرا دو۔ میں ذرا اس کی خبر لے لوں'' کندن نے کہا تو اس نے کمرے میں چاروں اور دیکھا پھر اسے ایک منٹ کہہ کر بھاگتے ہوئے احسن کے کمرے میں آئی۔
''احسن بھائی یہ...... محسن۔'' پھولی سانسوں کے ساتھ وہ اسی قدر کہہ پائی تھی احسن نے اس کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ لیا۔
''ہاں مونی، کہاں ہو یار۔'' احسن کی آواز میں بے تابی کے ساتھ جھنجلاہٹ بھی نمایاں تھی۔
''سوری میں مونی نہیں کندن ہوں آپ کون ہیں ایک منٹ میں گیس کرتی ہوں۔'' پتا نہیں وہ کب سنجیدہ ہوتی تھی۔
''شٹ اپ۔'' احسن چلائے۔ ''تم جو بھی ہو مونی کو کیسے جانتی ہو۔''
''یہ بات آپ آرام سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔'' کندن غالباً ان کے چلانے سے خائف ہوئی۔
''سوری۔'' وہ یک دم ڈھے گئے۔
''اٹس او کے۔'' کندن بڑی جلدی مان گئی۔
''ہاں اب پوچھیں کیا پوچھ رہے تھے۔''
''تم محسن کو کیسے جانتی ہو؟'' احسن نے اپنا سوال دہرایا تو وہ گہری سانس کھینچ کر بولی۔
''یا اللہ آپ تو ایسے انکوائری کر رہے ہیں جیسے محسن لڑکی اور میں لڑکا ہوں۔'' احسن نے ہونٹ بھینچ کر پہلے نشا پھر تانیہ کو دیکھا تو اس نے ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا اور انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کر کے کندن سے مخاطب ہوئی۔
''دیکھو میں محسن کی بھابی تانیہ بات کر رہی ہوں میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم محسن کو کیسے جانتی ہو بلکہ یہ بتاؤں گی کہ محسن کے جانے سے اس گھر پر کیسی قیامت ٹوٹی ہے۔''
''کیا مطلب؟'' کندن ٹھٹکی۔
''مطلب محسن کل رات گھر سے نکلا تھا اور ابھی تک واپس نہیں آیا صبح جب اس کی امی کو پتا چلا کہ وہ رات گھر میں نہیں تھا تو ان کا ہارٹ فیل ہو گیا۔ اس کے بعد باقی گھر والوں کی کنڈیشن تم سمجھ سکتی ہو۔'' تانیہ بہت ٹھہرے لہجے میں بول رہی تھی۔
''مائی گاڈ، ایم ویری سوری۔'' کندن کو واقعی دھچکا لگا۔

"اب اگر تم محسن کے بارے میں جانتی ہو تو پلیز بتاؤ وہ کہاں ہے۔" تانیہ کے لہجے میں آپ ہی آپ منت سمٹ آئی تھی احسن نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر سیل فون کا مائیک آن کر دیا پھر نشا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

"مجھے نہیں پتا میرا مطلب ہے۔" کندن ایک دم سنجیدہ ہوئی اور غالباً ادھر کی صورت حال کا اندازہ کر کے سنبھل کر بولنے لگی۔

"کل رات سے پہلے محسن کو جاننا تو دور کی بات میں نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا کل رات وہ سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا تھا خود سے بے گانہ، بہت ڈسٹرب لگ رہا تھا مجھے لگا جیسے وہ خودکشی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے وہاں سے ہٹنے کو کہا لیکن اس نے سنا ہی نہیں تب ہی اسے اپنی گاڑی میں گھر لے گئی۔ چائے پلائی زندگی کی اہمیت کا احساس دلایا اس کے بعد اسے گھر رخصت کیا تھا مجھے نہیں معلوم وہ گھر کیوں نہیں پہنچا آپ اس کے دوستوں سے پتا کریں شاید وہاں......" کندن خاموش ہوئی' تانیہ نے احسن اور نشا کو دیکھا۔ نشا سختی سے اپنے ہونٹوں پر ہاتھ جمائے ہچکیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اگر محسن تمہیں ملے یا تم سے رابطہ کرے تو پلیز......!" تانیہ نے کہا تو کندن فوراً بولی۔

"آپ بھی پلیز مجھے ضرور بتائیے گا۔"

"اوکے۔" تانیہ نے کال بند کی تو نشا جو ہچکیوں کا گلا گھونٹ رہی تھی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر آواز سے رونے لگی۔

"نشا یہ کیا حماقت ہے۔" احسن کی ڈانٹ کا الٹا اثر ہوا اور وہ شدت سے رونے لگی۔



محسن کو گئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا احسن نے اس کی تلاش میں سارا شہر چھان مارا تھا حتیٰ کہ اسپتالوں کے مردہ خانے تک دیکھ ڈالے تھے بس ایک اشتہار دینا باقی رہ گیا تھا۔ وہ جب گھر میں داخل ہوتے نشا بھاگ کر ان کے پاس آتی...... جلال احمد الگ آس بھری نظروں سے دیکھتے اور وہ مایوسی سے سر جھکائے اپنے کمرے میں چلے جاتے' گھر عجیب قبرستان لگنے لگا تھا۔ کسی کونے میں جائے پناہ نہیں تھی۔ ساجدہ بیگم کا جانا رضائے الٰہی سے مشروط تھا۔ جب ہی صبر آنا فطری بات تھی لیکن اس پر کیسے صبر کیا جاتا۔ نشا کسی بھٹکی روح کی مکمل تصویر بن گئی تھی۔ سارا دن چکراتی پھرتی کھڑکیوں دروازوں سے جھانکتی کہیں سے وہ آتا ہوا دکھائی دے یا کسی پل چپکے سے آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دے۔

"میں آ گیا نشا تمہاری محبت کھینچ لائی۔"

"ہاں......" وہ اپنے آپ چونکتی پھر اپنے آپ بولنے لگی۔

"تم کہتے تھے مونی محبت میں بڑی طاقت ہے مردوں کو زندہ کر دیتی ہے پھر میری محبت تمہیں کھینچ کیوں نہیں لاتی آ جاؤ نا، بس اب آ جاؤ، کتنا آزماؤ گے۔" اس وقت وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی سرگرشیوں میں باتیں کر رہی تھی کہ احسن آ کر اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"بس کرو نشا۔"

"ہاں......" وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"مت اس کا غم مناؤ، جس نے ہمارا خیال نہیں کیا ہم کیوں اس کے لیے مرے جا رہے ہیں۔ سمجھ لو امی کی طرح وہ بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔" یہ بات کہتے ہوئے احسن کا اپنا دل رویا تھا اور نشا وہ نہ صرف پوری قوت سے چیخی یک دم اٹھ کر باقاعدہ ان پر جھپٹ پڑی تھی۔

"نہیں......مونی نہیں مر سکتا۔ اس کے لیے ایسا سوچتے ہوئے آپ خود کیوں نہ مر گئے مونی نہیں مرے گا۔" وہ ان کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑتے ہوئے آپے میں نہیں رہی تھی۔

"نشا......نشا......!" احسن اسے قابو کر رہے تھے تب ہی چیخ و پکار سن کر تانیہ بھاگی چلی آئی اور اس سے پہلے کہ کچھ پوچھتی احسن نے زور دار طمانچہ نشا کے منہ پر دے مارا جس سے اس کا سارا زوم وہیں تھم گیا اور وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر بلکنے لگی تانیہ اپنی جگہ سن کھڑی رہ گئی۔

"ہاں نشا، مونی سے پہلے میں مر جاؤں گا۔" احسن کی آواز کا بوجھل پن دل چیرنے والا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔" تانیہ نے دل میں کہا پھر آگے بڑھ کر نشا کی کلائی تھام کر بولی۔

"نشا آؤ اندر چلو۔"

”ہاں اسے کمرے میں لے جاؤ۔“ احسن نے نشا کو خود سے الگ کیا تو وہ تانیہ سے کلائی چھڑا کر بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ جو بات احسن نے کہی تھی وہ خود اس نے نہیں سوچی تھی ہاں باقاعدہ نہیں سوچی تھی خیال آتا تھا تو وہ بری طرح سر جھٹکتی تھی یہ اسے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ محسن اس کے لیے کتنا اہم ہے اور اس کی محبت نے یوں دل میں آگ لگائی تھی کہ وہ رانجھا رانجھا کردی میں آپے ہی رانجھا ہوگئی کہ تفسیر بن گئی تھی۔ وہ نیند میں بھی مونی مونی پکارتی تھی۔ اس وقت روتے روتے اس کی آنکھیں بند ہوئے جا رہی تھیں کہ موبائل کی بزر سے اس کے دماغ پر جیسے کاری ضرب پڑی تھی جھٹکے سے اٹھ کر موبائل کان سے لگایا۔

”مونی۔“

”صبا بات کر رہی ہوں کیسی ہو۔“ صبا نے بتا کر پوچھا تو وہ ٹوٹ گئی۔

”ارے تم رو رہی ہو۔“ صبا پریشان ہوئی اور اپنے حساب سے اسے تسلی دینے لگی۔

”صبر کرو نشا۔ رونے سے مرنے والوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ تائی امی نے یقیناً تمہیں ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی، تم ان کے لیے دعا کرو۔“

”ہاں۔“ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی کیونکہ اس نے صبا کو محسن کا نہیں بتایا تھا کہ وہ کہیں چلا گیا ہے۔

”میں اور امی تمہارے لیے بہت فکرمند رہتی ہیں میری عدت ختم ہونے والی ہے پھر میں تمہارے پاس آؤں گی لیکن تم تو آسکتی ہو، ایسا کرو کچھ دنوں کے لیے میرے پاس آجاؤ۔“ صبا نے کہا تو وہ پریشان ہوئی۔

”میں...... میں کیسے آسکتی ہوں مونی، میرا مطلب ہے تائی امی بھی نہیں ہیں۔“

”تو پلیز خود کو سنبھالو، اس طرح روتی رہو گی تو کیسے ہوگا۔“

”مم...... میں ٹھیک ہوں صبا امی کیسی ہیں۔“ اس نے اپنی طرف سے دھیان ہٹانا چاہا لیکن پھر وہی بات۔

”امی تمہاری طرف سے پریشان رہتی ہیں۔“

”نہیں ان سے کہو پریشان نہ ہوں میں ٹھیک ہوں۔“

”یہ تسلی امی کو دے سکتی ہو لیکن میں خود کیا کروں۔“ صبا نے کہا تو وہ جزبز ہو کر بولی۔

”تم بھی پریشان مت ہو میں آؤں گی تمہارے پاس۔“

”اچھی بات ہے اپنا خیال رکھنا۔“

”اللہ حافظ۔“ وہ سیل فون رکھ کر پلٹی تو پھر محسن کا خیال آ گیا تھا۔



مریم ریان کی محبت میں اتنی دور نکل گئی تھی کہ اب واپسی کا تصور بھی محال تھا اور ریان بھی کوئی فلرٹ لڑکا نہیں تھا اس نے پوری ایمان داری سے مریم کی طرف پیش رفت کی تھی اور اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اب وہ اسے اپنانا چاہتا تھا۔ لیکن ادھر مریم اپنی خاندانی پریشانیوں میں الجھی ہوئی تھی ساجدہ بیگم کا انتقال پھر محسن کا لاپتا ہونا جس کی وجہ سے سب لوگ لپیٹ میں آئے ہوئے تھے ایسے میں وہ کیسے گھر میں ریان کا ذکر کرسکتی تھی اور یہی وہ اسے سمجھا رہی تھی۔

”ریان تھوڑا وقت گزرنے دو سب نارمل ہوجائیں پھر میں بات کرسکوں گی۔“

”وہ تو ٹھیک ہے یار لیکن میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرا دل چاہتا ہے میں گھر آؤں تو کوئی میرا منتظر ہو اکیلے رہتے رہتے میں تھک گیا ہوں۔“ وہ اپنی جگہ مجبور تھا۔

”پھر میں کیا کروں، مونی بھائی بھی پتا نہیں کہاں چلے گئے ان کا معاملہ نہ ہوتا تو میں نشا کے ذریعے پاپا تک بات پہنچا دیتی۔“ مریم جیسے اپنے آپ سے بول رہی تھی۔

”مونی۔“ ریان اسے دیکھنے لگا۔ ”یہ مونی کون ہے اور کہاں چلا گیا ہے۔“

”مونی بھائی میرے کزن ہیں اور بغیر بتائے پتا نہیں کہاں چلے گئے ہیں سب لوگ ان کی وجہ سے پریشان ہیں ان کی امی تو بے چاری ان کے جانے کا سن کر انتقال کر گئیں۔“ اس نے بتایا تو ریان افسوس سے بولا۔

''اوہ ویری سیڈ۔'' پھر پوچھنے لگا۔ ''لڑ جھگڑ کر گئے ہیں کیا۔''
''نہیں وہ بے چارے کہاں کسی سے لڑ سکتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں محسن کے لیے عجیب سا دکھ تھا پھر ایک دم خیال آنے پر کہنے لگی۔
''ہاں میں صبا آپی سے بات کر سکتی ہوں۔''
''یہ صبا آپی؟''
''میری بڑی بہن ہیں ان کے ساتھ بھی ٹریجڈی ہو گئی ہے۔'' اس نے بتایا تو ریان نے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے۔
''کیا ہوا؟'' وہ سمجھی نہیں۔
''بس کر دو، کہیں میرے ساتھ نہ ٹریجڈی ہو جائے۔''
''تم بہت برے ہو۔'' اس نے منہ پھلا لیا۔
''اب جیسا بھی ہوں یہ بتاؤ صبا آپی سے کب بات کرو گی بلکہ ایسا کرو مجھے ان سے ملوا دو۔'' ریان نے کہا تو وہ پرسوچ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
''کچھ غلط نہیں کہا میں نے۔'' ریان کے پوچھنے پر وہ چونک کر بولی۔
''نہیں، میں پہلے صبا آپی سے بات کر لوں پھر اگر وہ کہیں گی تو تمہیں ملوا دوں گی ٹھیک......!''
''ٹھیک، اب یہ بھی بتا دو کب بات کرو گی ان سے۔'' وہ جلد باز نہیں تھا لیکن اب اس معاملے کو طول بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔
''ابھی پہلے میں ان ہی کے پاس جاؤں گی۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''پھر مجھ سے کب ملو گی۔''
''ریان میرا خیال ہے ہم روز ملتے ہیں۔'' وہ اب خاصی پراعتماد ہو گئی تھی اور اس میں یقیناً ریان کا کمال تھا۔
''اچھا'' وہ انجان بنا۔
''اوکے بائے۔'' وہ اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔
گو کہ صبا کے ساتھ اس کی زیادہ بات چیت نہیں تھی خان جنید کے انتقال پر ہی وہ اس کے ہاں گئی تھی اور اس کے بعد ایک بار لبنیٰ کے ساتھ تو بس رسمی باتیں ہی ہوئی تھیں۔ اس لیے تمام راستہ وہ خود کو صبا سے بات کرنے کے لیے تیار کرتی رہی تھی۔ بہر حال اس کی توقع سے بڑھ کر صبا نے اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اسے گلے لگا کر پیار کیا پھر ثریا سے اس کا تعارف کرایا۔
''امی یہ ہماری چھوٹی بہن ہے مریم۔''
''ماشاء اللہ۔'' ثریا نے اسے گلے لگایا پھر اپنے پاس بٹھا لیا۔
''میں بہت دنوں سے آپ کے پاس آنا چاہ رہی تھی۔'' اس نے صبا کو دیکھ کر کہا۔
''تو آ جایا کرو نا کسی نے منع کیا ہے کیا؟''
''نہیں منع تو نہیں کیا بس میں سوچتی تھی پتا نہیں آپ کو میرا آنا اچھا لگے گا کہ نہیں۔''
''تم روز آؤ مجھے اچھا لگے گا۔'' صبا کے اپنائیت بھرے انداز نے اس کا حوصلہ بڑھایا۔
''ابھی تو مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' مریم نے کہتے ہوئے کنکھیوں سے ثریا کو دیکھا تو صبا سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''آؤ ادھر ڈائننگ روم میں چلتے ہیں، ساتھ ساتھ میں تمہاری خاطر تواضع بھی کر لوں گی۔''
''جی۔'' مریم نے تکلفاً بھی منع نہیں کیا اور اٹھ کر صبا کے ساتھ ڈائننگ روم میں آ گئی تو صبا نے کیک اور فریش جوس اس کے سامنے رکھا پھر چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔
''ابو کیسے ہیں؟''
''جی ٹھیک ہیں۔''
''تائی امی کا بہت افسوس ہوا، اچانک چلی گئیں یا بیمار وغیرہ تھیں؟'' صبا فارمیلٹی نہیں نبھا رہی تھی اسے واقعی ساجدہ بیگم کا دکھ تھا۔
''نہیں بیمار تو نہیں تھیں، مجھے لگتا ہے مونی بھائی کی وجہ سے اچانک......'' مریم نے بتایا تو صبا ایک دم اسے دیکھنے لگی۔
''مونی......مونی کی وجہ سے......مطلب؟''

''آپ کو نہیں پتا؟'' مریم کی ازلی سادگی عود کر آئی تھی۔
''نہیں کیا ہوا؟'' صبا ٹھٹکنے کے ساتھ ساتھ اندر سے خائف بھی ہوگئی تھی اسے نشا کا بے تحاشا رونا یاد آنے لگا۔
''بتاؤ مریم کیا ہوا؟'' اس نے مریم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا جو شش و پنج میں تھی۔
''نشاء نے آپ کو نہیں بتایا صبا آپی!''
''نہیں تم بتاؤ۔'' اس نے مریم کے ہاتھ پر دباؤ ڈالا تب وہ رک کر بولی۔
''وہ مونی بھائی کہیں چلے گئے ہیں' کسی کو بھی نہیں بتایا۔ پتا نہیں کہاں چلے گئے' سب ان کے لیے بہت پریشان ہیں اور نشاء......''
''ہاں نشاء......''
''نشاء کا رو رو کر بُرا حال ہے' تایا ابو الگ بستر سے لگ گئے ہیں۔''
''یا اللہ......'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا یہ سب کیا ہو رہا ہے اور نشاء نے اتنی بڑی بات اسے کیوں نہیں بتائی۔
''میں نے آپ کو پریشان کر دیا صبا آپی!'' مریم گلٹی فیل کرنے لگی۔ اس نے چونک کر مریم کو دیکھا اور مسکرانے کی کوشش میں ناکام ہو کر بولی۔
''پریشانی کی بات تو ہے لیکن یہ مت سوچو کہ تم نے مجھے پریشان کیا۔ تم نہ بتاتیں کوئی اور بتا دیتا۔'' مریم نے سر جھکا لیا تب اچانک خیال آنے پر صبا پوچھنے لگی۔
''تمہیں یہی ضروری بات کرنی تھی یا کوئی اور بات؟''
''جی یہی بات تھی۔'' مریم کو لگا اس وقت ریان کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔



صبا نشاء کی پریشانی اور دکھ دل پر محسوس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے نشاء پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ اس نے محسن کے جانے کا اسے کیوں نہیں بتایا اگر امی کا خیال تھا تو منع کر سکتی تھی کہ امی تک بات نہ پہنچے اسے بتانے میں قباحت تھی۔ ابھی بھی اس نے ثریا کو نہیں بتایا تھا اپنے آپ پریشان ہو رہی تھی اور اپنے آپ قیاس کرتی رہتی کہ محسن کے جانے کی کیا وجہ ہوگی اور وہ کہاں گیا ہوگا۔ دن میں کتنی بار سیل فون اٹھاتی کہ نشاء کو کال کر کے پوچھے لیکن پھر سیل فون پٹخ دیتی کہ جب اس نے نہیں بتایا تو وہ کیوں پوچھے بہرحال ذہنی طور پر وہ بہ اپ سیٹ ہوگئی تھی۔ بس نہیں چل رہا تھا عدت کے بقیہ جو دو چار دن رہ گئے تھے انہیں سمیٹ لے۔
ادھر ثریا بھی دن گن رہی تھی کہ صبا کی عدت ختم ہو تو وہ اپنے گھر جائے گو کہ یہاں ایسا کوئی معاملہ نہیں تھا کہ صبا کے سسرال والے اس کے یہاں رہنے پر باتیں بناتے ہوں گے۔ ایک صرف بنٹی تھا وہ بھی ثریا سے اتنا مانوس ہو گیا تھا اور چاہتا تھا کہ وہ یہیں رہے لیکن ثریا کا دل نہیں مانتا تھا اور اس کی کئی وجوہ تھیں۔ ایک تو وہ بیٹی کے گھر میں نہیں رہنا چاہتی تھی دوسرے اسے راحیلہ خاتون کا ہر دوسرے تیسرے روز یہاں آنا کھلتا تھا کیونکہ وہ کوئی ایسی بات ضرور کر جاتی تھیں جس سے ثریا ہرٹ اور صبا کا دکھ تازہ ہو جاتا تھا اور سب سے بڑی وجہ نشاء تھی جو یہاں اس طرح نہیں آ سکتی تھی جیسے لڑکیاں ماں کے گھر جاتی ہیں۔ یہاں وہ چند گھنٹوں کے لیے ہی آتی جس سے ثریا کا دل نہیں بھرتا تھا اور ادھر ساجدہ بیگم کے انتقال کے بعد تو وہ آئی ہی نہیں تھی اور گو کہ ثریا نہیں جانتی تھی کہ ساجدہ بیگم کے انتقال کے علاوہ اور کیا کچھ نشاء پر بیت رہی تھی لیکن ماں تھیں بیٹھے بیٹھے گھبرا جاتیں' دل میں ہوک سی اٹھتی تو ایک دم نشاء کی طرف دھیان جاتا۔ اسے فون کرتیں تو ادھر وہ مختصر بات کر کے کوئی بہانا کر دیتی۔
تایا ابو بلا رہے ہیں یا کوئی اور کام......اور یہاں بھی ثریا تشنہ رہ جاتی۔ اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا نشاء نے ان کی خیریت پوچھ کر کہہ دیا کہ وہ پھر کال کرے گی۔ ثریا سیل فون کو دیکھے جا رہی تھیں جس کی اسکرین آف ہو چکی تھی۔
''کیا ہوا امی؟'' صبا کھانے کا کہنے آئی تھی اسے گم صم دیکھ کر ٹھٹکی۔ ''کس کا فون تھا؟''
''ہیں......؟'' ثریا چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
''کس کا فون تھا؟'' صبا نے پھر پوچھا۔
''کسی کا نہیں۔ میں نے نشاء کو کیا تھا۔'' ثریا نے بتایا تو صبا ان کے ہاتھ سے سیل فون لیتے ہوئے بولی۔
''اچھا......ٹھیک ہے نشاء؟''

''نہیں؟'' ثریا کے منہ سے بے اختیار نکلا اور ایسے ہی صبا چونکی۔
''کیا ہوا ہے اسے؟''
''پتا نہیں بیٹا! یہی تو سمجھ نہیں آ رہی' کچھ ہوا ضرور ہے۔ نشاء چھپاتی ہے' بات ہی نہیں کرتی اور دیکھو کتنے دن ہو گئے ادھر آئی بھی نہیں' پتا نہیں کیا بات ہے۔'' ثریا کا حد درجہ متوحش چہرہ دیکھ کر صبا اسے تسلی دینے لگی۔
''کوئی بات نہیں ہے امی! اصل میں تائی امی کے بعد تایا ابو کو اب اسے ہی دیکھنا ہوتا ہے۔''
''تم سے بات کرتی ہے؟''
''جی بہت مختصر' کہہ رہی تھی۔ تایا ابو کی طبیعت ٹھیک ہو جائے پھر آئے گی اور وہ آئے نہ آئے۔ دو چار دن میں میری عدت ختم ہو جائے گی پھر میں خود جاؤں گی اس کے پاس۔'' صبا کوشش سے نارمل انداز میں بول رہی تھی۔
''صرف جانا نہیں اسے لے بھی آنا۔'' ثریا نے فوراً کہا۔
''جی بالکل لے آؤں گی۔ کان سے پکڑ کر لاؤں گی' اب چلیں کھانا کھا لیں۔'' صبا نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانا چاہا تو ثریا اس کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر کے کہنے لگی۔
''سنو' مجھے لگتا ہے نشاء کے سسرال والے اس کا یہاں آنا پسند نہیں کرتے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گی' کچھ دن میرے پاس رہے گی۔''
''تو آپ نے جانے کا فیصلہ کر لیا؟''
''ہاں بس بہت رہ لیا تمہارے ساتھ' اب میں اپنی نشاء کے ساتھ رہوں گی۔'' ثریا کا دل اس وقت نشاء میں اٹکا تھا۔
''جواب نہیں آپ کا' چلیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' صبا نے ہنستے ہوئے انہیں اٹھایا۔



اس گھر کی اب کوئی روٹین نہیں تھی' احسن ہسپتال جانے سے پہلے جتنا کر سکتے تھے کرتے یعنی جلال احمد کو ناشتا کراتے دوا دیتے اس کے بعد جب خود تانیہ کے ساتھ ناشتا کرنے لگتے تو زبردستی نشا کو بھی کھینچ لے آتے' نشاء ہر نوالے پر نہ نہ کرتی لیکن وہ اسے کھانے پر مجبور کرتے۔ ساتھ ساتھ اسے بہلاتے بھی جاتے کہ محسن جہاں ہوگا ٹھیک ہوگا اور دیکھنا کچھ دنوں میں خود ہی آ جائے گا۔
ایسے میں تانیہ کہیں پس منظر میں چلی جاتی تھی اور گو کہ تانیہ تنگ نظر نہیں تھی۔ حالات سمجھ رہی تھی پھر نشاء کی پوزیشن بھی اس پر واضح تھی لیکن مستقل قدم قدم پر اپنا نظر انداز ہونا اسے کھلنے لگا تھا۔ ہر وہ لمحہ جو اس کی زندگی کا یادگار لمحہ ہو سکتا تھا اس پر نشاء قابض تھی۔ اولین شب سے لے کر اب تک...... ہسپتال سے واپسی پر گو کہ تانیہ احسن کے ساتھ ہوتی تھی پھر بھی اسے ناگوار گزرتا کہ احسن اسے کمرے میں جانے کا کہہ کر خود پہلے نشاء کی خبر لیتے۔
وہ جانتے تھے نشاء نے کچھ کھایا پیا نہیں ہوگا اور ایسا ہی ہوتا۔ خانساماں جلال احمد کو تو کھلا دیتا تھا لیکن نشاء کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تھا اور وہ احسن کرتے۔ تانیہ نے پہلے طریقے سے احسن کو باز رکھنے کی کوشش کی کہ اس طرح تو نشاء کبھی نہیں سنبھلے گی۔ بہتر ہے اسے کچھ دنوں کے لیے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ آخر کب تک نہیں کھائے گی' بھوک ستائے گی تو خود ہی کھائے پیے گی۔
اس کی بات ٹھیک تھی لیکن احسن چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکے تب تانیہ کا ضبط جواب دے گیا۔ اس نے پھر احسن سے تو کچھ نہیں کہا' اس روز سر درد کا بہانہ کر کے ہسپتال جانا گول کر دیا اور جب احسن چلے گئے تب نشاء کے پاس آ بیٹھی اور کچھ دیر اس کی مصروفیت دیکھتی رہی۔ نشاء کبھی دراز کھولتی کبھی الماری' کبھی سیل فون چیک کرنے لگتی۔ بحیثیت ڈاکٹر تانیہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے پھر بھی اس وقت وہ کٹھور بن گئی تھی۔
''نشاء یہاں بیٹھو' مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' نشاء نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر کسی روبوٹ کی طرح چلتی اس کے سامنے آ بیٹھی۔
''تمہیں یاد ہے نشاء! میں نے تم سے رازداری کی شرط پر ایک بات کہی تھی۔'' تانیہ نے کہا تو نشاء کی آنکھوں میں سوچ اتر آئی تھی۔
''میں یاد دلاتی ہوں۔'' تانیہ غالباً کسوٹی کھیلنے کے موڈ میں نہیں تھی جب ہی کہنے لگی۔ ''بہت پرانی بات ہے میں نے کہا تھا میں احسن کو پسند کرتی ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں اور اس بات پر تم اسے راضی کرو' یاد آیا۔''

''ہم......جی!'' نشاء نے اثبات میں سر ہلایا۔
''گڈ۔''
''لیکن تانیہ بھابی! احسن بھائی تو خود آپ سے......'' نشاء پھر صفائی دینے لگی تھی کہ تانیہ بول پڑی۔
''ہاں وہ الگ بات ہے کہ میں سمجھ نہ سکی' خیر ابھی مجھے ایک اور بات کہنی ہے۔''
''جی۔'' نشاء نے کوشش سے اپنا پورا دھیان اس کی طرف منتقل کیا۔
''اس میں بھی رازداری شرط ہے۔'' تانیہ نے کہا تو وہ چونک کر بولی۔
''آپ بے فکر رہیں۔'' تانیہ کچھ دیر اسے جانچتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔
''ایسا ہے نشاء کہ تمہاری وجہ سے میری لائف ڈسٹرب ہو رہی ہے گو کہ تم جان بوجھ کر کچھ نہیں کر رہیں لیکن انجانے میں جو بھی ہو رہا ہے وہ میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔'' تانیہ کے پہلے جملے سے ہی نشاء سناٹے میں آ گئی تھی اس کے بعد سن تو رہی تھی لیکن بولنے سے قاصر تھی۔
''اس لیے میں تم سے یہی کہوں گی نشاء کہ تم یہاں سے چلی جاؤ یوں بھی محسن کے بعد تمہارا یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ میری بات سمجھ رہی ہو ناں۔'' تانیہ نے اس کی ویران آنکھوں میں دیکھ کر تصدیق چاہی اور اس کے حواس ساتھ دیتے تو وہ تصدیق یا تردید کرتی۔ آنکھیں تک پتھرا گئی تھیں تب تانیہ جیسے اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔
''میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں ہوں نشاء! پھر بھی کچھ خواب ہر انسان کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں۔ اب دیکھو ناں اپنی شادی کی اولین شب جس لمحے کا میں نے برسوں انتظار کیا کہ احسن میری انگلی میں انگوٹھی ڈالتے اپنی محبت کا اظہار کریں گے عین اسی لمحے تم نے دروازے پر زوردار دستک کے ساتھ چیخ کر احسن کو پکار لیا تھا۔ اس کے بعد تم خود سوچو جب بھی کوئی ایسا موقع آیا احسن مجھے چھوڑ کر تمہاری طرف بھاگے چلے گئے۔'' قدرے رک کر پھر گویا ہوئی۔
''میں تمہیں قصوار نہیں ٹھہرا رہی نشاء بلکہ قصوروار تو کوئی بھی نہیں ہے شاید میری قسمت میں کوئی خوب صورت لمحہ رقم ہی نہیں کیا گیا لیکن میں قسمت پر شاکی ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اس لیے میں نے سوچا ہے کہ اگر تم درمیان سے ہٹ جاؤ تو......'' تانیہ خاموش ہو گئی پھر گم صم بیٹھی نشاء کے ہاتھ تھپک کر کمرے سے نکل گئی۔



تانیہ کے جانے کے بعد بھی نشاء کتنی دیر تک یونہی گم صم اور بے حس و حرکت بیٹھی رہی تھی۔ اس کے بعد بھی اس کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی البتہ ذہن میں تانیہ کی باتیں نئے سرے سے گونجنے لگی تھیں۔
''تمہاری وجہ سے میری زندگی ڈسٹرب ہو رہی ہے......تم یہاں سے چلی جاؤ...... محسن کے بعد تمہارا یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا......محسن کے بعد......'' اس کے ذہن میں تکرار شروع ہو گئی تو وہ جیسے خواب میں چلتی ہوئی جلال احمد کے کمرے میں آ گئی اور ذہن میں جو آخری بات چل رہی تھی زبان پر آ گئی۔
''محسن کے بعد میرا یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔''
''نشاء!'' جلال احمد لیٹے سے اٹھ بیٹھے۔ ''یہ کیا کہہ رہی ہو بیٹا!''
''تایا ابو!'' وہ ایک دم بھاگ کر ان کے سینے میں چھپنے لگی۔ سارے بند یکلخت ٹوٹ گئے تھے' یہاں وہاں ہر طرف سیلاب ہی سیلاب تھا۔
''میرے بچے! محسن آ جائے گا۔'' جلال احمد کی اپنی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''اور یہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ محسن کے یا میرے بعد تمہارا یہاں رہنے کا جواز نہیں بنتا۔ تم محسن کے ساتھ یہاں نہیں آئی تھیں بیٹا! تم تو شروع سے یہیں ہو اور کوئی رہے نہ رہے تمہیں یہیں رہنا ہے۔''
''نہیں تایا ابو!'' وہ اس طرح ٹوٹ کر کبھی نہیں روئی تھی۔
''کیسے نہیں' تم بہو بعد میں پہلے اس گھر کی بیٹی ہو۔''
''تو بیٹیاں! کب سدا ماں باپ کے گھر رہتی ہیں' مجھے بھی رخصت کریں تایا ابو میں امی کے پاس جاؤں گی۔'' اس نے کہا تو جلال احمد اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھنے لگے۔

''کیا تم محسن کی طرف سے مایوس ہوگئی ہو؟''

''نہیں۔'' وہ تڑپ اٹھی۔ ''نہیں تایا ابو! میں جس دن مایوس ہوئی وہ میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

جلال احمد کو اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا تو اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ بے آواز آنسو موتیوں کی صورت اس کے بالوں پر گر رہے تھے۔

''مجھے جانے دیں تایا ابو! محسن آجائیں پھر میں بھی آجاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جلال احمد آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکنے لگے تب ہی ملازمہ آ کر بولی۔

''بڑے صاحب! نشاء بی بی کی بہن آئی ہیں۔ میں نے انہیں نشاء بی بی کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔''

''صبا......'' نشاء کے ہونٹوں نے بے آواز جنبش کی پھر وہ جھٹکے سے اٹھی۔

''صبا ہوگی تایا ابو!'' جلال احمد اثبات میں سر ہلایا گویا اسے جانے کا اشارہ بھی تھا۔ وہ ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑتے ہوئے تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آئی اور صبا سے لپٹ کر وہ پھر رونے لگی۔

''ارے اگر اتنی ہی میرے لیے اداس تھیں تو آ نہیں سکتی تھیں۔'' صبا نے کوشش سے ہلکا پھلکا انداز اختیار کیا کیونکہ وہ اس کی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

''صبا! میں مر جاؤں گی۔'' وہ روتے ہوئے بے اختیار ہوئی۔

''مریں تمہارے دشمن۔'' صبا نے کہہ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا پھر نرمی سے پوچھنے لگی۔ ''کیا ہوا ہے' باقی سب لوگ کہاں ہیں؟''

''تایا ابو! اپنے کمرے میں ہیں اور......'' وہ خاموش ہوگئی تو صبا نے قصداً ٹوکا نہیں۔

''چلو پہلے مجھے تایا ابو کے پاس لے چلو۔ تائی امی کے افسوس کے ساتھ میں ان کی عیادت بھی کرلوں۔''

''ہاں چلو۔'' وہ خود اپنی حالت بہتر کرنا چاہتی تھی جب ہی فوراً صبا کو جلال احمد کے کمرے میں لے آئی۔

''تایا ابو! صبا آئی ہے۔''

''السلام علیکم! تایا ابو!'' سلام کے ساتھ بڑھ کر ان کے سینے سے لگ گئی تو وہ الٹے پیروں واپس اپنے کمرے میں آگئی اور پہلے شاور لیا پھر کچن میں آ کر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات رکھنے میں اس نے قصداً دیر لگائی یہ سوچ کر کہ صبا پہلی بار اپنے خونی رشتے سے باقاعدہ مل رہی ہے تو جی بھر کر باتیں کرلے پھر وہ اس خیال سے بھی خائف تھی کہ جلال احمد صبا کو محسن کے بارے میں بھی بتائیں گے تو فوراً وہ صبا سے نظریں نہیں ملا پائے گی۔ اس لیے خاصی تاخیر سے وہ چائے کے ساتھ جلال احمد کے کمرے میں آئی تو تکلیف دہ باتوں کے بعد اب ماحول کافی سازگار تھا۔ صبا جلال احمد کو واک کے ساتھ ہلکی پھلکی ایکسرسائز کا مشورہ دے رہی تھی۔

''اور تایا ابو آپ کو اپنی ڈائٹ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔'' صبا کی آخری بات پر وہ ہنس کر کہنے لگے۔

''بیٹا! میرے گھر میں ایک نہیں دو ڈاکٹر موجود ہیں اور ان سے بہتر میری ڈائٹ کا خیال اور کون کرسکتا ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' صبا نے تائید کی تو وہ ٹرالی اس کے سامنے دھکیل کر بولی۔

''ابھی تو تم تایا ابو کو یہ سب کھلاؤ اور خود بھی کھاؤ۔''

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' صبا نے اس کا ارادہ بھانپ کر فوراً پوچھا تو وہ جلال احمد کو دیکھ کر بولی۔

''تایا ابو! بس امی کے ہاں چلی جاؤں ناں۔''

''ہاں تایا ابو! امی بہت یاد کر رہی ہیں اسے۔'' صبا بھی بول پڑی تو جلال احمد نے اس خیال سے اجازت دے دی کہ اس کا دھیان بٹ جائے گا۔

پھر اس نے یہ سوچ کر کہ جانے اسے کتنے دن امی کے ہاں رہنا پڑے اپنی ضرورت کی کافی چیزیں دو بیگوں میں بھر لی تھیں۔ اس کے بعد تانیہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا وہ بیڈ پر نیم دراز ٹی وی دیکھ رہی تھی' دروازہ کھلنے کی آواز پر نظروں کا زاویہ بدل کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں جا رہی ہوں تانیہ بھابی! مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے......''

''بس جو ہوگیا سو ہوگیا۔'' تانیہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔ ''ہاں اگر تمہیں میری کوئی بات بُری لگی ہو تو......''

''نہیں بھابی! مجھے آپ کی کوئی بات بری نہیں لگی' اللہ حافظ۔'' وہ جلدی سے دروازہ کھینچ کر باہر نکل آئی۔ اب اسے صبا کا سامنا تھا جس نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''امی تمہارے گھر ہیں؟'' اس نے بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔

''نہیں' اپنے گھر۔'' صبا کا چہرہ اور لہجہ بھی بے تاثر تھا۔

''پھر تو ہم وہیں جائیں گے۔''

''ہاں ظاہر ہے میں اس قابل کہاں کہ تم مجھے میزبانی کا شرف بخش سکو۔'' صبا کا طنز محسوس کر کے وہ جزبز ہوئی پھر خود ہی کہنے لگی۔

''اصل میں صبا تم خود ایک بڑے سانحہ سے گزری ہو اس لیے میں محسن کا بتا کر تمہیں مزید پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی پھر امی کو تو بالکل پتا نہیں چلنا چاہیے۔'' آخر میں اس کے لہجے میں عاجزی سمٹ آئی تھی' صبا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور مزید ناراضگی کا ارادہ ترک کر دیا۔

''کیا کہو گی امی سے؟''

''تم بتاؤ۔'' اس کی بے بسی پر صبا کو بے پناہ ترس آیا' گود میں رکھے اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ کر بولی۔

''کہہ دینا محسن باہر گیا ہے۔''

''دعا کرو صبا! مونی جہاں بھی ہو خیریت سے ہو اور جلدی واپس آجائے۔'' وہ آزردگی میں گھر گئی۔

''ان شاء اللہ آجائے گا اور تم دیکھو امی کے سامنے رونا دھونا نہیں وہ پریشان ہو جائیں گی۔'' صبا نے گاڑی پارک کر کے اسے دیکھا پھر کہنے لگی۔ ''مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں لیکن یہاں امی کے سامنے نہیں ہو سکیں گی میں پھر آؤں گی تو ہم کہیں باہر چلیں گے' ٹھیک۔''

''ابھی تم امی سے نہیں ملو گی؟''

''ملوں گی لیکن زیادہ دیر نہیں رکوں گی' چلو۔'' صبا نے کہہ کر اپنی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ بھی اتر گئی۔ پھر دونوں ایک ایک بیگ اٹھا کر چل پڑیں۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ خود پر کافی قابو پا چکی تھی پھر بھی امی کے گلے لگتے ہی اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

''بس اب ماں بیٹی اموشنل ہونے کی کوشش نہ کریں۔'' صبا نے بروقت ماحول کو ڈرامائی شکل دے دی تھی۔ باقاعدہ فلمی ڈائیلاگ بولنا شروع کر دیئے تو اسے گھورتے گھورتے ثریا ہنس پڑی تھی۔

(جاری ہے)

# تیرے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

آصف جاہ ساڑھے چار مہینے بعد اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ جو اول روز ہی اس کی نظروں میں سما گئی تھی اور اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ بس دل جہاں بے اختیار ہو جائے پھر لاکھ تاویلیں گھڑلو مانتا ہی نہیں۔ وہ بھی خود کو سرزنش کرتا تھا لیکن جہاں وہ سامنے آتی سب دھرا رہ جاتا اور وہ کوئی ایسی بات کر جاتا جس سے وہ اسے سوچنے پر مجبور ہو جائے حالانکہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ اسے زیب نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ محض ایک لڑکی نہیں تھی۔ اس کے محسن خان جنید کی بیوی اور اب بیوہ تھی۔ بیوی سے بیوہ تک کا سفر کتنا مختصر تھا وہ سوچ کر دہل جاتا تھا۔ ایسا تو اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اپنے بے نام جذبوں سے بے شک وہ دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا لیکن وہ خوش رہے آباد رہے۔ اسے خان جنید کے جانے کا بہت دکھ تھا۔ وہ اس کے سرپرست تھے اور انہوں نے کبھی اسے غیریت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ محبت کے ساتھ اپنی اولاد سے بڑھ کر اس پر اعتماد کیا تھا۔ بزنس میں وہی ان کے ساتھ تھا اور خان جنید وصیت میں اسے ہی اپنی بیوہ اور بنٹی کا کیئر ٹیکر بنا گئے تھے۔ ایک طرح سے اس پر بڑی ذمہ داری آ گئی تھی بہرحال جب تک صاعدت میں رہی وہ گھر کے اندر نہیں آیا تھا۔ کوئی آفیشل بات یا وکیل کی طرف سے کوئی بات ہوتی تو وہ بنٹی کے ذریعے کہلوا دیتا تھا اور ابھی بھی وہ پہلے کی طرح بلا جھجک اندر نہیں چلا آیا تھا اس نے ملازم کے ذریعے صبا کو اپنی آنے کی اطلاع دی تھی اور اس کی اجازت ملنے پر ہی اندر آیا تھا۔ ساڑھے چار مہینے کوئی اتنے زیادہ نہیں ہوتے لیکن جیسے چار صدیاں بیت گئی تھیں ہاں وہ اتنے ہی فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔

''کیا بات ہے......؟'' کس قدر نپا تلا انداز تھا۔ پیشانی پر ہلکی سی لکیر آصف جاہ کو باور کرا رہی تھی کہ یہ حد کراس کرنے کی اجازت نہیں اور حیرت انگیز طور پر وہ مرعوب ہو گیا تھا۔

''جی وہ آپ کے لیگل ایڈوائزر عبدالرحمٰن صاحب نے بتایا ہے کہ خان صاحب کے صاحب زادے خان جمشید ان کی وصیت کو غلط قرار دے رہے ہیں اور وہ اس سلسلے میں سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔'' اس نے بتایا تو وہ سابقہ انداز میں بولی تھی۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ عبدالرحمٰن صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر آپ اجازت دیں تو خان جمشید کو اس بات کا قانونی جواب دیا جائے۔''

''ہوں......'' وہ سوچ میں پڑ گئی پھر سر جھٹکتے ہوئے اسے دیکھ کر کہنے لگی۔

''ایسا ہے کہ آصف جاہ یہ کورٹ کچہری کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ عبدالرحمٰن صاحب سے کہو جیسا وہ مناسب سمجھیں یا تم بتاؤ۔''

''میں......'' آصف جاہ نے بے اختیار اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں کیوں......خان صاحب کے ساتھ رہ کر میرا خیال ہے کہ اتنی سمجھ بوجھ تو ہو گی تمہیں......'' صبا نے کہا تو وہ سر کھجانے لگا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں......وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی فائدہ نہیں۔ میرا مطلب ہے خان جمشید صرف دھمکیاں دے سکتے ہیں کر کچھ نہیں سکتے۔'' وہ براہ راست اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''دھمکیاں بھی کیوں؟''

''ظاہر ہے وہ خان صاحب کی اولاد ہیں اور انہیں اپنے باپ کی پراپرٹی میں سے کچھ حصہ ہی سہی ایک تیسرے فرد کے پاس جانا سخت گراں گزر رہا ہوگا۔'' آصف جاہ نے لفظوں کے چناؤ میں بہت احتیاط برتی تھی۔

''ٹھیک ہے جیسا تم بہتر سمجھو۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

''میرے لائق اور کوئی خدمت۔'' وہ ان سنی کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آصف جاہ نے کندھے اچکا کر سانس کھینچا پھر بنٹی سے مل کر باہر نکلا تو گیٹ پر جاذب کچھ شش و پنج میں کھڑا تھا۔

''جی......'' آصف جاہ نے سوالیہ اسے دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔

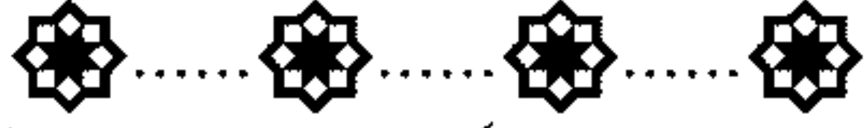
''صبا ہے؟''

''آپ کون؟'' آصف جاہ نے اب سرتاپا اسے دیکھا۔

''میں اس کا کزن ہوں۔''

''اس کا......!'' یعنی اسے تم تو کہنے والا قریبی ہو سکتا ہے۔ آصف جاہ نے سوچا پھر کھلے گیٹ سے اندر دیکھ کر ملازم کو اشارے سے بلا کر

اس سے مخاطب ہوا۔
''صبا بی بی سے کہو ان سے کوئی ملنے آیا ہے۔'' ملازم ایک نظر جاذب کو دیکھ کر واپس پلٹ گیا تو جاذب اس سے پوچھنے لگا۔
''آپ کی تعریف؟''
''خاکسار کو آصف جاہ کہتے ہیں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں فوراً اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔



یہ نہیں تھا کہ صبا جاذب سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ بس اس وقت اس کی آمد سے وہ سخت مکدر ہوئی تھی کیونکہ ابھی اسے نشا کو لے کر کہیں باہر جانا تھا اس نے نشا کو بھی فون کر دیا تھا کہ وہ تیار رہے۔ اس لیے اسے جاذب کا آنا اچھا نہیں لگا اور اس نے جتا بھی دیا۔
''تمہیں آنے سے پہلے فون کرنا چاہیے تھا۔'' جاذب نے ایک دم اسے دیکھا پھر خجالت بھری ذراسی ہنسی کے ساتھ بولا۔
''سوری...... مجھے واقعی یاد نہیں رہا کہ بڑے لوگوں سے پہلے ٹائم لیا جاتا ہے۔''
''آئندہ یاد رکھنا۔'' اس نے ٹوکنے کی بجائے باور کرا دیا۔
''اگر میری وجہ سے تمہارا کوئی کام رکا ہے تو میں چلا جاتا ہوں۔'' وہ جز بز ہوا اور ہرٹ بھی۔
''نہیں خیر اب آ ہی گئے ہو تو بیٹھو۔ کیا پیو گے چائے' کافی یا سوفٹ ڈرنک۔'' سراسر لیا دیا انداز تھا۔
''نہیں کچھ نہیں۔ بس تم سے ملنا تھا۔ امی بہت کہتی ہیں کہ مجھے تمہارے پاس جانا چاہیے۔''
''تو ابھی تک امی کے اشاروں پر چلتے ہو۔ تمہاری اپنی کوئی سوچ نہیں۔'' صبا نے سوچا ہی نہیں کہہ بھی دیا تو وہ خاموش ہو رہا۔ تب جیسے صبا کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔
''بڑے ہو جاؤ جاذب سلیم احمد...... مانا کہ فرماں برداری اچھی بات ہے مگر ایک حد تک۔''
''تم ذرا نہیں بدلیں۔'' جاذب نے بغور اسے دیکھا۔
''مجھے بدلنا ہی نہیں تھا۔ خیر یہ بتاؤ نگار کی شادی کا کیا ہوا۔ مامی جی کیوں آگے بڑھائے جا رہی ہیں۔'' اس نے موضوع بدلنے کی غرض سے پوچھا۔
''امی نہیں آگے بڑھا رہیں نگار نہیں مان رہی۔'' جاذب نے بتایا تو وہ سمجھی نہیں اور متعجب بھی ہوئی تھی۔
''کیا مطلب نگار کی شادی طے تھی ناں پھر وہ کیوں نہیں مان رہی۔''
''پتا نہیں۔'' جاذب کا دامن بچانا اس نے صاف محسوس کیا تھا لیکن اس نے ٹوکا نہیں ملازمہ کو چائے وغیرہ لانے کا اشارہ کیا پھر بلا ارادہ وہ بولی۔
''سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔''
''تم نے بھی تو اپنی مرضی کر لی کیا نتیجہ نکلا۔'' جاذب اب کسی طرح خود کو نہیں روک سکا۔ ''اپنے باپ کی عمر کے شخص سے شادی کرتے ہوئے ایک پل کو تو سوچا ہوتا کہ وہ بہت دور تک تمہارے ساتھ نہیں چل سکے گا۔''
''کوئی اپنی عمر لکھوا کر نہیں آیا جاذب۔'' وہ اندر سے واقعی تلملا گئی تھی۔ ''خان صاحب سے پہلے میں مر جاتی تب تم کیا کہتے......''
''کہ انہوں نے تمہیں مار ڈالا۔'' وہ فوراً بولا تھا۔
''ہاں......'' صبا کے ہونٹوں سے تاسف بھری آواز نکلی پھر اسی انداز میں نفی میں سر ہلانے لگی۔ تو جاذب پوچھنے لگا۔
''آئندہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میرا مطلب ہے اپنے لیے کچھ سوچا ہو گا تم نے؟'' جاذب کی بات قبل از وقت تھی جب ہی صبا کو خود پر قابو پانے میں دقت ہوئی اور محض اس پر جتانے کی غرض سے بولی۔
''ہاں بہت کچھ...... بہت کچھ سوچ لیا ہے میں نے۔''
''مثلاً؟'' وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔
''یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں۔'' اس نے ہلکے انداز میں باور کرایا کہ تم ہو کون۔ جاذب نے ذرا سے کندھے اچکائے پھر پوچھنے لگا۔
''یہ آصف جاہ کون ہے؟''
''پتا نہیں۔'' وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے لاعلمی ظاہر کر کے ملازمہ کو دیکھنے لگی جو چائے کے ساتھ دیگر لوازمات ٹیبل پر رکھ رہی

تھی۔ جاذب ملازمہ کے جانے کا انتظار کرنے لگا اور جیسے ہی وہ گئی کہنے لگا۔
''تمہارے گھر میں رہتا ہے اور تمہیں پتا نہیں۔''
''کون؟'' صبا کا دھیان کہیں اور منتقل ہو گیا تھا۔ جبھی سمجھی نہیں تھی۔
''میں آصف جاہ کی بات کر رہا ہوں۔''
''اوہ......'' اس نے ہونٹ سکیڑے پھر چبا چبا کر بولی۔ ''دیکھو جاذب میرے گھر میں کون رہتا ہے کون نہیں تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔''
''سوری۔'' میں نے یونہی پوچھ لیا تھا۔ وہ برا مانا۔
''چائے لو......'' وہ چائے کی طرف اشارہ کر کے نشا کو کال ملانے لگی۔ پھر کال ریسیو ہوتے ہی کہنے لگی۔
''سوری نشا میں آج نہیں آسکوں گی۔ کل پر رکھو یا پھر کسی دن۔''
''ہاں ابھی کچھ مہمان آگئے ہیں۔''
''ٹھیک ہے......امی کو سلام کہنا۔'' اس نے سیل فون رکھ کر چائے کا کپ اٹھایا اور ایک سپ لے کر جاذب کو دیکھا وہ جانے کس سوچ میں گم تھا یا بار بار اپنی نفی ہونے پر خاموش ہو گیا تھا۔
''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے جاذب۔'' اس نے ٹوکنے کے بجائے احساس دلایا تو جاذب نے چونکنے کے ساتھ کپ اٹھا لیا۔
''کچھ اور بھی لو ناں۔''
''نہیں بس......'' وہ چائے پینے لگا۔ اس کے بعد اپنی جیب پر ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھا۔
''سگریٹ پینے کی اجازت ہے؟'' وہ قصداً ہنس پڑی۔
''شیور۔'' وہ سگریٹ سلگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
''چلتا ہوں۔''
''اچھی بات ہے گھر میں سب کو سلام کہنا۔'' اس نے روکنے کا تکلف تک نہیں کیا اور اسے خدا حافظ کہہ کر بنٹی کو پکارتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔



ثریا کے پاس آ کر بھی اسے چین نہیں تھا اور یہاں یہ مسئلہ تھا کہ اسے ثریا پر اپنی پریشانی ظاہر بھی نہیں کرنی تھی۔ چپکے چپکے روتی اور راتوں کو اٹھ کر ٹیرس پر جا کھڑی ہوتی اور تاریکی میں ڈوبے سمندر میں اس کی نظریں جانے کہاں تک سفر کرتیں۔ پھر آسمان چاند ستارے سب سے شکوہ کناں ہوتی کہ کوئی تو اس کا پتا بتائے جو اس کے دل میں عشق کی آگ لگا گیا تھا۔ جس میں سلگتے ہوئے اسے لگتا کسی دن وہ راکھ ہو جائے گی۔ اتنا تو وہ اس وقت بھی نہیں تڑپی تھی جب اسے پتا چلا تھا کہ اس کی شادی احسن سے نہیں محسن کے ساتھ ہو رہی ہے۔ اب تو ہر پل جسم سے جاں نکلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ کسی بات کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا۔ بھوک پیاس تک کا ہوش نہیں تھا۔ ثریا کی خاطر اس کے ساتھ کھانے پر بیٹھ تو جاتی لیکن پانی کے بغیر حلق سے نوالہ اترتا ہی نہیں تھا اور خوراک کی کمی نے ظاہر ہے اسے کمزور کر دیا تھا چہرے پر الگ زردیاں کھنڈنے لگی تھیں۔ ثریا اسے ٹوکتی پھر تشویش بھی ظاہر کرتی آخر میں یہ بھی کہتی کہ اس کے سسرال والے کیا کہیں گے کہ ماں نے کھانے پینے کو نہیں دیا۔ پھر پوچھتی۔
''محسن کے لیے اداس ہو۔ اس کا فون آتا ہے۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گیا۔'' وہ جواب دیتے دیتے تنگ پڑنے لگتی۔ اس وقت ثریا ایسے ہی سوال و جواب کر رہی تھی کہ اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ وہ شکر کرتے ہوئے ثریا کے پاس سے اٹھ گئی۔
''محسن کا فون ہے۔'' وہ ثریا پر ظاہر کرتے ہوئے کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ بیٹھی تب کال ریسیو کرتے ہی پوچھنے لگی۔
''مونی کا پتا چلا احسن بھائی۔''
''مجھے تو تمہارا ابھی پتا نہیں چل رہا۔'' احسن شاکی ہو رہے تھے۔
''کیا مطلب؟''
''تم سب نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ امی مونی تم۔ مجھے بتاؤ میں کہاں جاؤں۔'' احسن نے کہا تو وہ ٹھہر کر بولی۔

''آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے ساتھ تانیہ ہے تایا ابو ہیں۔ خیر آپ مجھے مونی کا بتائیں۔''
''کیا بتاؤں۔ اپنی سی ساری کوشش کر چکا ہوں۔ اشتہار بھی لگوا دیا۔ پولیس میں بھی رپورٹ درج کروا دی اور بتاؤ کیا کروں۔ جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے مونی نے مجھ سے۔ جیتے جی مار ڈالا مجھے۔'' وہ اونچا پورا مرد رونے لگا تھا۔
''احسن بھائی۔'' وہ پریشان ہوگئی۔
''کاش امی کی طرح وہ بھی مر جاتا تو صبر کر لیتے ہم۔''
''خدا کے لیے احسن بھائی۔'' اس کے آنسو روانی سے جھلک گئے۔ سیل فون آف کر کے گھٹنوں پر پیشانی رکھ لی اور کتنی دیر بے آواز آنسوؤں سے روتی رہی۔ پھر پہلے صبا کو کال کر کے آنے کو کہا اس کے بعد منہ ہاتھ دھو کر زبردستی خود کو کچن میں مصروف کر لیا۔ ثریا منع کرتی رہ گئی لیکن اس نے ایک نہیں سنی کھانا تیار کر لیا اور صبا کے آنے پر لگا بھی دیا۔
صبا اسے دیکھتے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ روتی رہی ہے لیکن ثریا کے سامنے ٹوکا نہیں کھانے کے دوران ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ پھر جب ثریا ظہر کی نماز میں مصروف ہوئی تب اس نے نشا کو گھیرا۔
''ہاں اب بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ محسن کے لیے پریشان ہو رہی ہو۔ یہ تو بتاؤ محسن گھر سے گیا کیوں۔ کوئی جھگڑا ہوا تھا تم سے یا گھر میں کسی سے۔''
''نہیں اس وقت تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ ہاں تائی امی سے شاید کوئی ایسی بات ہوئی ہوگی جب ہی تو کندن بتا رہی تھی وہ بہت ڈسٹرب تھا۔'' اس نے سوچتے ہوئے بتایا تو صبا پوچھنے لگی۔
''یہ کندن کون ہے؟''
''پتا نہیں۔ میرا مطلب ہے وہ۔'' نشا نے وہ ساری باتیں جو کندن نے اپنے اور محسن کے بارے میں کی تھیں سب دہرا دیں تو صبا جو بہت توجہ سے سن رہی تھی پوچھنے لگی۔
''تم نے پھر اس لڑکی سے رابطہ کیا؟''
''نہیں۔''
''نمبر ہے تمہارے پاس اس کا۔'' صبا اس وقت کسی بحث میں نہیں پڑنا چاہتی تھی مونی کے سیل فون میں ہوگا۔
''لے کر آؤ۔'' صبا کا ذہن اس گتھی کے تانے بانے بننے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر محسن کا سیل فون اٹھا لائی اور اسے تھما کر بیٹھنے لگی تھی کہ صبا نے روک دیا۔
''بیٹھو مت اپنا حلیہ ٹھیک کر کے آؤ۔'' اس نے خود کو دیکھا۔ دو دن سے یہی کپڑے پہنے ہوئی تھی۔ اور کچن میں کام کرنے کی وجہ سے شاید لہسن پیاز کی مہک صبا کو ناگوار گزر رہی ہوگی۔ اسی خیال سے وہ واپس پلٹ آئی اور باقاعدہ شاور لے کر نکلی تو صبا ثریا سے کہہ رہی تھی۔
''امی ہم دونوں ذرا باہر جا رہی ہیں۔''
''بیٹا اسے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ اتنی کمزور ہو رہی ہے۔'' ثریا نے اسے دیکھ کر کہا تو وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے بولی۔
''وہم ہو گیا ہے آپ کو تو۔''
''کوئی وہم نہیں چلو تمہارا چیک اپ کرا دوں گی۔'' صبا نے کہنے کے ساتھ آنکھوں سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ بھی کیا پھر ثریا سے پوچھنے لگی۔
''امی آپ کو کچھ منگوانا ہے؟''
''نہیں بیٹا۔ بس تم دونوں زیادہ دیر مت کرنا۔ جلدی آ جانا۔''
''اچھی بات ہے۔ ویسے اگر دیر ہو جائے تو پریشان مت ہوئیے گا۔ چلو نشا۔'' صبا نے اس کے ہاتھ سے برش لے کر ڈریسنگ ٹیبل پر پھینکا پھر ثریا کو خدا حافظ کہہ کر دونوں باہر نکل آئیں۔
''اتنی سڑی گرمی میں باہر جانے کی کیا تک ہے۔ ہم وہیں گھر بیٹھ کر باتیں کر سکتی تھیں۔'' نشا نے دھوپ کی شدت محسوس کرتے ہوئے کہا تو صبا نے بلیک شیشے چڑھا کر اے سی آن کر دیا۔ پھر خود ہی کہنے لگی۔
''میری کندن سے بات ہوئی ہے ابھی ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔''

''کندن نے مونی کے بارے میں کچھ بتایا۔'' وہ یک دم بے قرار ہوگئی۔
''نہیں فون پر زیادہ بات نہیں ہوسکتی تھی۔ اب ہم جا ہی رہے ہیں تو سب پتا چل جائے گا۔'' صبا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر کہنے لگی۔
''تم پلیز خود پر قابو رکھو۔ اگر نہیں رکھ سکتیں تو کندن کے سامنے خاموش ہی رہنا میں بات کرلوں گی اس سے۔''
''ہاں تم ہی بات کرنا۔'' وہ فوراً مان گئی کیونکہ جانتی تھی کہ اسے خود پر اختیار نہیں رہتا۔
''اور رونا دھونا بھی نہیں۔'' صبا نے پھر کہا تو وہ روٹھی نظر اس پر ڈال کر منہ موڑ کر بیٹھ گئی۔ صبا نے کنکھیوں سے اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں اور جب مطلوبہ ایڈریس پر گاڑی روکی تب بھی اسی قدر کہا۔
''چلو اترو۔'' وہ خاموشی سے اتر گئی۔
صبا نے بیل کا بٹن پش کیا اور ملازم کی آمد پر کندن کا پوچھا تو اس نے پورا گیٹ کھول دیا۔ صبا اس کا ہاتھ پکڑ کر ملازم کی تقلید میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوکر رک گئی۔
''آپ بیٹھیں۔ کندن بی بی آتی ہیں۔'' ملازم کہہ کر چلا گیا تو صبا اسی طرح نشا کا ہاتھ تھامے ہوئے بیٹھ گئی اور ابھی اس نے کمرے پر طائرانہ نظر ڈالی تھی کہ کندن آگئی۔
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام۔ میں صبا ہوں اور یہ نشا۔'' صبا نے فوراً تعارف بھی کرا ڈالا تو کندن ہنس کر بولی۔
''آپ نہ بھی بتائیں تب بھی میں پہچان لیتی۔ آئی مین نشا کو۔''
''کیسے...... کیا آپ پہلے اس سے ملی ہیں؟'' صبا اب کسی بات کو سرسری نہیں لینا چاہتی تھی۔
''نہیں محسن نے اتنا ذکر کیا اس کا کہ......'' کندن نے کندھے اچکا کر جیسے بات پوری کی۔
''محسن آپ کے پاس کیسے آیا تھا؟'' صبا کے ذہن میں بے شمار سوال تھے۔
''وہ میرے پاس نہیں آیا تھا میں اسے لے کر آئی تھی۔ ٹھہریں میں آپ کو شروع سے بتاتی ہوں......'' اور کندن اس وقت سے شروع ہوئی جب محسن سڑک کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔ ٹوٹا ہوا مایوس تنہا' پھر اس نے ہر بات کہہ دی۔ وہ ساری باتیں جو محسن نے کی تھیں۔ نشا اور احسن کی محبت جس سے آگاہی نے ہی اسے توڑ دیا تھا۔
''نشا اور احسن۔'' صبا سناٹے میں آگئی اور نشا کے تو بدن سے جیسے سارا لہو نچڑ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس منظر سے غائب ہوجائے۔ ساتھ بیٹھی صبا اس کی طرف متوجہ نہیں تھی لیکن اسے ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس کا روم روم پوچھ رہا ہو۔ کیا کیا چھپاؤ گی۔
''وہ نشا کے عشق میں پاگل ہو رہا تھا۔'' کندن کہے جا رہی تھی۔ ''اور وہ اس سے شرمسار بھی تھا۔ کہہ رہا تھا اسے نشا کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیا سوچتی ہوگی وہ کہ اس کے ماں باپ نے اسے پالنے کا خراج وصول کرلیا اپنے بیمار بیٹے کے ساتھ بیاہ کر۔''
''ہاں میں ایسا سوچتی تھی لیکن......'' ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ نشا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ صبا نے اسے دیکھا ضرور لیکن ٹوکا نہیں۔
''اس کا رشتوں پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔'' کندن ایک نظر روتی ہوئی نشا پر ڈال کر صبا کو بتانے لگی۔ ''زیادہ اپنے ماں باپ سے شاکی تھا اور شاید اپنی ماں سے الجھ کر ہی وہ گھر سے نکلا تھا۔''
''تائی امی۔'' نشا ایک دم ہاتھ نیچے گرا کر کندن کو دیکھنے لگی تو وہ ذرا سا اثبات میں سر ہلا کر کہنے لگی۔
''ایسا ہی تھا مجھے اس کی باتوں سے اندازہ ہوگیا تھا۔ بہرحال وہ بہت نائس لڑکا ہے اور بہت حساس۔ نشا وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور دیکھنا وہ زیادہ دن تم سے دور نہیں رہ سکے گا۔''
''دن...... یہاں تو صدیاں بیت گئیں۔'' نشا کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی صبا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔
''میں نے محسن سے یہی کہا تھا کہ ممکن ہی نہیں کہ جس آگ میں تم جلتے ہو اس سے نشا محفوظ ہو۔ وہ بھی ایسے ہی تڑپ رہا تھا کاش میں لکھاری ہوتی تو تم دونوں کی داستان رقم کرتی۔'' کندن کی آخری بات پر نشا ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔
''چلو صبا۔''

"ارے میں نے تم لوگوں کی خاطر تواضع تو کی نہیں۔" کندن ایک دم احساس کر کے شرمندہ سی ہوگئی۔ ایک منٹ میں ابھی۔
"نو تھینکس۔ ہم نے پہلے ہی آپ کا بہت وقت لے لیا۔" صبا اپنے ہاتھ پر نشا کی مضبوط ہوتی گرفت کا اشارہ سمجھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"میں آپ سے پھر بھی ملنا چاہوں گی بلکہ بار بار۔" کندن نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو صبا نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔



ڈھلتی دوپہر کے منظر میں عجیب سی کشش تھی۔ صبا کی نظریں گلاس وال سے پرے کسی نادیدہ نقطے پر جمی تھیں۔ کندن کے گھر سے نکلتے ہی وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔ تمام راستہ اسی خاموشی کی نذر ہوگیا اور ابھی بھی وہ ہونٹ سیے بیٹھی تھی۔ نشا جانتی تھی وہ کیا سوچ رہی ہے اور اسے ٹوکنے میں اسے اپنی ساری ہمتیں یکجا کرنی پڑی تھیں۔
"صبا کچھ بولو ناں۔"
"دیکھو۔ اس وقت سورج کی کرنوں میں کیا سنہرا پن اتر آیا ہے۔" صبا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو اس نے زچ ہو کر صبا کا ہاتھ کھینچا۔
"صبا پلیز۔"
"کیا پلیز۔" صبا ایک دم اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔ جارحانہ انداز تھا۔ "کیا سمجھتی ہو تم مجھے۔ میں نے اول روز تم پر اپنا آپ عیاں کر دیا تھا پھر تم کیوں ابھی تک بکل مارے بیٹھی ہو۔ کیوں نہیں بتایا مجھے کہ تم اور احسن اور یہ کہ تمہارے ساتھ زبردستی ہوئی بولو۔ ایسے ہی کسی دن کوئی اور انکشاف ہوگا مجھ پر وہ بھی کسی اور کے ذریعے سے۔"
"بس کرو صبا۔" وہ تنگ پڑنے لگی تو صبا نے ناراضگی سے منہ موڑ لیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر دھیرے دھیرے بولنا شروع ہوئی تو اپنی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق اس کے سامنے کھول دیا۔ جس پر اب اسے کوئی ملال نہیں تھا بلکہ مثبت انداز میں کہہ رہی تھی۔
"اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا صبا کہ مجھے اس گھر میں محبتیں شفقتیں سب ملی ہیں۔ صرف ضرورت ہی نہیں خواہشات بھی پوری کی گئی ہیں۔ پھر اگر تایا ابو اور تائی امی نے یہ سوچ کر محسن سے میری شادی کی کہ مجھ سے بہتر اس کا خیال کوئی نہیں کر سکے گا تو انہوں نے غلط نہیں سوچا۔ نہ ہی ان کا فیصلہ غلط تھا۔ وقتی طور پر مجھے تکلیف ضرور ہوئی اور اس کا بدلہ میں نے محسن سے بھی لیا جس پر اب مجھے زیادہ تکلیف ہوتی ہے کیونکہ وہ تو ہمیشہ سے بے ضرر تھا۔ بہر حال وہ میری نادانی کی غلطیاں تھیں اللہ مجھے معاف کرے اور مجھے میرے مونی سے ملا دے۔" وہ خاموش ہوگئی تب بھی صبا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی تو اچانک یاد آنے پر وہ کہنے لگی۔
"اور ہاں میں امی کے پاس اس لیے آگئی ہوں کہ میری وجہ سے تانیہ بھابی کی لائف ڈسٹرب ہو رہی تھی۔"
"وہ کیسے؟" صبا نے اس تمام عرصے میں پہلی بار لب کھولے تھے۔
"ایسے کہ ان کی نئی شادی ہے اور آئے دن انہیں یہ سب دیکھنا پڑ رہا ہے۔ مونی ہاسپٹل ایڈمٹ ہوتا تو ظاہر ہے احسن بھائی کی ساری توجہ اس کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔ ایسے میں تانیہ بھابی گو کہ کہتی کچھ نہیں تھیں لیکن محسوس تو کرتی ہوں گی پھر اب تائی امی کا انتقال اور مونی کا چلے جانا۔ پتا ہے اس روز احسن بھائی کہہ رہے تھے کہ اگر امی کی طرح مونی بھی مر جاتا تو وہ صبر کر لیتے۔ پھر وہ رو رہے تھے۔ اس سے تم اندازہ کر لو کہ وہ کتنے ڈسٹرب ہیں۔ مجھ دیکھ کر زیادہ پریشان ہوتے تھے۔ کھانے پر زبردستی اپنے ساتھ بٹھاتے۔ یوں غیر ارادی طور پر تانیہ بھابی نظر انداز ہو جاتی تھیں۔ تب میں نے محسوس کیا کہ انہیں یہ سب اچھا نہیں لگتا۔ یوں میں امی کے پاس چلی آئی میں نے ٹھیک کیا ناں۔"
آخر میں اس نے تصدیق چاہی تو صبا نے یونہی اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر گہری سانس کھینچ کر تلخی سے بولی۔
"بہر حال یہ جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا ہے اس کا ذمہ دار ہمارا باپ ہے۔"
"باپ......" نشا کو اس کا باپ کہنا ہضم نہیں ہوا تھا۔
"ہاں باپ۔ صرف میں اور تم ہی نہیں مریم جوان کے ساتھ رہتی ہے وہ بھی ان کی توجہ سے محروم ہے۔ اس شخص کو پتا ہی نہیں کہ اس کی بیٹی کہاں ہے کس کے ساتھ ہے۔ یہ تو شکر ہے کہ ہماری رگوں میں ہماری ماؤں کا خون جوش مارتا ہے ورنہ ہم بھی باپ کے راستے پر چل نکلتیں۔"
"اچھا بس کرو۔" نشا نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تو وہ سر جھٹک کر بولی۔
"یہ تمہارا ظرف ہے نشا کہ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی تم ہر شخص کو بری ذمہ قرار دے رہی ہو۔ حیرت ہو رہی ہے مجھے تمہیں امی کی گود نہیں

ملی پھر بھی ان ہی کی طرح سوچتی ہو۔''
''امی......ارے امی نے کہا بھی تھا جلدی آنا۔ چلو باقی باتیں گھر چل کر۔'' نشا اٹھ کھڑی ہوئی تو اسے بھی اٹھنا پڑا لیکن مزید باتوں کے لیے وہ رکی نہیں نشا کو ڈراپ کر کے گھر آ گئی کیونکہ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ دل پر بوجھ بھی محسوس ہو رہا تھا۔ لیونگ روم میں ہی بیٹھ کر وہ پیروں کو سینڈل کی قید سے آزاد کر رہی تھی کہ بنٹی کے کمرے سے آتی باتوں کی آواز سن کر چونک گئی۔ اسے پہلا خیال خان جمشید کا آیا تو اس نے پھر کچھ سوچا ہی نہیں فوراً اٹھی اور تیزی سے جا کر بنٹی کے کمرے کا دروازہ کھولا تو آگے آصف جاہ کو دیکھ کر وہ کچھ بول نہیں سکی۔
''آداب......'' آصف جاہ نے ہاتھ سے آداب کا اشارہ کیا وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر بنٹی سے مخاطب ہوئی۔
''کیا ہو رہا ہے بنٹی۔ کھانا کھا لیا تھا تم نے؟''
''جی......'' بنٹی کے مختصر جواب پر وہ یونہی سر ہلا کر واپس پلٹ آئی اور اب اپنے کمرے میں جا رہی تھی کہ عقب سے آصف جاہ نے پکارا۔
''ایکسکیوز می میم۔'' اس نے رک کر سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ پوچھنے لگا۔
''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''
''کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟'' اس کی پیشانی پر ہلکی سی لکیر کھچ گئی۔
''یہی میں جاننا چاہ رہا ہوں آپ بہت ڈل لگ رہی ہیں اور اپ سیٹ بھی۔'' وہ ٹھیک کہہ رہا تھا صبا کو حیرت ہوئی کہ اس نے ایک نظر میں کیسے اسے نوٹس کر لیا لیکن حیرت چھپانے کو ذرا سا ہنس کر اسی قدر بولی۔
''اچھا......!''
''اپنی پرابلم۔'' وہ اب بغور اسے دیکھ رہا تھا۔
''نو......نو پرابلم......'' وہ کہہ کر جانے لگی تھی کہ آصف جاہ فوراً بولا۔
''مسز صبا۔ آپ کتنی بھی کوشش کر لیں خود کو چھپا نہیں سکتیں۔ آپ کی آنکھیں سب کہہ دیتی ہیں۔'' اس کے دل پر تھاپ پڑی تھی فوراً پلٹ کر اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔



راحیلہ خاتون نے کھانا کھاتے ہوئے پہلے کنکھیوں سے سب کا جائزہ لیا پھر چاول کی ڈش اٹھاتے ہوئے بظاہر نارمل انداز میں بولی۔
''میں چاہ رہی ہوں سلیم احمد کہ نگار اور جاذب کی شادی ایک ساتھ ہو جائے۔''
''ہیں......!'' سلیم احمد نے کھانے سے ہاتھ روک کر انہیں پھر نگار اور جاذب کو دیکھا نگار بدستور کھانے میں مصروف رہی جب کہ جاذب نے انہی کی طرح ہاتھ روک لیا تھا۔
''ڈبل خرچے سے بھی بچ جائیں گے۔'' راحیلہ خاتون اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔
''جاذب کی بھی اب عمر ہو گئی ہے شادی کی۔ اچھا ہے دونوں کی ساتھ ہو جائے......کیوں؟''
''بالکل......'' سلیم احمد نے ان کے دیکھنے پر فوراً تائید کی پھر کہنے لگے۔ ''بس تو فٹافٹ لڑکی ڈھونڈو جاذب کے لیے۔''
''ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں ہے اپنی صبا ہے ناں۔'' راحیلہ خاتون نے اتنے استحقاق سے صبا کا نام لیا کہ سلیم احمد اور جاذب دنگ رہ گئے۔
''تمہارا مطلب ہے صبا میری بھانجی۔'' سلیم احمد نے اس خیال سے پوچھا کہ شاید ان کی نظر میں کوئی اور صبا ہو۔
''ہاں میں آپ کی بھانجی صبا ہی کی بات کر رہی ہوں۔'' راحیلہ خاتون نے پہلے اپنے مخصوص تیوروں سے انہیں دیکھا جس سے وہ خائف ہو جاتے تھے پھر پینترا بدل کر کہنے لگیں۔
''مجھے تو اس پر بہت ترس آتا ہے ابھی بے چاری کی عمر ہی کیا ہے اب اگر ہم خیال نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔''
''ہاں لیکن جاذب سے تو پوچھ لو۔'' سلیم احمد نے گم صم بیٹھے جاذب کو دیکھ کر کہا تو وہ چمک کر بولیں۔
''اس سے کیا پوچھوں یہ کیا میری بات سے انکار کرے گا۔''

''کرتا تو نہیں ہے لیکن۔''
''جب نہیں کرتا تو پھر لیکن کا کیا سوال۔'' راحیلہ خاتون سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو سلیم احمد ان کی پلیٹ دیکھ کر بولے۔
''بیگم کھانا تو کھالو۔''
''بس کھالیا۔'' وہ کہہ کر ڈائننگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آ بیٹھیں اور جب جاذب کو کمرے میں جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے چلی آئیں۔
''جازی میں نے غلط سوچا کیا؟'' وہ ایسا انداز اختیار کرتیں کہ مقابل انکار کر ہی نہ سکے اور جاذب پر تو وہ شروع سے حاوی تھیں۔
''نہیں امی آپ نے غلط نہیں سوچا لیکن شاید صبا نہ مانے۔'' جاذب صبا کا رویہ سوچ کر بولا تھا۔
''کیوں صبا کیوں نہیں مانے گی۔ ارے آج کل کنواری لڑکیوں کو رشتے نہیں ملتے۔ وہ تو بیوہ ہے اور ساری عمر یونہی تو نہیں بیٹھی رہے گی۔'' راحیلہ خاتون اپنے حساب سے سوچ رہی تھیں۔
''ہوں......'' جاذب کا انداز سوچتا ہوا تھا۔
''تمہیں تو اعتراض نہیں ہے ناں؟'' راحیلہ خاتون اسے سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھیں فوراً پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔
''میں تمہاری مرضی پوچھ رہی ہوں۔ تمہیں تو صبا سے شادی پر اعتراض نہیں ہے؟'' راحیلہ خاتون اس کی مرضی بھی تحکم سے پوچھ رہی تھیں۔
''نہیں۔ جیسا آپ کو مناسب لگے۔'' یہی بات اگر وہ پہلے کہتیں تو وہ کتنا خوش ہوتا اب بجھا بجھا سا انداز تھا۔ راحیلہ خاتون محسوس کرنے کے باوجود خوش ہو گئیں۔
''میں ابھی تمہارے ابو کے ساتھ جاتی ہوں ثریا کے پاس۔'' انہوں نے دیر نہیں کی نہ اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیا اور اسی وقت سلیم احمد کے ساتھ نکل پڑیں۔
ثریا بھاوج کے ساتھ بھائی کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ورنہ تو راحیلہ خاتون اکیلی یا کبھی نگار کو ساتھ لے آتیں۔ ثریا بھائی سے ملنے کو ترس گئی تھی۔ جب ہی اب ان کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔
''بھائی آپ تو آتے ہی نہیں۔'' ثریا نے محبت بھرا شکوہ کیا تو ان سے پہلے راحیلہ خاتون بول پڑیں۔
''یاد بہت کرتے ہیں تمہیں روز کہتے ہیں چلنا ہے پھر کوئی نہ کوئی کام آ جاتا ہے۔ تم ہی آ جایا کرو۔''
''جی آؤں گی۔'' ثریا نے کہا تب ہی نشا نے آ کر سلام کیا تو راحیلہ خاتون اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔
''نشا آئی ہوئی ہے کتنی کمزور ہو گئی ہے خیر تو ہے۔''
''ہاں ساجدہ بھابی کا دل کو لگا لیا ہے اس نے۔''
''ارے ہاں افسوس ہوا تمہاری ساس کا۔ تمہاری تو ماں جیسی تھیں۔ بس بیٹا اللہ کی مرضی۔'' راحیلہ خاتون نشا کو دلاسا دے کر ثریا سے پوچھنے لگیں۔
''صبا کیسی ہے؟''
''ٹھیک ہے اللہ کا شکر ہے۔''
''بھئی اس وقت تو تمہارے بھائی صبا ہی کے لیے آئے ہیں۔'' راحیلہ خاتون نے کمال ہوشیاری سے اپنا دامن بچا کر سلیم احمد کو آگے کر دیا تھا۔
''صبا تو اپنے گھر ہوتی ہے بھائی۔'' ثریا بالکل نہیں سمجھی تھی۔
''لیکن یہ ڈائریکٹ اس سے تو بات نہیں کر سکتے۔ اس لیے تمہارے پاس آئے ہیں۔'' راحیلہ خاتون نے کہتے ہوئے یوں ٹانگ پر ٹانگ جمائی جیسے احسان کرنے آئی ہوں۔
''کیا بات؟'' ثریا سلیم احمد کو دیکھنے لگی تو انہوں نے پہلے کھنکھار کر گلا صاف کیا پھر کہنے لگے۔
''ہونا تو یہ پہلے چاہئے تھا لیکن شاید اللہ کو اسی طرح منظور تھا میں جاذب کے لیے سوالی بن کر آیا ہوں۔''
''بھا......'' ثریا کے ہونٹ نیم وا ہو کر رہ گئے۔ وہ ماں تھی اس کے لیے یہ خوش آئند بات تھی کہ اس کی بیوہ بیٹی کے لیے کوئی سوال کر رہا

تھا۔ راحیلہ خاتون اس کی اندرونی خوشی بھانپ کر کہنے لگیں۔

''تقدیر کا لکھا ہو کر رہتا ہے۔ اب دیکھو ناں صبا کی قسمت میں یہ سب لکھا تھا جب ہی اس وقت میری عقل پر پردے پڑ گئے تھے ورنہ آج جاذب اور صبا ہنسی خوشی رہ رہے ہوتے۔''

''بالکل......'' سلیم احمد نے تائید کی تو ثریا چونک کر نشا سے بولی۔

''بیٹا چائے ٹھنڈا۔''

''جی امی......'' نشا اٹھ کر چلی گئی تو سلیم احمد پوچھنے لگے۔

''تمہارا کیا خیال ہے ثریا؟''

''میرے لیے تو خوشی کی بات ہے بھائی لیکن میں اپنے طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ صبا سے بات کروں گی۔'' ثریا نے کہا تو راحیلہ خاتون جتانے سے باز نہیں آئیں۔

''ہاں ظاہر ہے صبا اب کوئی لڑکی تو ہے نہیں جو تمہاری مرضی پر سر جھکا دے گی۔ اس سے ضرور پوچھو بلکہ سمجھانا بھی۔ پہاڑ جیسی زندگی ایسے نہیں گزرتی۔''

''جی......'' ثریا خاموش ہو گئی تھی تب راحیلہ خاتون نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔



محسن کو گئے تین مہینے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ جلال احمد کے لیے دہرا صدمہ تھا۔ نیک سمجھ دار شریک حیات کا داغ رفاقت دے جانا پھر جوان بیٹا جو انہیں انتظار کی صلیب پر چڑھا گیا تھا۔

''جانے کہاں ہوگا۔ کھاتا پیتا کہاں سے ہوگا۔ سوتا کہاں ہوگا۔ وہ تو اس قابل نہیں کہ محنت مزدوری کر کے پیٹ پال سکے۔'' جلال احمد اس وقت باقاعدہ رونے لگے تھے۔

''ابو پلیز......'' احسن انہیں ٹوک کر کہنے لگے۔ ''مجھے اب مونی پر غصہ آتا ہے اسے کوئی حق نہیں تھا ہمیں اس طرح پریشان کرنے کا۔''

''وہ اپنے بس میں نہیں تھا۔''

''کیسے بس میں نہیں تھا۔ خدانخواستہ ذہنی معذور نہیں ہے وہ ہر بات سمجھتا ہے۔ ہماری طرف سے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچی تھی تو بات کرتا ہم سے۔ ایسے کیسے چلا گیا۔'' ہر طرف سے مایوسی کے بعد احسن کا غصہ بجا تھا۔

''تم نے نشاء سے پوچھا۔'' جلال احمد کو ان کی بات سے اچانک کوئی سرا ملا تھا۔

''نشاء سے کیا پوچھوں؟'' احسن انہیں دیکھنے لگے۔

''یہی کہ اس کے ساتھ تو جھگڑا نہیں ہوا تھا مونی کا۔''

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہوا۔'' احسن نے فوراً ان کی بات رد کی تو انہیں غصہ آ گیا۔

''تم اپنی طرف سے کیسے کہہ رہے ہو۔ پوچھو نشاء سے اور کیسے بے فکر ہو کر ماں کے گھر بیٹھ گئی ہے۔ لاؤ فون ملاؤ میں بات کرتا ہوں اس سے۔'' جلال احمد کے غصے سے عاجز ہو کر احسن اٹھ کھڑے ہوئے۔

''نہیں آپ رہنے دیں میں ابھی تانیہ کے ساتھ ادھر ہی جا رہا ہوں پوچھ لوں گا اس سے۔''

''اور اسے ساتھ لے کر آنا۔ بہت دن رہ لیا اس نے ماں کے پاس۔'' جلال احمد ناراضی سے بول رہے تھے۔ احسن مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے ان کے کمرے سے نکل آئے اور جب تانیہ سے نشا کے پاس چلنے کو کہا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگی تو انہیں پھر غصہ آ گیا۔

''کیا مسئلہ ہے ادھر ابو پریشان کر رہے ہیں ادھر تم۔''

''ابو......ابو کیا کہہ رہے ہیں؟'' تانیہ نے چونک کر پوچھا۔

''وہ کہہ رہے ہیں نشا کو لے آؤ۔'' انہوں نے بتایا تو تانیہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''کیوں؟''

''اب تم سوال جواب شروع کر دو۔ یہ بتاؤ چلنا ہے کہ نہیں۔'' انہوں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

''چلیں......'' تانیہ کچھ سوچ کر تیار ہو گئی تو انہوں نے چلتے ہوئے اسے سمجھا دیا تھا کہ نشا کی امی کو محسن کی گمشدگی کا علم نہیں ہے انہیں نشا

نے یہی بتایا ہے کہ مونی باہر گیا ہوا ہے۔ بہر حال تانیہ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا بلکہ یہ بات اسے اپنے حق میں غنیمت لگی کہ اس کی خاموشی کو احسن احتیاط سے معمور کر رہے تھے ثریا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر اٹھ گئی تب احسن نشا پر بگڑنے لگے۔

''یہ کیا روگ لگا لیا ہے تم نے خود کو۔ مرا نہیں ہے مونی آ جائے گا۔'' نشا اپنے آنسو ضبط کرنے کی سعی میں کچھ بول نہیں سکی۔

''اور اب تم گھر چلو۔ یہاں آنٹی کو بھی پریشان کر رہی ہو۔ ادھر ابو الگ تمہارے لیے فکر مند ہیں۔''

''نہیں احسن بھائی جب تک محسن نہیں آ جاتے میں یہیں رہوں گی۔'' اس نے کہا تو تانیہ بول پڑی۔

''ٹھیک تو ہے۔ یہاں آنٹی اس کے ساتھ ہیں گھر میں اکیلی یہ زیادہ پریشان ہوتی ہے۔''

''پریشانی مسئلے کا حل نہیں ہے نشا دعا کرو اللہ اسے گھر کا راستہ دکھائے۔ انتہائی نامعقول حرکت کی ہے مونی نے۔ ایک بار مل جائے دیکھنا میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔'' احسن پھر غصے میں آ کر محسن کو سخت سست کہنے لگے تو تانیہ ٹوک کر بولی۔

''بس کرو احسن۔ نشا کو برا لگ سکتا ہے آخر اس کا شوہر ہے۔''

''میں چائے لاتی ہوں۔'' نشا اٹھی تو احسن بھی کھڑے ہو گئے۔

''نہیں رہنے دو۔ یہ بتاؤ گھر کب آؤ گی؟''

''کہا ناں جب محسن آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے اب اسی کے ساتھ ہی آنا۔ چلو تانیہ۔'' احسن ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے تانیہ کے ساتھ نکل گئے۔



صبا نشا کی طرف سے بہت پریشان تھی۔ سمجھ نہیں آتا تھا وہ اس کے لیے کیا کرے۔ کہاں سے محسن کو ڈھونڈ لائے۔ جس کی دوری نشا کے لیے ایسا روگ بن گئی تھی جو دیمک کی طرح اس کے وجود کو کھوکھلا کر رہی تھی۔ اس دن کے بعد وہ نشا سے نہیں ملی تھی۔ بس فون پر ثریا سے اس کی خیریت معلوم کرتی تو وہ بھی نشا کی صحت کی طرف سے تشویش ظاہر کرتی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ اس کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ ثریا کو تسلی دیتی پھر خود محسن کی تلاش میں نکل جاتی۔ مختلف شاہراہوں پر گاڑی دوڑاتے ہوئے وہ ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتی۔ اس وقت بھی وہ یہی کر رہی تھی کہ دور سے جاذب کو کھڑے دیکھ کر اس نے گاڑی اس کے قریب لے جا کر روکی اور شیشہ گرا کر اسے متوجہ کر کے پوچھا۔

''ہیلو..... خیریت؟''

''ہاں وہ گاڑی میں کچھ پرابلم ہو گئی ہے۔'' جاذب نے بتایا تو وہ انگوٹھے سے اپنے برابر اشارا کر کے بولی۔

''چلو میں ڈراپ کر دوں گی۔''

''تم کس طرف جا رہی ہو؟'' جاذب نے گاڑی کا رخ مخالف سمت دیکھ کر پوچھا۔

''کسی طرف بھی جا رہی ہوں۔ تمہیں چھوڑ دوں گی چلو.....'' اس نے سیدھی سادی بات کہی تھی۔ جاذب اپنے حساب سے معنی پہناتے ہوئے چکر کاٹ کر آن بیٹھا تو اس نے اسپیڈ سے گاڑی بڑھا کر راؤنڈ اباؤٹ سے اس کے گھر کے راستے پر ڈال دی پھر اسے دیکھ کر مسکرا کر بولی۔

''بس اتنی سی بات تھی۔'' جاذب نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

''گھر میں سب ٹھیک ہے؟'' اس نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا تو وہ اس کے تاثرات جاننے کے لیے اسے دیکھ کر بولا۔

''ہاں امی ابو گئے تھے پھوپو کے پاس۔''

''اچھا.....'' اس نے نارمل انداز جاذب کو کھلنے لگا تھا۔

''تمہیں بتایا تو ہوگا پھوپو نے؟''

''نہیں میرا کافی دنوں سے امی کی طرف جانا نہیں ہوا۔'' اس کا سارا دھیان راستے پر تھا۔ کیونکہ عرصے بعد اس طرف آئی تھی۔ پھر فلائی اوور بننے سے کچھ کنفیوز بھی ہو رہی تھی۔

''میں ٹھیک جا رہی ہوں ناں جاذب؟'' اس نے اچانک پوچھا تو وہ چونک کر بولا۔

''ہاں بس مجھے یہیں اتار دو۔''

''یہاں کیوں؟'' اس نے کہہ کر غور سے کہا۔

جاذب مامی جی کے ڈر سے اسے ہمیشہ یہیں اتار دیا کرتا تھا۔ تب ذرا سا ہنس کر بولی۔
''ابھی بھی ڈرتے ہو۔''
''نہیں۔ آگے اصل میں روڈ بن رہی ہے۔ تمہیں لمبا ٹرن لینا پڑے گا۔'' جاذب نے خجالت چھپا کر کہا تو اس نے گاڑی روک دی۔
''تھینک یو...... اور ہاں میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی اتر کر تیز قدموں سے چل پڑا تھا۔
''میرے جواب کا انتظار......'' وہ کچھ بھی نہیں تو کندھے اچکا کر گاڑی ریورس کرنے لگی۔ پھر اچانک اس کا موڈ بن گیا تو وہ گھر جانے کے بجائے ثریا کے پاس آ گئی۔
''یہاں کا راستہ بھول گئی ہو یا کوئی نئی مصروفیت ہاتھ آ گئی ہے۔'' ثریا نے چھوٹتے ہی اس سے شکوہ کیا۔
''نئی مصروفیت کیا ہاتھ آنی ہے اماں جی۔ وہی پرانی روٹین چل رہی ہے۔'' وہ کہنے کے ساتھ ادھر ادھر دیکھ کر پوچھنے لگی۔
''نشاء کہاں ہے؟''
''نماز پڑھ رہی ہے۔''
''ماشاء اللہ نشاء میرے لیے بھی دعا کرنا۔'' اس نے کمرے میں جھانک کر کہا تو ثریا اس کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔
''کیا کر رہی ہو۔ آؤ ادھر بیٹھو۔'' وہ ہنستے ہوئے ثریا کے ساتھ اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔
''سنا ہے مامی جی کے ساتھ ماموں جی بھی آئے تھے۔''
''تمہیں کس نے بتایا؟'' ثریا نے چونک کر اسے دیکھا۔
''ابھی راستے میں جاذب ملا تھا اسی نے بتایا۔'' وہ بے نیازی سے کہہ کر لیٹ گئی۔ ماں کا بستر بھی ماں کی آغوش کی طرح ہوتا ہے سکون ملتا ہے۔''
''اور کیا بتایا جاذب نے؟'' ثریا نے اس کی بات ان سنی کر کے پوچھا۔
''اور تو کچھ نہیں ہاں جاتے جاتے کہہ رہا تھا میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ ایسا کیوں کہا اس نے۔'' آخری بات اس نے سوچتے انداز میں خود سے کہی تھی۔
''وہ تمہارے ماموں جی تمہارے لیے اس کا پیغام دے گئے ہیں۔'' ثریا کو بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ''میرا مطلب ہے شادی کا۔''
''کیا......؟'' وہ گردن موڑ کر ثریا کو دیکھنے لگی۔
''ہاں تو یہ کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ پیغام تو آ جائیں گے۔''
''بالکل آئیں گے۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔'' وہ محظوظ ہو کر ہنسنے لگی۔ ہنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ ثریا کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا اور وہ اندر آتی نشا کو دیکھ کر ہنسی کے درمیان بولی۔
''سنا تم نے نشا ماموں جی میرے لیے جاذب کا پیغام دے گئے ہیں...... ہاہاہا......''
''صبا......'' ثریا کو غصہ آ گیا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
''روئی تو میں اس وقت بھی نہیں تھی امی جب وہ کاٹھ کا الو ماموں جی کے سامنے اعتراف کرنے کے بجائے دم دبا کر بھاگ گیا تھا۔''
''بس بھول جاؤ پرانی باتیں۔'' ثریا نے فوراً کہا تو وہ تاسف سے سر ہلا کر بولی۔
''آپ بھول سکتی ہیں۔ نشا بھول سکتی ہے میں نہیں۔'' نشا اپنے نام پر پریشان ہو کر اسے دیکھا لیکن وہ چپ نہیں ہوئی۔
''ماموں جی بھی بھولے نہیں ہوں گے۔ ثریا میں نے تمہاری بھاوج سے ایک ہفتے کا کہہ دیا ہے تم اپنا انتظام کر لو۔ یہی کہا تھا نا انہوں نے۔ پھر اب کس منہ سے......''
''تو اس میں جاذب کا کیا قصور......'' ثریا نے شاید راکھ میں دبی کسی چنگاری کو ہوا دینے کی سعی کی تھی۔
''ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔ اس بے چارے کا کیا قصور۔ سارے قصور تو میرے تھے۔'' اس کے لہجے میں تلخی سے زیادہ طنز تھا۔
''بہر حال آپ منع کر دیں ماموں جی کو مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔''
''غصے اور جذبات میں فیصلے نہیں ہوتے بیٹا۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچنا۔ اتنی لمبی زندگی اکیلے نہیں گزرتی۔ بچے ہوتے تو اور بات تھی۔ مجھے تمہاری فکر رہتی ہے۔'' ثریا نرمی سے سمجھانے لگی تھی کہ آخری بات پر وہ یکلخت ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''میری فکر چھوڑیں امی۔ نشا کی فکر کریں جو نہ جیتی ہے نہ مرتی ہے۔ گھٹ گھٹ کے سچ مچ مرجائے گی کسی دن۔''

''صبا چپ ہو جاؤ۔'' نشا نے پریشان ہو کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیوں چپ ہو جاؤں اور تم کیوں چپ ہو۔ بتاؤ امی کو تمہارے ساتھ کیا ہوتا رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ میں بتاتی ہوں تایا ابو نے اس کی شادی اپنے بیمار بیٹے کے ساتھ کی اور وہ بیمار بیٹا اسے چھوڑ کر چلا گیا......''

''صبا خدا کے لیے۔'' نشا گڑگڑائی پھر ایک دم سناٹے میں بیٹھی ثریا کے ہاتھ تھام لیے۔

''امی یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو کیا ٹھیک ہے۔'' ثریا نے اسے کندھوں سے جھنجھوڑ ڈالا۔ ''بتاؤ کیا ٹھیک ہے کہاں ہے تمہارا شوہر بتاؤ۔''

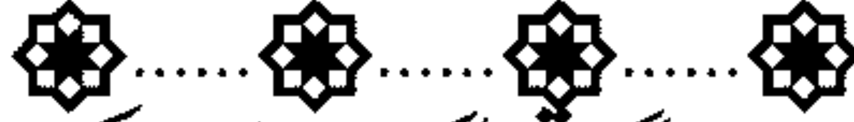
''مجھے پتا نہیں۔'' نشا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی تو ثریا نے اس کی کلائیاں پکڑیں۔ جارحانہ انداز تھا۔

''ماں سے راز داری۔ یہی سوچا ہو گا جو اپنے لیے کچھ نہ کر سکی وہ تمہارے لیے کیا کرے گی۔''

''نہیں نہیں امی۔ میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔''

''پریشانیاں مقدر میں ہوں تو کون ٹال سکتا ہے۔'' ثریا ٹوٹ گئی۔ ''میں کچھ نہیں کر سکتی میں اپنی بیٹیوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ میری تو دعاؤں میں بھی اثر نہیں ہے۔''

''امی......!'' دونوں نے دائیں بائیں بیٹھ کر ثریا کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا جو بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ کتنی دیر دونوں اسے چپ کرانے کی سعی کرتی رہیں آخر تھک کر صبا اسے تنہا چھوڑنے کا اشارہ کرتے ہوئے نشا کو وہاں سے اٹھا کر لے گئی۔



رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ نشا روتے روتے سو گئی تھی لیکن ثریا کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ وہ پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھی۔ چھت پر نظریں جمائے پچھلے دو گھنٹے سے وہ ساکت لیٹی تھی۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر گزرے ماہ و سال کسی ایسی فلم کی طرح چل رہے تھے جس میں آنسوؤں آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ نہیں تھا اور جو ختم ہونے ہی میں نہیں آ رہی تھی یہاں تک کہ فجر کی اذانیں ہونے لگیں جب قریبی مسجد سے اذان کی آواز گونجی تب ثریا کے سینے سے آہ کی صورت گہری سانس خارج ہوئی جس نے اسے ماضی کی بھول بھلیوں سے نکال کر حال میں لا پٹخا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر نشا کو دیکھا وہ گہری نیند میں تھی اور اس کی نیند ٹوٹنے کے خیال سے ثریا نے احتیاط برتی۔ دبے پاؤں کمرے سے نکلی وضو کر کے نماز پڑھی پھر چائے بنانے سے پینے تک اس نے بہت کچھ سوچ ڈالا اور نشا کے اٹھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل آئی۔ ڈرائیور اتنی صبح اسے دیکھ کر الرٹ تو ہو گیا لیکن متعجب بھی تھا اور زندگی میں پہلی بار اس نے یہ پروا نہیں کی کہ کون کیا سوچے گا کیا کہے گا ڈرائیور کو ایڈریس بتا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اتنی صبح ٹریفک کا اژدھام نہیں تھا اس لیے دس منٹ میں ہی وہ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچ گئی تھی۔

''بلال احمد......'' نیم پلیٹ دیکھ کر اس نے زیر لب دہرایا پھر ڈرائیور کو رکنے کا کہہ کر گیٹ پر آئی تو چوکیدار اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''جی بی بی۔''

''بلال صاحب......'' وہ صرف نام لے کر دوسری طرف دیکھنے لگی تو چوکیدار غالباً اطلاع کرنے کے لیے گیٹ کھول کر اندر گیا تو کھلے گیٹ سے اس نے دیکھا لان میں بلال احمد چائے پینے کے ساتھ اخبار میں مصروف تھے۔ برسوں کے فاصلے لمحوں میں سمٹ گئے اس نے چوکیدار کی واپسی کا انتظار نہیں کیا اور آن کی آن میں ان کے سر پر جا کھڑی ہوئی تھی۔

''تم......!'' بلال احمد اس وقت صرف حیران ہو سکتے تھے۔

''گویا مجھے اپنا تعارف کروانے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی میں صبا اور نشا کی ماں ہوں۔'' اس کے لہجے اور انداز میں حد درجہ ٹھہراؤ تھا۔

''بیٹھو۔'' بلال احمد کو فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو سامنے چیئر کی طرف اشارہ کیا جسے نظر انداز کر کے وہ کہنے لگی۔

''شاید تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ میں تمہارے سامنے آ سکتی ہوں۔ اور دعا تو میں نے بھی بہت کی تھی بلال احمد کہ کبھی تمہارا سامنا نہ ہو لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ کتنے احمق ہیں ہم کہ ناممکنات کو ممکن بنانے میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ ہمارا ناتا ٹوٹنے والا تھا ٹوٹ گیا لیکن ایک کڑی صبا اور نشا کی صورت جو ہمارے درمیان موجود تھی اسے تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی تھی تم بھی نہیں میں بھی نہیں۔ پھر کیوں تم بھاگتے رہے اور میں چھپتی رہی۔''

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' بلال احمد کی پیشانی پر ناگواری کی لکیر ابھری تھی۔
''مجھے کہنا نہیں پوچھنا ہے بلال احمد کہ میری بیٹی نشا جسے تم نے مجھ سے چھین لیا تھا اس کا کیا کیا؟'' ثریا کو خود پر بہت جبر کرنا پڑ رہا تھا۔
''کیا...... کیا مطلب؟'' بلال احمد نے ٹوکا پھر بھی اس نے ضبط کا دامن نہیں چھوڑا۔
''مطلب اس کی پرورش تعلیم شادی......''
''سب سب کیا شادی بھی ہوگئی اس کی۔'' بلال احمد کے جھنجلانے پر اس کے لہجے میں چبھن اتر آئی تھی۔
''کس سے۔ کس سے کی اس کی شادی؟ اپنے بیمار بھتیجے سے۔ ہمیشہ سے سنتی آئی ہوں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جاتی لیکن تم نے ہمیشہ کی اس کہاوت کو غلط ثابت کر دیا کیونکہ تمہیں اپنی شادیوں سے فرصت نہیں تھی۔''
''جسٹ شپ اپ۔'' بلال احمد تلملا کر چلائے۔
''نہیں بہت چپ رہ لیا میں نے اب نہیں۔ بتاؤ کیوں کیا تم نے نشا کے ساتھ ایسا؟'' اس کی آواز بوجھل ہوگئی تھی۔
''تم کون ہوتی ہو پوچھنے والی۔ تم پہلے اپنے گریبان میں جھانکو تم نے کیا کیا صبا کے ساتھ اتنی سی عمر میں بیوہ ہوگئی۔'' بلال احمد نے آئینے کا رخ اس کی طرف موڑ دیا تو وہ دکھ سے گویا ہوئی۔
''خدائی کام کو تم مجھ سے کیسے منسوب کر سکتے ہو بلال احمد۔ صبا بیوہ ہوگئی۔ نشا کو تم کیا کہو گے۔ وہ نہ ماں کی طرح مطلقہ ہے نہ بہن کی طرح بیوہ۔ بیچ منجدھار میں کس اذیت میں کھڑی ہے کچھ اندازہ ہے تمہیں۔''
''ہاں ہے مجھے اندازہ اور میں نے محسن کی تلاش میں......''
''نہیں دینی مجھے محسن کو اپنی بیٹی۔'' وہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے چیخ پڑی۔
''تم اپنی تلاش جاری رکھو مل جائے محسن تو اس سے کہنا میری بیٹی کو آزاد کر دے۔ ساری زندگی اس بیمار کے ساتھ سسکنے سے بہتر ہے کہ نشا ماں کی طرح مطلقہ ہو کر بیٹھ جائے۔''
''تم......'' انتہائی غصے میں بلال احمد اس کی طرف بس شہادت کی انگلی اٹھا سکے۔
''مجھے بس یہی کہنا تھا نشا اب اس گھر میں نہیں جائے گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر پلٹی اور تیز قدموں سے روش پار کرتی گیٹ سے نکل آئی۔ گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی کہ مریم پکارنے کے ساتھ اس سے لپٹ گئی۔
''آنٹی...... آنٹی مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔'' اس نے نا سمجھنے کے انداز میں مریم کا چہرہ دیکھا تو وہ منت سے بولی۔
''آنٹی پلیز میں یہاں رہی تو مر جاؤں گی۔ مم...... میں آپ پر بوجھ نہیں بنوں گی۔ خود دیکھ بھال کر لوں گی مجھے یہاں سے لے چلیں۔'' ثریا کو وہ مریم نہیں نشا لگ رہی تھی۔ روتی گڑگڑاتی۔ انتہائی تاسف سے اس نے بلال احمد کے بنگلے پر نظر ڈالی پھر مریم کی پیشانی چوم کر اسے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھا لیا۔
تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ مریم کو اپنے ساتھ لگائے گھر میں داخل ہوئی تو نشا اور صبا پریشان کھڑی تھیں۔ وہ سمجھ گئی نشا نے اسے نہ پا کر صبا کو کال کی ہوگی۔
''امی آپ......'' وہ دونوں اس کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گئیں۔ اور سوالیہ نظروں سے پہلے مریم پھر ثریا کو دیکھنے لگیں تو ثریا نے خود کو بے حد نارمل پوز کر کے پوچھا۔
''ناشتہ کر لیا تم لوگوں نے؟''
''جی ہاں جو کچھ آپ بنا گئی تھیں وہ سب کھا لیا ہم نے۔'' صبا چبا کر بولتے ہوئے یک دم گھبرائی۔
''حد کرتی ہیں آپ۔ سویرے سویرے بغیر بتائے کہاں چلی گئی تھیں؟ کچھ اندازہ ہے ہم کتنی پریشان ہوئیں اور یہ ڈرائیور کا فون کیوں بند تھا؟''
''میں نے بند کروایا تھا۔'' ثریا کے سکون پر وہ مزید تلملا گئی۔
''کیوں؟''
''کیونکہ مجھے زیادہ دیر کہیں نہیں رکنا تھا اور تم یہ سوال جواب چھوڑو۔ ناشتہ بناؤ مریم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ بھوک لگی ہوگی اسے۔'' ثریا نے ایک طرح سے ان دونوں کو مریم کا احساس دلایا۔ صبا نے نشا کو دیکھا تو وہ فوراً کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''تم بھی جاؤ۔'' ثریا نے اس سے کہا۔
''نہیں میں مریم کے ساتھ بیٹھوں گی۔ آؤ مریم۔'' صبا مریم کو لے کر لاؤنج میں جا بیٹھی تو ثریا نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔



سرمئی شام تاریکی میں ڈوب رہی تھی۔ لیکن اسے احساس نہیں تھا۔ وہ کب سے برآمدے کی سیڑھیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کبھی نشا کو سوچتی کبھی مریم کو۔ ثریا نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ بلال احمد کے پاس گئی تھی۔ بس یہی کہا تھا وہ مریم کو لینے گئی تھی۔ اور اگر اس وقت مریم اس کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید وہ ثریا کی بات کا یقین نہ کرتی۔ پھر اسے زیادہ کرید نے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔ وہ مریم کے ساتھ بیٹھی تو مریم نے اپنی داستان چھیڑ دی تھی کہ وہ ریان کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔ لیکن بلال احمد اس پر راضی نہیں اور انہوں نے مریم کی شادی اپنے کسی دوست کے بیٹے کے ساتھ طے کر دی تھی اور مریم کے گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی تھی۔
یعنی وہ اس کے ساتھ زبردستی کر رہے تھے۔ پھر مریم نے اس کی منت کی تھی کہ وہ اس کی مدد کرے۔ ورنہ اگر اس کی شادی ریان کے علاوہ کسی اور سے ہوئی تو وہ زہر کھا لے گی۔ اس نے مریم کو نہ صرف تسلی دی بلکہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اس کی شادی ریان سے کرا دے گی اور اس وقت سے جہاں وہ مریم اور کبھی نشا کو سوچتی وہاں اسے اپنے باپ بلال احمد پر حیرت کے ساتھ افسوس ہوتا کہ وہ کیسا باپ ہے جسے اولاد کی خوشی میں خوش ہونے کی پرواہی نہیں۔ بہر حال بڑی بہن ہونے کے ناتے وہ محسوس کر رہی تھی کہ اس پر نشا اور اب مریم کی ذمہ داری بھی آن پڑی ہے اور اس معاملے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ اسے پتا ہی نہیں چلا کب آصف جاہ آ کر اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔
''پریشان ہو؟'' کتنی دیر بعد آصف جاہ نے اسے مخاطب کیے بغیر پوچھا۔
''ہاں......'' وہ بے دھیانی میں کہہ کر پھر ایک دم اسے دیکھنے لگی تو وہ انجان سا بن گیا۔
''تم کب آئے؟'' وہ اپنی بے خبری پر حیران ہوئی۔
''میں کب آیا کب گیا بس آپ یہ روٹین کے جملے چھوڑ دو۔ کام کی بات کرو۔'' آصف جاہ نے آپ سے تم کا فاصلہ سمیٹ کر جانے اسے کیا جتایا تھا۔
''کام کی بات؟'' وہ سوالیہ نشان بنی۔
''ہاں میں پاگل ہوں جو میں نے خود کو تمہارے لیے وقف کر دیا ہے۔ اپنے آپ جانے کیا کچھ سوچتا رہتا ہوں اور تم ہو کہ زبردستی خود پر اجنبیت کا خول چڑھائے پھرتی ہو۔ دم نہیں گھٹتا تمہارا۔''
''گھٹتا ہے۔'' مجرمانہ سا اعتراف تھا۔ آصف جاہ ایک دم خاموش ہو کر اسے دیکھے گیا۔ پھر دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔
''سنو......اپنے سارے دکھ ساری پریشانیاں مجھے دے دو۔'' وہ خاموش رہی تو کہنے لگا۔
''میں جانتا ہوں۔ تم بہت بہادر لڑکی ہو۔ تنہا ساری دنیا سے لڑ سکتی ہو۔ اس لیے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا سہارا بننا چاہتا ہوں۔ بلکہ مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔'' صبا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو فوراً بولا۔
''اب تم خود کو بہت بڑا امت سمجھنے لگنا۔'' اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف موڑا تو وہ زچ ہو گیا۔
''پلیز صبا......بتاؤ کیا پریشانی ہے۔'' پھر سمجھانے کا انداز اختیار کیا۔
''دیکھو میرے پاس کوئی بوتل کا جن نہیں ہے جو دعویٰ کروں کہ آج کے آج ہی تمہیں ہر پریشانی سے نکال لوں گا لیکن کوشش تو کر سکتا ہوں۔''
''میں اپنی بہنوں کے لیے پریشان ہوں۔'' صبا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تو اس نے کچھ دیر انتظار کیا کہ وہ مزید کچھ کہے گی۔ لیکن وہ خاموش تھی۔
''بہنوں کے لیے......کیا مسئلہ ہے ان کے ساتھ؟'' آخر اسے پوچھنا پڑا تو صبا نے پہلے محسن کے بارے میں بتایا کہ وہ کہیں چلا گیا ہے اسے تلاش کرنا ہے۔ پھر مریم کا بتا کر کہنے لگی۔
''مجھے ریان کے بارے میں ساری معلومات چاہیے۔ کون ہے' کہاں رہتا ہے' کیا کرتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔''

''اوکے میم یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ تم مجھے ریان کا ایڈریس دو۔ میں کل ہی تمہیں اس کا پورا بائیو ڈیٹا لا دوں گا۔'' آصف جاہ نے کہا تو وہ پوچھنے لگی۔

''اور محسن؟''

''محسن بھی مل جائے گا ان شاء اللہ.....'' وہ کہہ کر سوچتے انداز میں پوچھنے لگا۔

''محسن وہی ہے ناں...... دبلا پتلا لمبا سا۔''

''ہوں......'' وہ اثبات میں سر ہلا گی۔



مریم کے آنے سے گھر میں کچھ چہل پہل ہو گئی تھی۔ نشا تو بولتی ہی نہیں تھی وہی ثریا کے ساتھ لگی رہتی۔ کام کاج میں۔ اس کا ہاتھ بٹاتی پر جب فارغ ہوتی تو نشا کے پاس بیٹھ جاتی اور زبردستی اسے بولنے پر مجبور کرتی۔ ایک وہ وقت تھا جب مریم گم صم رہتی تھی تو نشا اسے سمجھاتی۔ اب وہ نشا کو سمجھا رہی تھی۔

''میں مانتی ہوں نشا تمہارا دکھ بہت بڑا ہے۔ لیکن تمہیں ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہیے۔ کم از کم آنٹی کا ہی خیال کرلو۔ وہ بے چاری ہر وقت تمہاری فکر میں رہتی ہیں۔''

''مونی نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ جس دکھ میں بیٹھی تھی وہ ہی زبان پر آ گیا۔

''یہ تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آ جائیں مونی بھائی تو میں ان سے بہت لڑوں گی۔ لے کر سب کو پریشان کر دیا اور بے چاری تائی امی تو......'' مریم بولتے بولتے ایک دم خاموش ہوئی پھر کہنے لگی۔

''جب مونی بھائی کو تائی امی کا پتا چلے گا تو انہیں کتنا دکھ ہوگا۔''

''مونی آ جائے گا ناں......؟'' وہ پتا نہیں مریم کی باتیں سن بھی رہی تھی کہ نہیں۔

''بالکل آئیں گے۔ میرا دل کہتا ہے۔ کسی دن مونی بھائی چپکے سے آ جائیں گے۔ تمہارے لیے ڈھیروں......'' نشا کا سیل فون بجنے سے مریم کی بات ادھوری رہ گئی۔

''تایا ابو......'' اسکرین پر بلال احمد کا نام دیکھ کر نشا نے فوراً کال لی۔

''السلام علیکم تایا ابو۔''

''خوش رہو......'' جلال احمد نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ وہ پوچھنے لگی۔

''آپ کیسے ہیں تایا ابو؟''

''اب تو بالکل ٹھیک ہوں بیٹا۔ کیونکہ مونی آ گیا ہے۔'' جلال احمد نے کہا تو وہ ایک دم بے قابو ہوئی۔

''مونی آ گیا ہے سچ تایا ابو......!''

''دیکھا میں نے کہا تھا ناں......'' ادھر مریم اچھلنے لگی تو وہ ہاتھ سے اسے رکنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''جی تایا ابو میں آ رہی ہوں۔ ابھی آ رہی ہوں۔'' وہ سیل فون رکھ کر مریم سے لپٹ گئی۔ اس کے آنسو ایک تواتر سے بہہ نکلے تھے۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔'' مریم نے کہا تو وہ اس سے الگ ہو کر بولی۔

''ہاں ہاں چلو۔ امی......امی کہاں ہیں؟'' امی وہ پکارنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر پہنچ جائے۔

''کیا بات ہے؟'' اس کی پکار پر ثریا آئی تھی۔

''امی......'' وہ بھاگ کر ثریا سے لپٹ گئی۔

''امی مونی آ گیا ہے ابھی تایا ابو کا فون آیا ہے۔ مونی آ گیا ہے امی۔ میں جا رہی ہوں۔''

''نہیں......'' ثریا نے اسے خود سے الگ کیا۔ پھر سپاٹ لہجے میں بولی۔

''محسن آ گیا ہے تو اسے کہو کہ یہاں آ جائے۔''

''یہاں......!'' وہ ثریا کے انداز سے چونکی۔

''یہاں بھی آ جائے گا امی۔ ابھی تایا ابو نے بتایا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ نہیں آ سکے گا۔''

’’تو تمہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ ثریا نے سخت لہجے میں کہا تو وہ مریم کو دیکھنے لگی۔

’’آنٹی آپ کیوں منع کر رہی ہیں؟‘‘ ثریا نے مریم کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ کہنے لگی۔

’’میں جاؤں گی امی۔ مجھے جانا چاہیے۔ مجھ سے زیادہ مونی کا خیال کوئی نہیں کر سکتا۔ تم پھر آ جانا مریم۔ ابھی میں جا رہی ہوں۔‘‘ وہ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھی تھی تو ثریا پکار کر بولی۔

’’نشا جا رہی ہو تو پلٹ کر مت دیکھنا۔ سمجھ لینا تمہاری ماں مر گئی۔‘‘

’’امی......!‘‘ نشا اپنی جگہ سن ہو گئی تھی۔

(جاری ہے)

# تیرے عشق نچایا......نگہت عبداللہ

## (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

صبا پر گزرنے والے سانحے کا آصف جاہ کو بہت افسوس ہوتا ہے وہ اپنے طور اس کی ہر ممکن مدد کرنے کی سعی میں رہتا ہے اور صبا بھی آصف جاہ پر نہ صرف اعتبار کرنے لگتی ہے بلکہ اپنے بہت سے مسائل اس سے شیئر کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ ایسے میں جاذب کی آمد صبا کو ناگوار گزرتی ہے۔ وہ آج بھی اپنی ماں کے کہنے پر اس کی جانب بڑھتا ہے۔ دوسری طرف راحیلہ خاتون جاذب اور صبا کی شادی کی بات کرنے کی غرض سے ثریا کے پاس پہنچ جاتی ہیں بھائی بھاوج کی جانب سے اس رشتے کا سن کر ثریا بے حد خوش ہوتی ہے لیکن صبا یہ سب جان کر دنگ رہ جاتی ہے وہ کسی طور اپنی توہین بھلا کر اس رشتے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ نشاء مونی کی گمشدگی کے متعلق ثریا کو آگاہ نہیں کرتی لیکن صبا اس معاملے کی کھوج کی خاطر نشاء کو لے کر کندن کے پاس پہنچ جاتی ہے اور وہاں کندن کی زبانی اسے نشاء اور احسن کی محبت میں ناکامی اور محسن کے رویے کی اصل وجہ سمجھ آتی ہے ان انکشافات پر نشاء دم بخود رہ جاتی ہے دوسری طرف صبا کے لیے بھی یہ حقیقت ناقابل یقین ہوتی ہے نشاء بالآخر صبا کو اعتماد میں لے کر اپنے ماضی کے تمام باب اس پر کھول دیتی ہے۔ صبا کی زبانی یہ تمام باتیں ثریا کے علم میں آجاتی ہیں اور اپنی بیٹی کی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار وہ بلاول احمد کو ٹھہراتی اس سے جواب طلب کرتی ہے ساتھ ہی نشاء اور محسن کی علیحدگی کی بات کرتے مریم کو اپنے ساتھ لے آتی ہے۔ احسن اپنے طور محسن کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہر جگہ ناکامی اس کا مقدر بنتی ہے ایسے میں جلال احمد کے کہنے پر وہ نشاء کو لینے گھر جاتا ہے لیکن وہ تانیہ کی باتوں کو لے کر وہاں جانے سے انکار کردیتی ہے اور اپنی واپسی کو محسن کے ساتھ مشروط کردیتی ہے ایسے میں احسن کا انداز اس کے لیے خفگی لیے ہوتا ہے لیکن وہ پروا نہیں کرتی، جلال احمد فون پر نشاء سے بات کرتے اسے محسن کی واپسی کی اطلاع دیتے ہیں یہ خبر سن کر وہ نہایت خوش ہوتی ہے اور گھر جانے کی تیاری کرتی ہے لیکن ثریا اسے گھر بھیجنے پر آمادہ نہیں ہوتی، ثریا کے رویے کی یہ تلخی نشاء کو گھائل کر ڈالتی ہے۔

## (اب آگے پڑھیے)



ثریا نے مزید کچھ نہیں کہا اور یہ محسوس کرنے کے باوجود کہ نشاء زیادہ دیر اپنے پیروں پر کھڑی نہیں رہ سکے گی کمرے سے نکل گئی تب مریم نے بھاگ کر نشاء کو تھاما تھا۔

''کیا ہوگیا ہے آنٹی کو۔'' مریم اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''انہوں نے ایسا کیوں کیا؟'' نشاء نے خالی نظروں سے اسے دیکھا پھر گھٹنوں پر پیشانی رکھ کر رو پڑی۔

''نشاء پلیز تم رو نہیں میں مونی بھائی کو فون کرتی ہوں وہ آجائیں گے۔'' مریم پریشان ہوئی۔

''نہیں مریم، مونی نہیں آسکے گا، تایا ابو بتارہے تھے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''تمہیں تو پتا ہے مونی کی طبیعت کا اچانک ڈھے جاتا ہے۔''

''ہوں، تمہیں ایسے وقت میں ان کے پاس ہونا چاہیے لیکن آنٹی کیوں منع کررہی ہیں۔'' مریم سمجھ نہیں پارہی تھی اور اسے یہ خیال تھا کہ شاید ثریا کو اس بات کا غصہ ہے کہ اس نے انہیں اپنے حالات سے بے خبر کیوں رکھا جو بھی تھا وہ بہرحال ثریا کو بھی ناراض نہیں کرسکتی تھی جب ہی خود کو انتہائی بے بس محسوس کرکے کہنے لگی۔

''ایسا کرو مریم تم چلی جاؤ، مونی کو دیکھ آؤ اور اس سے کہنا......'' مریم بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

''میں کیسے جاسکتی ہوں نشاء وہاں ابو بھی ضرور ہوں گے پھر وہ مجھے آنے نہیں دیں گے۔'' نشاء اس کی بات سن کر خاموش ہورہی۔

''ایسا کرو صبا آپی سے کہو وہ مونی بھائی کو لے بھی آئیں گی۔'' مریم نے کہا تو پُرسوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے نشاء نے اثبات میں سر ہلایا۔



وہ پورے دھیان سے آصف جاہ کی بات سن رہی تھی جو ریان کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ریان کو اس اپارٹمنٹ میں رہتے ہوئے تقریباً پانچ سال ہوگئے ہیں اکیلا رہتا ہے ایک ملٹی نیشنل فرم میں منیجر کی پوسٹ پر ہے اچھا سلجھا ہوا لڑکا ہے میں نے اس کے آس پاس رہنے والوں سے بھی اس کے بارے میں معلوم کیا ہے۔ اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں

دیکھی گئی نہ ہی اس کے اپارٹمنٹ میں زیادہ لوگوں کا آنا جانا ہے جیسا کہ عموماً اکیلے لڑکوں کے پاس فارغ دوستوں کا جمگھٹا رہتا ہے وہ ایسا نہیں ہے۔''

''ہوں......'' صبا نے اپنے اندر اطمینان اترتا محسوس کیا اور ایسی ہی سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی تھی۔

''اور محسن کے لیے......'' آصف جاہ نے ابھی اسی قدر کہا تھا کہ صبا کا سیل فون بجنے لگا۔ وہ نظر انداز کرنا چاہتی تھی لیکن اسکرین پر مریم کا نام دیکھ کر اس نے ایکسکیوزمی کہتے ہوئے کال ریسیو کی۔

''ہاں مریم کیسی ہو؟'' دوسری طرف مریم بولنا شروع ہوگئی تو آصف جاہ کی موجودگی کے باعث اس نے زیادہ سوال جواب کرنے سے گریز کیا اور جب سیل فون رکھا تو اس کے چہرے پر مختلف کیفیات کا عکس ایک ساتھ رقصاں تھا۔

''خیریت؟'' آصف جاہ پوچھے بنا رہ نہیں سکا۔

''ہاں۔'' وہ یک دم متحرک ہوگئی۔ ''ایسا ہے آصف کہ مجھے ابھی ایک ضروری کام سے جانا ہے میں پھر تم سے بات کروں گی۔''

''میں تمہارے ساتھ چلوں۔'' وہ اس کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔

''نہیں تم بنٹی کے پاس رک سکتے ہو۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل آئی۔ اس کا ذہن مختلف باتوں میں الجھ رہا تھا اور وہ کسی ایک بات پر گرفت کرنے سے قصداً گریز کر رہی تھی کیونکہ وہ پہلے محسن سے ملنا چاہتی تھی اس لیے ساری سوچوں پر بند باندھ کر تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے جلال احمد کے گھر میں قدم رکھا تو پہلے مرحلے پر ایسے کوئی آثار نظر نہیں آئے جس سے پتا چلتا کہ کوئی بچھڑا آن ملا ہے جس سے وہ ٹھٹک کر کچھ دیر لاؤنج میں ہی کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر جلال احمد کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''السلام علیکم تایا ابو۔''

''وعلیکم السلام۔'' جلال احمد کی نظریں اس کے پیچھے دیکھنے لگیں۔

''کیسے ہیں تایا ابو؟'' وہ ان کے قریب آئی تب انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''نشاء کہاں ہے؟''

''نشاء......'' وہ انجان بن کر بولی تھی۔ ''میں تو اپنے گھر سے آ رہی ہوں تایا ابو۔''

''اچھا نشاء نے بھی ابھی آنے کو کہا ہے میں سمجھا شاید تمہارے ساتھ......''

''اگر مجھے پتا ہوتا تو میں اسے ساتھ لیتی آتی۔'' وہ کہہ کر بظاہر سادگی سے پوچھنے لگی۔

''محسن کا کچھ پتا چلا تایا ابو۔''

''نہیں۔'' جلال احمد کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا اور وہ مزید الجھ گئی کہ آخر نشاء سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔

''تایا ابو نشاء کو اگر محسن نہ ملا تو وہ مر جائے گی۔'' وہ اپنی بات پر خود حیران ہوئی کیونکہ وہ تو کچھ اور کہنے جا رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں بیٹا اور مجھے حیرت محسن پر ہے وہ بھی تو نشاء کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا پھر پتا نہیں......'' جلال احمد کا لہجہ ٹوٹ گیا تو وہ جو اس سب کو ان کی کوئی نئی چال سمجھ رہی تھی بے اختیار ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''اپنی ماں کو سمجھاؤ بیٹا۔'' قدرے رک کر جلال احمد کہنے لگے۔ ''وہ کہتی ہے نشاء اب اس گھر میں نہیں آئے گی۔ محسن اسے طلاق دے دے۔''

''طلاق۔'' وہ چکرا گئی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تایا ابو۔ امی ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں؟''

''یہی کہا ہے تمہاری ماں نے بلال سے کیا نشاء کی بھی یہی مرضی ہے۔'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا پھر خود ہی نفی میں سر ہلا کر کہنے لگے۔ ''نہیں میرا نہیں خیال کہ نشاء ایسا سوچ سکتی ہے ابھی میں نے اس بچی سے جھوٹ کہا کہ محسن آ گیا ہے اگر وہ اس سے متنفر ہوتی تو آنے کی بات کبھی نہ کرتی۔''

''تو آپ نے نشاء کی مرضی جاننے کے لیے اس سے جھوٹ کہا۔'' وہ سراسیمہ تھی جلال احمد نے اثبات میں سر ہلایا پھر رونے لگے تو وہ پریشان ہوگئی۔

''تایا ابو آپ روئیں تو نہیں۔''

''تو کیا کروں کتنا ظلم ہوا میری بچی پر پہلے میں خود غرض بن گیا تھا احسن کے بجائے اسے مونی سے بیاہ دیا اور جب وہ دل سے مونی کی

بن گئی تو وہ اسے چھوڑ کر جانے کہاں چلا گیا ہم سب...... ہم سب مجرم ہیں اس کے اسے بلاؤ میں اس سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔'' وہ روتے ہوئے بول رہے تھے۔

''نہیں تایا ابو، آپ معافی کیوں مانگیں گے آپ کا فیصلہ غلط نہیں تھا نشاء مونی کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے۔'' اس کے لیے یہی بہت تھا کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا پھر جب نشاء انہیں بری الذمہ قرار دے چکی تھی تو وہ کیوں گرفت کرتی۔

''تمہاری ماں......!'' انہوں نے اسی قدر کہا تھا کہ وہ بول پڑی۔

''امی کو میں سمجھالوں گی آپ فکر نہ کریں۔'' جلال احمد ممنون نظروں سے اسے دیکھنے لگے تو وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔



راحیلہ خاتون کو صبا سے کوئی غرض نہیں تھی ایک تو اس کی دولت دوسرے وہ اس کے ذریعے سے آصف جاہ تک پہنچنا چاہتی تھیں جس پر نگار کا دل آ گیا تھا گو کہ نگار کی منگنی ہو چکی تھی بلکہ اب تو شادی بھی طے ہونے والی تھی لیکن جب سے نگار نے آصف جاہ کو دیکھا تھا وہ اسی سے شادی پر بضد تھی اور یہ سارا پلان اس کا تھا کہ اگر راحیلہ خاتون جاذب کی شادی صبا سے کر دیں تو نگار کا راستہ صاف ہو جائے گا یوں بیٹی کی خاطر راحیلہ خاتون مان گئی تھیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ جاذب کے رشتے سے انکار نہیں ہوگا کیونکہ ان کی سوچ محدود تھی کہ آج کل کنواری لڑکیوں کو رشتے نہیں ملتے کہاں بیوہ ان کے خیال میں ثریا اور صبا کی تو جیسے لاٹری نکل آئے گی اسی خوش فہمی میں مبتلا وہ اس وقت نگار کے ساتھ ثریا کے پاس آئی تھیں تا کہ ان سے جواب لے سکیں۔ ثریا اپنی پریشانیوں میں گھری تھی لیکن اس نے راحیلہ خاتون پر کچھ ظاہر نہیں کیا اور ہمیشہ کی طرح خوش ہو کر ملی پھر فوراً مریم کو پکار کر اسکوائش لانے کو کہا تو راحیلہ خاتون مریم کو دیکھ کر چونک کر پوچھنے لگیں۔

''یہ لڑکی کون ہے شاید میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔''

''جی بھابی صبا کے گھر میں دیکھا ہوگا جب صبا کے میاں کا انتقال ہوا تھا۔'' ثریا نے بتایا تو وہ ناگواری سے بولیں۔

''ہو سکتا ہے لیکن یہ ہے کون؟''

''صبا اور نشاء کی بہن ہے ابھی نشاء یہیں ہے تو اس کے پاس آئی ہوئی ہے۔'' ثریا نے سہولت سے بات بنائی۔

''اوہ تو سوتیلی بہن ہے صبا کی بھئی تمہارا حوصلہ ہے کیسے برداشت کرتی ہو اسے۔'' راحیلہ بیگم اپنی فطرت سے مجبور تھیں تب ہی مریم اسکوائش لے آئی تو ثریا اس سے مخاطب ہوئی۔

''بیٹا یہ نشاء کی ممانی ہیں اور یہ ان کی بیٹی نگار۔''

''السلام علیکم۔'' مریم سلام کر کے ثریا سے پوچھنے لگی۔ ''نشاء کو اٹھا دوں آنٹی؟''

''نہیں سونے دو اسے۔'' ثریا سے پہلے راحیلہ خاتون بول پڑیں تو مریم چپ چاپ کمرے میں چلی گئی۔

''صبا کا بتائیں پھوپو کیسی ہے؟'' نگار نے اسکوائش کا گلاس اٹھاتے ہوئے یوں چہک کر کہا جیسے واقعی صبا اس کی بھابی بننے والی ہو۔

''ٹھیک ہے۔'' ثریا کے مختصر جواب پر راحیلہ خاتون نے بغور اس کا چہرہ دیکھا پھر فوراً اصل بات پر آ گئیں۔

''ہاں تو کیا سوچا تم نے میرا مطلب ہے صبا سے رشتے کی بات تو کر لی ہو گی تم نے؟''

''جی......!'' ثریا کی بات اب بھی مختصر تھی۔

''پھر کیا کہا اس نے۔'' راحیلہ بیگم کا ڈپریشن بڑھنے لگا ثریا نے ایک نظر نگار کو دیکھا پھر نفی میں سر ہلا کر کہنے لگی۔

''مجھے افسوس ہے بھابی، صبا نہیں مانی۔''

''نہیں مانی، مطلب شادی پر نہیں مانی یا......!''

''اس رشتے پر نہیں مانی۔'' ثریا نے ان کی بات پوری کی تو نگار اچھل کر بولی۔

''کیوں پھوپو وہ دونوں تو ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور دیکھیں جاذب نے ابھی تک شادی نہیں کی۔''

''وہ وقت گزر گیا بیٹا۔'' ثریا اس بات کو طول نہیں دینا چاہتی تھی اور راحیلہ خاتون کا بس نہیں چل رہا تھا ساری مصلحتیں ایک طرف رکھ کر پہلے کی طرح ثریا کو کھری کھری سنا دیں، بمشکل خود پر جبر کر کے کہنے لگیں۔

''وقت گزر گیا لیکن جاذب تو وہی ہے ابھی بھی اس کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ جب ہی تو اس نے صبا کے شادی شدہ اور پھر بیوہ ہونے پر اعتراض نہیں کیا...... پھر صبا کو کیا اعتراض ہے؟''

''بس بھابی رہنے دیں یہ ساری باتیں، صبا ماشاءاللہ خود سمجھدار ہے۔ وہ جب مناسب سمجھے گی اپنے لیے سوچ لے گی میں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتی۔'' ثریا اپنی طرف سے بات ختم کردی۔

''جاذب کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کی شادی کردیں۔''

''وہ تو میں آج ہی کردوں جاذب مانے تب ناں، وہ تو صبا کے علاوہ کسی کا نام ہی نہیں سننا چاہتا۔'' راحیلہ خاتون نے اب جاذب کو آلہ بنایا تھا نگار نے فوراً ان کی تاکید کی۔

''ہاں پھوپو جاذب کہہ رہا تھا صبا نہ ملی تو میں خودکشی کرلوں گا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' ثریا دہل گئی اور کلیجے پر ہاتھ رکھ' تو راحیلہ خاتون کے بھی پڑا تھا جب ہی انہیں رونے کا موقع مل گیا۔

''میرا ایک ہی بیٹا ہے۔''

''اللہ اسے سلامت رکھے بھابی، آپ روئیں نہیں میں سمجھاؤں گی جاذب کو یہ سب تو قسمت کے کھیل ہیں ہم اور آپ کیا کرسکتے ہیں۔''

''آپ صبا کو سمجھا تو سکتی ہیں پھوپو بے شک اسے اور رشتے مل جائیں گے لیکن جاذب جیسا محبت کرنے والا تو نہیں ملے گا ناں۔'' نگار ہر صورت ثریا کو قائل کرنا چاہتی تھی تب ہی تو اس کی بات بن سکتی تھی۔

''اب یہ اس کی قسمت۔'' ثریا نے گویا صاف جواب دے دیا راحیلہ بیگم اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئیں لیکن نگار نے ہار نہیں مانی۔

''میں بات کروں گی صبا سے۔''

''بیٹا جب اس نے اپنی ماں کی نہیں مانی تو تمہاری کہاں سنے گی۔'' راحیلہ بیگم نے دلبرداشتہ ہونے کی ایکٹنگ کے ساتھ نگار کو گھورا بھی تھا پھر ثریا سے بولیں۔

''ٹھیک کہتی ہو تم یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔''



سہ پہر ڈھلتے ہی گرمی کا زور ٹوٹ گیا تھا گوکہ آسمان صاف تھا لیکن ہوا چلنے لگی تھی۔ آصف جاہ بنٹی کی وہیل چیئر دھکیلتا ہوا اسے لان میں لے آیا تو وہ ڈرائیو وے پر صبا کی گاڑی نہ دیکھ کر قدرے اچنبھے میں گھرا۔

''صبا ابھی تک نہیں آئی۔''

''وہ اپنی امی کے گھر ہوں گی۔'' بنٹی نے کہا تو وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے بولا۔

''یار یہ تمہاری صبا آپی کچھ زیادہ نہیں میکے جانے لگیں......''

''کیا کریں وہ بے چاری بھی بور ہوجاتی ہیں سچ آصف بھائی کبھی کبھی تو مجھے ان پر بہت ترس آتا ہے۔'' بنٹی صاف دل کا حساس لڑکا تھا۔

''ترس کیوں؟'' آصف جاہ بظاہر بے نیاز بنا۔

''ظاہر ہے وہ اتنی ینگ ہیں پاپا کے بعد اکیلی ہوگئی ہیں اور اس عرصے میں، میں نے دیکھا ہے ان کی کوئی دوست بھی نہیں ہے ایسے کب تک رہیں گی وہ۔'' بنٹی سوچتے انداز میں بول رہا تھا آصف جاہ نے کنکھیوں سے اسے دیکھا پھر بولا۔

''ہاں یہ تو سوچنے کی بات ہے۔''

''ایک بات کہوں آصف بھائی۔'' قدرے رک کر بنٹی نے اچانک اسے دیکھ کر کہا تو اس کی طرف متوجہ ہوتے ہی وہ سوالیہ نشان بنا۔

''کہنا تو میں صبا آپی سے بھی چاہتا ہوں لیکن ہمت نہیں ہوتی کہ پتا نہیں وہ کیا سمجھیں۔''

''کیا بات؟'' آصف جاہ نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

''میں چاہتا ہوں صبا آپی شادی کرلیں۔'' بنٹی نے حقیقتاً آصف جاہ کے دل کی بات کردی تھی جب ہی اسے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔

''بالکل ٹھیک، تمہیں یہ بات صبا سے ضرور کہنی چاہیے۔''

''اگر انہوں نے برا مانا تو......؟'' بنٹی کی سادگی پر وہ ہنس کر کہنے لگا۔

''برا مانے تو تم پھر یہی بات کہنا۔ پھر برا مانے پھر یہی بات کہنا جب تک وہ مان نہ جائے تم کہتے رہنا۔''

''آپ مذاق کر رہے ہیں۔'' بنٹی کو اس کے ہنسنے سے شاید ایسا لگا تھا۔
''بالکل نہیں۔'' وہ ایک دم سنجیدہ ہوا۔ ''تم بالکل ٹھیک سوچ رہے ہو بنٹی۔ اصل میں لڑکیاں جذباتی ہوتی ہیں دوبارہ شادی نہ کرنے کا سوچ تو لیتی ہیں لیکن جب وقت گزر جاتا ہے تب نہ صرف پچھتاتی ہیں بلکہ پھر جیسا بھی مل جائے اس سے شادی کر لیتی ہیں تم صبا پر ایسا وقت آنے ہی مت دو۔''
''ہوں......'' بنٹی نے تائید میں سر ہلایا پھر پوچھنے لگا۔ ''کیا کہوں میں ان سے۔''
''یہی کہ وہ اپنے بارے میں سوچے بلکہ یہ کہو کہ تم ان کی شادی کرنا چاہتے ہو۔'' اس نے جوش میں آ کر بنٹی کو اکسایا۔
''کہہ تو دوں اور جو وہ پوچھیں کس سے تو؟''
''مجھ سے......!'' آصف جاہ اسی جوش میں دونوں ہاتھوں سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہی وہیں جم گیا غالباً احساس ہو گیا تھا کہ کچھ غلط کہہ گیا ہے بنٹی چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر پوچھنے لگا۔
''آر یو سیریس آصف بھائی۔''
''تمہیں کیا لگتا ہے۔'' اس نے سنبھل کر الٹا بنٹی سے پوچھا۔
''پتا نہیں......!'' بنٹی نے کندھے اچکائے پھر کہنے لگا۔ ''ویسے آصف بھائی ایسا ہو جائے تو بہت ہی اچھا ہو گا۔''
''اگر تمہیں لگ رہا ہے اچھا ہو گا تو پھر سمجھ لو کہ میں سیریس ہوں۔'' اس نے اطمینان سے ہو کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھا تو بنٹی مسکرانے لگا۔ معنی خیز مسکراہٹ تھی وہ جھینپ کر بولا۔
''سنو میں تمہاری خاطر......''
''تو میری خاطر یہ بھی بتا دیں کہ کیا صبا آپی بھی......'' بنٹی نے فوراً اس کی بات پکڑ کر پوچھا تو وہ ہار مان کر بولا۔
''پتا نہیں یار مجھے اس کی سمجھ نہیں آتی، غالباً اس خیال سے خائف ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔''
''لوگ کچھ بھی کہتے رہیں بس آپ صبا آپی کو منائیں۔'' بنٹی نے کہا تو وہ فوراً بولا۔
''میں نہیں تم......تم مناؤ گے اسے۔''
''اچھا کوشش کروں گا۔'' بنٹی نے کہا تو اطمینان سے ہو کر آسمان دیکھنے لگا۔



رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر مریم کو دیکھا وہ اپنے سیل فون پر ریان کے ساتھ چیٹنگ میں مصروف تھی اس کا دل نہیں چاہا اسے ڈسٹرب کرنے کو لیکن ذہن میں اتنے سوال پک رہے تھے کہ وہ رہ نہیں سکی۔
''سنو، صبا نے کیا کہا تھا؟''
''اوفوہ......نشاء۔'' مریم نے سیل فون سینے پر رکھ کر اس کی طرف گردن موڑی۔
''اتنی بار تو بتا چکی ہوں اب آخری بار سن لو، جب میں نے صبا آپی کو فون کیا وہ تایا ابو کے پاس تھیں کہہ رہی تھیں نشاء کو بتا دو محسن نہیں آیا تایا ابو کو وہم ہوا تھا اور انہوں نے جھٹ نشاء کو فون کر ڈالا۔''
''صبا آئی کیوں نہیں۔'' اس کی بے چارگی انتہا کو چھو رہی تھی۔
''کل آنے کو کہا ہے اب پلیز سو جاؤ۔'' مریم کہہ کر دوبارہ سیل فون میں مصروف ہو گئی تو دیوار کی طرف کروٹ لے کر بے آواز آنسوؤں سے روتے روتے جانے کب اسے نیند آئی اور وہ جانے کہاں پہنچ گئی۔
ایک بار پہلے بھی وہ اسی جگہ تھی ننگے پاؤں بھاگتی چلی جا رہی تھی پھر ٹھوکر لگنے سے گرتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔
''موٹی......!'' اس کی سانسوں میں پکار تھی اس نے اِدھر اُدھر دیکھنے کی کوشش کی لیکن اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آیا مریم بھی سو چکی تھی اس کا دل چاہا اٹھ کر ثریا کے کمرے میں جائے اور اس کی آغوش میں چھپ کر سو جائے لیکن اس کی ہمت نہیں ہوئی کیونکہ ثریا اس سے زیادہ بات نہیں کر رہی تھی اور اس نے ثریا کا مان تو رکھ لیا تھا کہ اسے چھوڑ کر نہیں گئی تھی لیکن شاکی ضرور ہو گئی تھی بہرحال اس نے دوبارہ سونے کی کوشش کی لیکن نیند آ کے نہیں دی تب اس نے بستر چھوڑ دیا اور وضو کر کے کلام پاک لے کر لاؤنج میں آ بیٹھی۔ تلاوت سے اس کے دل سکون مل رہا تھا پھر فجر پڑھ کر بھی وہ سوئی نہیں چائے بنا کر ایک کپ چائے نماز پر بیٹھی ثریا کے قریب رکھا اور اپنا کپ لے کر ٹیرس پر آ گئی

دھیرے دھیرے پھیلتے اجالے کے ساتھ سمندر رنگ بدل رہا تھا ساحل پر رات جتنی افراتفری تھی اب اسی قدر خاموشی چھائی تھی اس نے ریلنگ پر جھک کر آس پاس دیکھا کہیں زندگی کے آثار نہیں تھے اسے لگا جیسے پوری کائنات میں اس کے علاوہ کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔

''میں بھی کیوں......؟'' اس نے سوچا تب ہی عقب سے ثریا کی آواز آئی۔

''تم یہاں ہو۔''

''جی......!'' وہ چونک کر پلٹی تو ثریا نظریں چرا کر بولیں۔

''میں سمجھی شاید دوبارہ سو گئی ہو۔''

''آپ کے لیے ناشتہ بناؤں۔'' اس نے یوں پوچھا جیسے وہ انہی کاموں پر مامور ہو۔

''نہیں آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو۔'' ثریا نے چیئر پر بیٹھتے ہوئے اپنے برابر چیئر پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔

''ناراض ہو مجھ سے؟'' ثریا نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں امی۔'' اس کا دل بھر آیا۔

''بیٹا میں تمہاری دشمن نہیں ہوں تمہاری بہتری سوچ رہی ہوں۔'' ثریا نے جتنی نرمی سے کہا اسی طرح اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے اگر تمہیں جانے سے منع کیا تھا تو اس لیے نہیں کہ مجھے تمہارے باپ اور تایا سے کوئی پُرخاش ہے بلکہ میں صرف اور صرف تمہیں بچانا چاہتی ہوں میں برسوں تمہارے لیے تڑپی رہی ہوں اب دوبارہ تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔'' ثریا کی آواز بھرا گئی تو اس نے تڑپ کر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

''میں کہیں نہیں جا رہی امی، آپ کے پاس ہوں اور ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔''

''بیٹیاں ہمیشہ پاس نہیں رہتیں۔'' ثریا اسی قدر کہہ کر خاموش ہو گئی تو وہ ناشتہ بنانے کے بہانے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

''امی میری بہتری سوچ رہی ہیں۔ پتا نہیں انہیں میری بہتری کس بات میں نظر آ رہی ہے۔'' ناشتے کے بعد وہ کمرے میں آ کر لیٹی تو زیادہ دیر سوچ بھی نہیں سکی۔ کیونکہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی فوراً نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

جب صبا آئی تو وہ گہری نیند میں تھی صبا کو یہ غنیمت لگا کیونکہ وہ اس کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتی تھی پھر مریم کو کچن میں مصروف کر کے اس نے ثریا کو گھیرا۔

''آپ نے ابو سے کیا کہا ہے نشاء کے بارے میں؟'' اس نے پوچھا تو ثریا کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کیوں؟''

''آپ میری بات کا جواب دیں۔ نشاء کے لیے طلاق کا مطالبہ کر آئی ہیں۔ کیوں امی؟ ایسا کیسے سوچ لیا آپ نے۔''

''کیوں نہ سوچوں۔ لمحہ لمحہ مرنے کے لیے چھوڑ دوں میں اپنی بیٹی کو وہاں......!'' ثریا تیز آواز میں بولیں۔

''کوئی لمحہ لمحہ نہیں مر رہی نشاء...... ہاں مونی کے بغیر ضرور مر جائے گی۔'' صبا نے زچ ہو کر کہا تو ثریا سر جھٹک کر بولی۔

''یہ سب فضول باتیں ہیں کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا۔''

''ناممکن آپ لیکن میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی اور آپ نے کس بنیاد پر ایسا سوچ لیا ہمارے سر پر باپ کا سایہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بھائی کوئی ہے نہیں جس کی بیوی کی چاکری کر کے نشاء زندگی کے دن پورے کرے گی۔''

''صبا......!'' ثریا نے تلملا کر اسے ٹوکا۔

''میں غلط نہیں کہہ رہی امی، پھر آپ زبردستی نشاء پر اپنا فیصلہ مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔ وہاں بھی اس کے ساتھ زبردستی ہوئی یہاں بھی تو پھر کیا فرق رہ جائے گا وہاں اور یہاں میں۔'' اس نے ثریا کو سمجھانے کی سعی کی۔

''تو محسن نشاء کو چھوڑ کر کیوں گیا؟'' ثریا نے دوسرا نقطہ اٹھایا۔

''وہ چھوڑ کر نہیں گیا، خود سے عاجز ہو کر گیا ہے اسے بھی یہی دکھ تھا کہ ہیکے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ آپ اس سے ملی نہیں امی وہ بہت اچھا ہے بہت حساس بہت محبت کرنے والا تھا اور نشاء کو دیکھیں اس سے دوری سہہ نہیں پا رہی، پلیز امی آپ نشاء کو مت روکیں۔ جانے

دیں اسے اس کے گھر۔‘‘ آخر میں وہ عاجزی سے بول رہی تھی کہ نشاء کی زوردار چیخ نے سارے گھر کو ہلا ڈالا۔

’’مونی......‘‘

’’نشاء۔‘‘ ثریا سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھی اور اس سے پہلے صبا بھاگ کر نشاء کے کمرے میں آئی تھی۔

’’نشاء کیا ہوا نشاء؟‘‘ اس نے لمبے لمبے سانس کھینچتی نشاء کو دونوں کندھوں سے تھام کر جھنجوڑا تو اس کے ہونٹوں نے پھر اسی نام کو چھوا تھا۔

’’مونی۔‘‘

’’آ جائے گا مونی۔‘‘ صبا نے نرمی سے اس کا گال چھو کر کہا تو وہ خائف نظروں سے ثریا کو دیکھنے لگی جو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی کہ اس کے پیچھے مریم کو اندر آنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔

’’تم شاید خواب میں......‘‘ صبا اس قدر بولی تھی کہ نشاء فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

’’ہاں مونی وہاں ہے وہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے مونی وہیں ہو گا، تم مجھے لے چلو صبا پلیز مجھے مونی کے پاس لے چلو۔‘‘ نشاء بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو تب ثریا سے رہا نہیں گیا فوراً آ کر اسے بانہوں میں لے لیا۔

’’نشاء میری بچی......نشاء ادھر دیکھو، صبا پانی لاؤ اس کے لیے۔‘‘ ثریا مچلتی ہوئی نشاء کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

صبا سے پہلے مریم بھاگ کر پانی لے آئی تو ثریا نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر نشاء کے ہونٹوں سے لگایا پھر کچھ پانی اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے منہ پر ڈالتے ہوئے بولی۔

’’بیٹا ایسے نہیں روتے۔‘‘ نشاء اس کے سینے سے لگ کر سسکنے لگی۔

’’بس کرو نشاء امی پریشان ہو رہی ہیں۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔‘‘ صبا نے زبردستی نشاء کو کھینچ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا تو وہ نفی میں سر ہلا کر ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی۔

’’پھر کیوں رو رہی ہو؟‘‘ صبا نے اس کی کلائیاں تھام کر ہاتھ نیچے کیے تو وہ کنکھیوں سے ثریا کو دیکھنے لگی جس سے صبا سمجھ گئی کہ وہ ثریا کے سامنے کچھ نہیں بتائے گی اس لیے اصرار ترک کر کے اسے اٹھاتے ہوئے بولی۔

’’اچھا جاؤ منہ ہاتھ دھوؤ اور مریم تم اچھی سی چائے بنا لاؤ، بہت اچھی بنانا کیونکہ میرے پاس تمہارے لیے گڈ نیوز ہے۔‘‘

’’سچ ابھی لاتی ہوں۔‘‘ مریم خوش ہو کر بھاگی تھی۔



صبا نے ماحول پر چھائی کشیدگی دور کرنے کی خاطر اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ دی اور کنکھیوں سے مریم کو بھی دیکھ رہی تھی جو بے چینی سے بار بار پہلو بدل رہی تھی آخر اسے مریم پر ترس آ گیا چائے کا آخری سپ لے کر کپ رکھا پھر اس سے مخاطب ہوئی۔

’’ہاں تو مریم تمہارے لیے گڈ نیوز یہ ہے کہ میں نے ریان کے بارے میں سب معلوم کر لیا ہے ماشاء اللہ اچھا لڑکا ہے اور کل میں نے تایا ابو کو بھی اس کے بارے میں بتا دیا ہے۔‘‘

’’ک......کیا بتایا ہے؟‘‘ مریم قدرے پریشان ہوئی تھی۔

’’گھبراؤ مت میں نے تمہارا نام نہیں لیا بلکہ میں نے تایا ابو سے یہ کہا ہے کہ میری نظروں میں تمہارے لیے ایک پرپوزل ہے جو ہر لحاظ سے موزوں ہے اور کیونکہ ابو کو بیٹیوں کے معاملات سے دلچسپی نہیں ہے اس لیے اگر وہ اجازت دیں تو میں اس بات کو آگے بڑھاؤں۔‘‘ اس نے تفصیل بیان کی تو اس بار نشاء نے پوچھا تھا۔

’’تایا ابو نے کیا کہا؟‘‘

’’تایا ابو نے بخوشی یہ ذمہ داری میرے سر ڈال دی ہے اور وہ ابو کو بھی سخت سست کہہ رہے تھے کہ جو صرف پیسہ کمانا جانتے ہیں اور کسی بات سے انہیں غرض ہے نہ ان کی بیوی کو بہرحال ہمیں بھی ان سے غرض نہیں۔‘‘ وہ اس موضوع سے قطع کرتے ہوئے پھر مریم سے کہنے لگی۔

’’اب تم ایسا کرو مریم، ریان سے کہو کسی دن آ کر مجھ سے مل لے تاکہ میں اس کے ساتھ آگے کے معاملات طے کر سکوں کیونکہ اس بے چارے کا بھی تو کوئی نہیں ہے۔‘‘ صبا نے کہا تو مریم چونک کر پوچھنے لگی۔

’’آپ کو کیسے پتا؟‘‘
’’لو میں نے پہلی بات ہی یہی کی تھی کہ میں نے اس کے بارے میں سب معلوم کرلیا ہے اب یہ مت پوچھنا کیسے۔‘‘
’’یہ تو پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کو ریان کیسا لگا؟‘‘ مریم نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا تو وہ سر پیٹ کر بولی۔
’’یہ بھی میں پہلے کہہ چکی ہوں کہ ماشاء اللہ اچھا لڑکا ہے۔‘‘
’’اچھا تو ہے آپ کو کیسا لگا۔‘‘ مریم نے اب شرارت کی۔
’’یہ تو میں ریان سے ملنے کے بعد ہی بتاؤں گی کہ مجھے کیسا لگا اور سن لو اگر مجھے اچھا نہ لگا تو میں اس کا پروپوزل ریجیکٹ کردوں گی۔‘‘
’’ہائے نہیں آپی۔‘‘ مریم ایک دم اس سے لپٹ گئی تو وہ اپنا آپ چھڑاتے ہوئے بولی۔
’’چلو بس زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے جاؤ جا کر امی کا ہاتھ بٹاؤ۔‘‘
’’میں آپ کے لیے خاص ڈش پکاؤں گی۔‘‘ مریم جاتے جاتے اس کے گال پر پیار کرتی گئی تو صبا بے ساختہ ہنسی لیکن پھر نشاء پر نظر پڑتے ہی اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ نشاء کسی گہری سوچ میں گم تھی وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر بہت نرمی سے پکارا۔
’’نشاء۔‘‘ نشاء چونک کر اسے دیکھنے لگی بولی کچھ نہیں۔
’’کس سوچ میں تھی؟‘‘ اس نے پوچھا تو گہری سانس کے ساتھ نشاء نے نفی میں سر ہلا دیا پھر خود ہی پوچھنے لگی۔
’’تایا ابو کیسے ہیں؟‘‘
’’ٹھیک ہی ہیں تمہارے لیے بہت حساس ہو رہے تھے بے چارے رونے لگے کہہ رہے تھے نشاء کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے اور اس کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتے ہوئے تم سے معافی مانگنے کا کہنے لگے یہ بڑی بات ہے نشاء کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔‘‘ صبا ابھی کچھ اور بھی کہتی کہ وہ بول پڑی۔
’’تم نے کیا کہا ان سے؟‘‘
’’میں نے صرف کہا ہی نہیں یقین دلایا انہیں کہ تم ایسا نہیں سوچتیں کسی کو بھی قصوروار نہیں سمجھتیں۔‘‘ صبا نے بتایا تو وہ دل گرفتگی سے بولی۔
’’ہاں صبا کسی کا کوئی قصور نہیں میری اپنی قسمت۔‘‘
’’اچھا تم مجھے مونی کا بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں تم کہ مونی وہاں ہوگا، مطلب کہاں ہوگا؟‘‘ صبا کے ذہن میں اس وقت سے مسلسل یہی بات گردش کر رہی تھی۔
’’پتا نہیں۔‘‘ نشاء الجھ گئی۔ ’’پتا نہیں صبا لیکن مجھے لگتا ہے بلکہ میرا دل کہتا ہے مونی وہاں ہے۔‘‘
’’وہاں کہاں؟‘‘ صبا نے ضبط سے ٹوکا تو وہ مزید الجھی۔
’’پتا نہیں مجھے نہیں پتا کون سی جگہ ہے شہر سے دور کہیں، میں نے کئی بار خواب میں دیکھا ہے میں وہاں بھاگ رہی ہوں ہر بار وہی جگہ وہی منظر یہ سب یونہی تو نہیں ہوگا ناں صبا؟‘‘ اس نے تصدیق کے لیے صبا کو دیکھا لیکن وہ کچھ نہیں بولی تب نشاء منت کرنے لگی۔
’’تم مجھے وہاں لے چلو صبا پلیز، مجھے مونی کے پاس لے چلو۔‘‘
’’ریلیکس......ریلیکس......!‘‘ صبا نے اس کا ہاتھ تھپکا۔ ’’لے چلوں گی تم ذرا اس منظر کو واضح کرو تا کہ سمجھ میں آئے کہ ہمیں کہاں جانا ہے۔‘‘
’’ہاں وہ......‘‘ نشاء نے آنکھیں بند کرلیں پھر اپنے خواب کو سوچتے ہوئے بولنے لگی۔



راحیلہ خاتون اور ان سے زیادہ نگار تلملائی ہوئی تھی وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں تھی کہ صبا نے جاذب کے لیے انکار کیا ہوگا اس کے خیال میں ثریا کو پرانی باتوں کا بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا وہی بات کہ جو جیسا ہوتا ہے دوسرے کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ اس وقت وہ بڑھ چڑھ کر بول رہی تھی۔
’’آپ ٹھیک کہتی تھیں امی پھوپو دیکھنے میں میسنی نظر آتی ہیں اندر سے بہت گھنی ہیں کیسے کہہ رہی تھیں مجھے افسوس ہے صبا کو یہ رشتہ منظور نہیں۔ انہوں نے صبا سے بات ہی نہیں کی اپنی طرف سے جواب دے دیا۔‘‘
’’بس تم اپنی طرف سے نہ ہر بات فرض کرلیا کرو۔‘‘ جاذب نے ناگواری سے ٹوکا تو نگار کو مزید پتنگے لگے۔

''لیجیے یہ ابھی بھی ان کی طرف داری کر رہا ہے۔تم وہاں موجود نہیں تھے نا بھائی ورنہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے پھوپو کی مکاری۔ میں شرطیہ کہہ سکتی ہوں انہوں نے صبا تک بات پہنچائی ہی نہیں۔''

''پہنچائی ہے یا نہیں خود پھوپو نے جواب دے دیا ہے تو بس ختم کرو اس بات کو۔'' جاذب کو اب توہین کا احساس ہو رہا تھا۔

''نہیں بات ایسے ختم نہیں ہوگی۔'' نگار ضد سے بولی۔

''پھر......؟'' جاذب نے اپنے اندر اٹھتے ابال کو بمشکل دبایا۔

''پھر یہ کہ ہم سے غلطی ہوئی جو ہم پھوپو کے پاس پیغام لے کر گئے ہمیں ڈائریکٹ صبا کے پاس جانا چاہیے تھا اور اب ہم وہیں جائیں گے کیوں امی؟'' نگار نے کہہ کر راحیلہ خاتون سے تائید چاہی تو انہوں نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔

''بالکل تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔''

''کوئی ٹھیک نہیں کہہ رہی یہ۔'' جاذب پھٹ پڑا۔''کوئی نہیں جائے گا صبا کے پاس۔وہ کیا چاہتی ہے کیا نہیں اسے چھوڑیں مجھ سے پوچھیں جسے آپ نے صرف تماشا ہی نہیں بنایا ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔صبا دنیا میں آخری لڑکی نہیں ہے جس کے لیے آپ مری جا رہی ہیں......نہیں کرنی مجھے اس سے شادی سنا آپ نے۔''

''بیٹا آرام سے۔'' راحیلہ خاتون بیٹے کا یہ روپ دیکھ کر بوکھلا گئیں۔

''آپ بیٹھیں آرام سے اور اس نگار کو بھی لگام ڈال کر رکھیں بہت من مانی کر لی اس نے اس کی ساس کو بلائیں اور رخصتی کی تاریخ طے کریں یہ اپنے گھر کی ہوگی تب ہی میرا گھر بسے گا ورنہ نہیں۔'' وہ اپنی بات کہہ کر پیر پٹختا ہوا کمرے سے نکل گیا راحیلہ خاتون آنکھیں پھاڑے اسے جاتے دیکھ رہی تھیں۔

''دیکھا دیکھا امی...... کیسے ہتھے سے اکھڑ رہا ہے اصل میں اسے بھی پھوپو پر غصہ ہے۔'' نگار ماں کو اپنے حق میں ہموار کرنے لگی۔

''لیکن یہ پھوپو کے خلاف بول نہیں سکتا۔انہوں نے تعویذ گھول گھول کر جو پلائے ہوئے ہیں اسے۔'' راحیلہ خاتون ایسے ہی پھٹی آنکھوں سے نگار کو دیکھنے لگیں۔

''آپ فکر نہ کریں، میں جاتی ہوں صبا کے پاس، پھر دیکھیے گا وہی اس کے پیچھے بھاگی آئے گی۔''

''تم......!'' راحیلہ خاتون کا اس وقت دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

''ہاں میں ابھی جاؤں گی آپ کسی کو بتایئے گا نہیں۔'' نگار انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر نکل آئی تھی اس نے یہ خیال بھی نہیں کیا کہ تپتی دوپہر میں اسے دیکھ کر صبا کیا سوچے گی وہ تو جب وہاں پہنچی تب احساس ہوا کہ غلط وقت پر آ گئی ہے لنچ ٹائم تھا صبا نے اسے ڈائننگ روم میں ہی بلوا لیا تو وہ مزید خجل ہو کر بولی۔

''سوری میں غلط وقت پر آ گئی۔''

''نہیں تمہارا رزق تمہیں یہاں کھینچ لایا ہے بیٹھو۔'' صبا نے کہتے ہوئے چیئر کی طرف اشارہ کیا تو ناچار بیٹھتے ہوئے اس کی نظر آصف جاہ اور بنٹی پر پڑی دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے وہ فوراً صبا سے مخاطب ہوئی۔

''میں اصل میں صبح سے اپنی دوست کے ہاں تھی ابھی جاتے ہوئے سوچا تم سے ملتی چلوں۔تم تو آتی نہیں ہو۔''

''تمہاری شادی میں آؤں گی۔'' صبا نے سالن کی ڈش اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تو وہ سٹپٹا گئی۔

''میری شادی......؟''

''ہاں......کب ہے؟'' صبا پوچھ کر بنٹی اور آصف جاہ سے مخاطب ہوئی۔''تم لوگ ایسے کیوں بیٹھے ہو کھانا کھاؤ۔''

''تم شروع کرو گی تو ہم بھی کھائیں گے۔'' آصف جاہ نے کہا تو فوراً چاول کا چمچ منہ میں ڈال کر بولی۔

''لو میں نے شروع کر دیا۔'' پھر کھانے کے دوران آصف جاہ نے اچانک نگار سے پوچھا۔

''کب ہے آپ کی شادی؟''

''پتا نہیں۔'' وہ اندر تک سلگ گئی۔

''کیا مطلب کوئی پرابلم ہے۔'' آصف جاہ سنجیدہ ہوا۔

''نہیں، اصل میں امی بھائی کی شادی بھی ساتھ ہی کرنا چاہتی ہیں۔'' نگار نے کنکھیوں سے صبا کو دیکھ کر کہا۔

''یہ تو اچھی بات ہے۔'' آصف جاہ غالباً خاموشی توڑنے کی خاطر بول رہا تھا اور نگار کو موقع مل گیا۔
''دعا کریں بھائی جس لڑکی کو پسند کرتے ہیں وہاں بات بن جائے۔''
''بن جائے گی' بن جائے گی۔'' آصف جاہ ترنگ میں بولا تب صبا کو کہنا پڑا۔
''کیسے بن جائے گی؟ جب لڑکی ہی اسے پسند نہیں کرتی' منع کر چکی ہے اس کے رشتے سے......''
''ہیں......!'' آصف جاہ نے ایک دم نگار کو دیکھا تو وہ جزبز ہونے لگی اور صبا کو یہ بھی اچھا نہیں لگا کیونکہ بہرحال اس کی کزن تھی۔
''جاذب کے لیے لڑکیوں کی کیا کمی' مامی جی سے کہو کہیں اور بات چلائیں۔''
''ہاں' میں بھی یہی کہہ رہی ہوں۔'' نگار کو کہنا پڑا' اس کے ساتھ ہی اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔
پھر کھانے کے بعد صبا نے بہت اسے روکا کہ شام میں چلی جانا وہ خود اسے چھوڑ آئے گی لیکن نگار رکنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ آتے ہوئے اس نے تپتی دھوپ کی پروا نہیں کی تھی اور اب تو اندر باہر سب جل رہا تھا جبکہ دھوپ کی شدت میں کمی آ چکی تھی۔



نشاء نے جب سے سنا تھا کہ تایا ابو اس کے لیے بہت حساس ہو رہے ہیں' وہ ان سے ملنے کو بے چین تھی اور اب تو ثریا کی طرف سے بھی پابندی نہیں تھی وہ آرام سے جا سکتی تھی لیکن صرف تانیہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھی پھر اس دن احسن کا فون آیا۔ انہوں نے بتایا کہ تانیہ اپنی امی کے پاس کچھ دن رہنے گئی ہے تب وہ بھی رہ نہیں سکی اور اس وقت ثریا سے اجازت لے کر جلال احمد کے پاس آ گئی۔
''میری بچی......'' جلال احمد نے کتنی دیر اسے سینے سے لگائے رکھا' آنسو قطرہ قطرہ اس کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے جب اسے گیلے پن کا احساس ہوا تب وہ تڑپ کر ان سے الگ ہوئی۔
''تایا ابو......آپ مجھے مار ڈالیں لیکن خدا کے لیے روئیں نہیں۔''
''میں کہاں رو رہا ہوں بیٹا......اور میں کیوں روؤں گا۔ جس کی تمہارے جیسی بیٹی ہو اسے کوئی دکھ نہیں ہوتا۔'' جلال احمد نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ دل گرفتگی سے بولی۔
''پھر بھی میری ذات آپ کے لیے دکھ کا باعث تو بنی ناں۔''
''نہیں بیٹا......تمہاری ذات سے صرف خوشی کا احساس ملتا ہے' تم ہمیشہ سے اس گھر کی رونق ہو۔ ابھی دیکھو تمہارے آنے سے کیسی روشنی پھیل گئی ہے' در و دیوار چمکنے لگے ہیں۔''
''یہ آپ کی محبت ہے تایا ابو۔'' وہ ان کے ہاتھ چوم کر کہنے لگی۔ ''بس کچھ دنوں کی بات ہے مونی آ جائے پھر میں یہیں رہوں گی۔''
''تم نے کیا خود سے مونی کے آنے کی شرط باندھ لی ہے۔'' انہوں نے کہا تو وہ قصداً مسکرا کر بولی۔
''یہی سمجھ لیں اور اب آپ جلدی سے بتائیں رات کے کھانے میں کیا کھائیں گے؟''
''کھانے کی فکر مت کرو خانساماں ہے۔''
''لیکن ابھی میں خود آپ کے لیے پکاؤں گی' کہیں آپ میرے ہاتھ کا ٹیسٹ بھول تو نہیں گئے۔'' وہ بہت خوب صورتی سے ان کے دل کا بوجھ کم کر رہی تھی۔
''ارے نہیں بیٹا......تمہارے ہاتھ کا ٹیسٹ کیسے بھول سکتا ہوں' تمہارے کڑوے کریلے تک یاد ہیں۔'' انہوں نے ہنس کر چھیڑا تو وہ بچوں کی طرح بسوری۔
''تایا ابو......''
''اچھا ابھی تو تم مجھے کچھ ٹھنڈا پلا دو اور خود بھی پیو۔'' جلال احمد نے اس کا دل رکھنے کی خاطر فرمائش کی۔
''ابھی لائی۔'' وہ فوراً اٹھ کر کچن میں آ گئی۔
خانساماں کونے میں اسٹول پر بیٹھا ائرفون کانوں میں لگائے جھوم رہا تھا' اسے دیکھ کر بوکھلا کر کھڑا ہوا تو وہ ہاتھ سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے فریج چیک کرنے لگی۔ موسم کے سارے پھل موجود تھے' اسے پتا تھا جلال احمد مینگو شیک شوق سے پیتے ہیں۔ وہ وہی بنا کر لے آئی اور شیک پینے تک ان کے ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اتنے دن بند رہنے کی وجہ سے کمرے میں عجیب سی بساند نے ڈیرہ جما لیا تھا۔ اس نے پردے سمیٹ کر ساری کھڑکیاں کھول دیں اور فل اسپیڈ پر پنکھا آن کر کے متلاشی نظروں سے

چاروں اور دیکھنے لگی پھر اس کی نظریں اس ٹیبل پر ٹھہر گئیں جس پر محسن کی دوائیں رکھی تھیں۔ وہ کسی خواب کے عالم میں چلتے ہوئے ٹیبل کے قریب آئی اور ایک ایک میڈیسن اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''تم ناحق مجھے دوائیں پلاتی رہی اگر اول روز اعتراف کر لیتیں تو میں جی اٹھتا۔'' اس کی سماعتوں میں سرگوشی ابھری تھی۔

''مونی......'' ہونٹوں کی بے آواز جنبش کے ساتھ ہی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا اور چھلکنے کو تھا کہ عقب سے احسن کی آواز پر وہ جلدی سے پلکوں تک آیا پانی انگلیوں کی پوروں پر سمیٹنے لگی۔

''تم رو رہی ہو۔'' احسن قریب آ گئے۔

''نہیں بس یونہی۔'' وہ غیر محسوس طریقے سے ان سے دور ہٹ گئی۔

''تم ابھی تک ہر کام بس یونہی کرتی ہو۔'' وہ گئے دنوں کی بات یاد دلا کر کہنے لگی۔ ''وقت بدل گیا ہے' ہم بدل گئے' رشتے بھی بدل گئے پھر تم کیوں نہیں بدلیں۔''

''میرے دل کی دنیا جو بدل گئی۔'' اس نے دھیرے سے جتایا۔

''ہوں......'' احسن نظریں چرا کر دوسری سمت دیکھنے لگے' لمحے چپ چاپ سرکتے چلے گئے شاید ان کا ذہن ماضی میں بھٹکنے لگا تھا۔

''کتنی خاموشی ہے۔'' وہ گھبرا کر بول اٹھی۔ ''حالانکہ پہلے بھی ہم زیادہ افراد تو نہیں تھے پھر بھی گھر بھرا بھرا لگتا تھا۔''

''اس لیے کہ ہم سب آپس میں جڑے ہوئے تھے' اب جانے کیسے ہمارے بیچ اجنبیت کی دیواریں کھڑی ہو گئی ہیں۔ ہم اپنے دکھ سکھ سب ایک دوسرے سے چھپانے لگے ہیں۔ کتنے احمق ہیں ہم' ہمیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے دکھ سکھ ابھی بھی سانجھی ہیں۔'' آخر میں ان کے ہونٹوں پر تاسف بھری پھیکی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ کتنی دیر وہ اس کے بولنے کا انتظار کرتے رہے پھر اچانک اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''تمہیں یاد ہے تم اپنی ہر چھوٹی بڑی بات یہاں تک کہ خواب اور خیال بھی مجھ سے شیئر کیا کرتی تھی؟'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نشاء کی آنکھوں میں گئے دنوں کا عکس جھلملانے لگا تھا۔

''پھر اب کیا ہوا' بے شک وقت بدل گیا۔ رشتے بدل گئے لیکن وہ ایک رشتہ جس میں ہم ازل سے جڑے ہیں وہ تو نہیں بدلنے والا' تم کل بھی میری عم زاد تھیں آج بھی میری عم زاد ہو۔''

''میں نے کب اس سے انکار کیا ہے۔'' وہ چونک کر بولی۔

''اپنے عمل سے تو نفی کر رہی ہو۔'' انہوں نے زور دے کر کہا۔

''نہیں احسن بھائی!''

''اگر نہیں تو مجھے بتاؤ تم کیا سوچتی ہو کیوں اپنا گھر چھوڑ کر میکے جا بیٹھی ہو۔ کیا تم سمجھتی ہو ہم نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ ہم تمہارا خیال نہیں کر رہے' تمہارا دکھ محسوس نہیں کر رہے۔ یہ صرف تمہارا دکھ نہیں ہے نشاء! مونی تمہارا شوہر ہے اور میرا بھائی ہے۔ وہ بھائی جس کے لیے میں سب کچھ قربان کر سکتا ہوں' جانتی ہو ناں۔'' ان کے اندر جانے کب سے غبار بھرا تھا۔

''جانتی ہوں' سب جانتی ہوں احسن بھائی......لیکن آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''کیا غلط سمجھ رہا ہوں؟''

''میں اس لیے میکے نہیں جا بیٹھی کہ یہاں کسی کو میرا خیال نہیں بلکہ یہاں مجھے مونی نہیں رہنے دیتا۔ کبھی نیند سے اٹھاتا ہے' کبھی کھڑکی سے جھانکتا ہے' کبھی الماری میں چھپ جاتا ہے۔ ہر پل ہر آہٹ پر اسی کا گمان مجھے پاگل کر رہا تھا' میں مرجاتی۔'' وہ ٹوٹ کر بولی تھی۔

''میں مرنے سے نہیں ڈرتی' مرجاؤں گی کسی دن لیکن ابھی نہیں۔ میں ابھی نہیں مرنا چاہتی' مونی کو دیکھے بنا میں نہیں مرنا چاہتی۔ میں ایک بار بس ایک بار اسے دیکھ لوں۔''

''نشاء......'' اس کی آنکھوں سے ایک تواتر سے بہتے آنسوؤں میں چند قطرے احسن کی آنکھوں سے ٹپک کر گویا اس کی محبت کو خراج پیش کر رہے تھے۔

''تم مونی کو دیکھو گی ضرور دیکھو گی اور صرف دیکھو گی نہیں اس کے سنگ زندگی کی ہر خوشی سمیٹو گی۔'' انہوں نے اس کے بہتے آنسوؤں کے نیچے اپنے ہاتھوں کا پیالہ بناتے ہوئے کہا تھا۔ دور کہیں وقت کا پنچھی مسکرا رہا تھا۔



صبا نے ریان کو زیادہ انتظار نہیں کروایا' جیسے ہی ملازمہ نے ریان کے آنے کا بتایا وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کا کہہ کر چند لمحوں بعد ہی خود بھی ڈرائنگ روم میں آئی تو ریان ابھی بیٹھا بھی نہیں تھا۔

''السلام علیکم!'' صبا نے سلام میں پہل کی تو وہ چونک کر بولا۔

''جی وعلیکم السلام!''

''بیٹھو......'' صبا نے اسے بیٹھنے کا کہہ کر ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا پھر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔ ''مجھے مریم نے تمہارے بارے میں بتایا ہے۔''

''جی...... میں تو بہت پہلے آپ کے پاس آنا چاہتا تھا لیکن مریم نے بتایا تھا اس کی فیملی میں کچھ سانحے ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے وہ میرا آنا مناسب نہیں سمجھ رہی تھی۔'' ریان بہت سلجھے انداز میں بات کررہا تھا لیکن صبا کو یہ سب نوٹس کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ اس کے بارے میں ساری معلومات پہلے ہی حاصل کرچکی تھی۔

''تو تم مریم کے لیے سنجیدہ ہو؟''

''سنجیدہ نہ ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا۔'' اس کے جواب پر وہ محظوظ ہوکر بولی۔

''یہ تو ہے۔''

''میں کوئی بڑے دعوے نہیں کروں گا میڈم!'' ریان نے بھی اتنا کہا تھا کہ اس نے ٹوک دیا۔

''اوں ہوں' میڈم نہیں آپی۔ مریم مجھے صبا آپی کہتی ہے۔''

''تھینک یو آپی!'' ریان کو گویا قبولیت کا اشارہ مل گیا تھا۔ ''میرا خیال ہے مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اب۔''

''کیا لوگے' چائے' کافی یا سوفٹ ڈرنک۔'' صبا نے قصداً اس کی بات نظر انداز کرکے پوچھا تو وہ بلاتکلف بولا۔

''سوفٹ ڈرنک۔'' صبا خود جاکر ملازمہ سے سوفٹ ڈرنک کے ساتھ دیگر لوازمات کا کہہ کر واپس آکر بیٹھی تو کہنے لگی۔

''ایسا ہے ریان کہ میں ان دنوں ایک کام میں مصروف ہوں' تم اور مریم مل کر اپنی شاپنگ کرلو پھر میں اپنے کام سے فارغ ہوکر تمہاری شادی طے کرسکوں گی۔''

''جیسے آپ مناسب سمجھیں۔'' اس نے کہا تب ہی ملازمہ پوری ٹرالی سجا کرلے آئی لیکن ریان نے جانے تکلف کیا یا واقعی اسے کسی کام سے جانا تھا کہ صرف سوفٹ ڈرنک پر اکتفا کرکے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں پھر ان شاء اللہ فرصت سے آؤں گا آپی...... جب تک آپ بھی اپنے کام سے فارغ ہوجائیں گی' ویسے کتنے دن لگیں گے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتی' دعا کرو میرا کام ہوجائے۔'' صبا کو محسن کی تلاش میں نشاء کے ساتھ جانا تھا اسی حساب سے کہہ رہی تھی۔

''ان شاء اللہ جلد ہوجائے گا۔''

''او کے' اپنا خیال رکھنا۔'' وہ اسے چھوڑنے گیٹ تک آئی پھر واپس اندر جارہی تھی کہ برآمدے کی سیڑھیوں پر آصف جاہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

''صرف بہنوں کی فکر' اپنے بارے میں بھی سوچو۔''

''کیا سوچوں؟'' قدرے بے نیازی سے پوچھا۔

''اب یہ بھی میں بتاؤں' سوری مجھے گھسی پٹی باتیں دہرانے کا کوئی شوق نہیں کہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ آگے لمبی زندگی پڑی ہے' تنہا نہیں کٹے گی وغیرہ وغیرہ۔'' آصف جاہ نے کہا تو وہ ہنس کر بولی۔

''کچھ بھی نہ کہا اور کہہ بھی گئے۔''

''سمجھ لیا تو اب بتا بھی دو' کیا سوچا ہے تم نے' میرا مطلب ہے اپنے بارے میں۔'' آصف جاہ نے سنجیدہ ہوکر پوچھا تو وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''ابھی تک تو کچھ نہیں۔''

''کیوں......؟'' جارحانہ انداز میں پوچھا۔

''تم جو سوچ رہے ہو۔'' بلاارادہ اس کے ہونٹوں سے پھسلا اور آصف جاہ نے اسی پر گرفت کرلی۔

''اس کا مطلب ہے تم اپنے بارے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے سونپ رہی ہو۔''
''یہ میں نے کب کہا۔'' وہ سٹپٹائی۔
''نہ کہو لیکن اس خیال سے مطمئن تو ہو کہ تمہارے بارے میں میں سوچ رہا ہوں۔'' آصف جاہ اس فیصلے کی گھڑی کو کھونا نہیں چاہتا تھا' ڈٹ گیا۔
''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' وہ کہہ کر جانے لگی لیکن آصف جاہ پھر سامنے آ گیا۔
''کچھ ہونے میں کتنا وقت لگے گا' پانچ' دس' بیس سال چاہے سو سال میں تمہیں یہیں کھڑا ملوں گا۔''
''تم......''
''ہاں میں' دل سے اپنانا چاہتا ہوں تمہیں۔'' آصف جاہ نے فوراً کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔
''بنٹی بھی یہی چاہتا ہے کہ ہم شادی کر لیں۔'' آصف جاہ نے بتایا تو وہ اچھل پڑی۔
''کیا......؟''
''ہاں' جس کے خیال سے تم کترا رہی ہو جب وہی راضی ہے تو تمہیں بھی منع نہیں کرنا چاہیے۔''
''میں نے کب منع کیا ہے۔'' وہ پھر بے سوچے بول گئی۔
''ہُرا......'' آصف جاہ نے خوشی سے بھرپور نعرہ لگایا تب اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط کہہ گئی ہے۔
''تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔''
''بس مزید کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے اب' میں بنٹی کو خوش خبری سنا دوں کہ خاتون مان گئی ہیں۔'' آصف جاہ نے کہہ کر بنٹی کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی تھی۔
''اُف......'' وہ دانت پیسنا چاہتی تھی لیکن اچانک دل نے عجب انداز میں دھڑک کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔



ریان اور مریم دونوں بہت خوش تھے ایک دوسرے کی پسند سے شاپنگ کرتے پھر رہے تھے۔ مریم ریان کے لیے جس شرٹ' ٹی شرٹ' جینز اور سوٹ پر ہاتھ رکھتی ایان وہی لے لیتا۔ اسی طرح مریم اپنی ہر شے ریان کی پسند سے لے رہی تھی' دوپہر سے شام ہو گئی' شاپنگ تو مکمل نہیں ہوئی لیکن مریم تھک گئی تھی۔
''بس ریان باقی بعد میں' اب میں مزید نہیں چل سکتی۔'' مریم نے کہا تو ریان نے رک کر اسے دیکھا اس کا چہرہ بھی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔
''چلو تم یہاں بیٹھو' میں پہلے سامان گاڑی میں رکھ آؤں۔'' ریان نے اسے فوڈ کارنر پر بٹھایا اور اس کے اپنے سارے شاپرز لے کر چلا گیا اسے یونہی خالی بیٹھنا عجیب سا لگا' اٹھ کر سینڈوچز کے ساتھ کولڈ ڈرنک لے آئی اور ریان کے آنے پر پلیٹ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہنے لگی۔
''مجھے یہ سینڈوچ بہت پسند ہیں تمہیں پتا نہیں کیسے لگیں۔''
''میری پسند تم سے مختلف نہیں ہے۔'' ریان نے کہتے ہوئے سینڈوچ اٹھا لیا۔
''ہاں ریان! اب تم اپنا وعدہ پورا کرو۔'' مریم نے اچانک یاد آنے پر کہا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
''وعدہ......''
''ہاں اب مجھے بتا ہی دو کہ تم نے مجھے کب کہاں دیکھا تھا اور میرا نمبر کہاں سے لیا تھا۔ دیکھو ٹالنا مت' تم نے وعدہ کیا تھا۔ شادی سے پہلے تم مجھے سب بتا دو گے۔'' مریم نے اسے یاد دلایا تو وہ مسکرا کر بولا۔
''کیا کرو گی یہ سب جان کر۔''
''ریان پلیز میں اکثر سوچ کر حیران ہوتی ہوں کہ تم کہاں سے آ گئے۔''
''نہ آتا......؟'' وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔
''نہ آتے تو میں مر جاتی۔'' وہ اپنی تنہائی کا سوچ کر افسردہ ہوئی۔
''ارے......'' وہ اس کی افسردگی سے بے چین ہوا۔ ''اس لیے تو میں آیا میں تمہیں مرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔'' وہ اپنی آنکھوں میں آئی

نمی پلکیں جھپک کر اپنے اندر اتارنے لگی تو ریان کو وہ اول روز جیسی لگی تب وہ اسی وقت میں کھو کر کہنے لگا۔
''ایسا ہے مریم کہ میں نے تمہیں پہلے بار لبنیٰ آنٹی کے ساتھ کلب میں دیکھا تھا شاید تم زبردستی لائی گئی تھیں' اتنی خوب صورت گیدرنگ میں الگ تھلگ افسردہ سی بیٹھی پہلی نظر میں مجھے اٹریکٹ کر گئی تھی۔ اس کے بعد تم مجھے کلب میں نظر نہیں آئی اور میں تمہیں ڈھونڈتا پھرا' پھر ایک روز میں نے سنا لبنیٰ آنٹی اپنی کسی دوست سے تمہارا ذکر کر رہی تھیں۔ وہ تمہاری طرف سے متوحش تھیں کہ تم کسی سے بات نہیں کرتیں' کمرے میں بند رہتی ہو پھر وہ تمہیں سائیکی قرار دے رہی تھیں۔ تب میں نے ٹھان لی کہ میں تمہیں اس بند کمرے سے نکال لاؤں گا اور دیکھو نکال لایا۔'' آخر میں اس نے اپنے کارنامے کو خود ہی سراہنے کا پوز مارا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔
''بس یا اور کچھ......'' ریان نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر کہا تو وہ چونک گئی۔
''بس اور اب چلو بہت دیر ہوگئی۔'' وہ کہنے کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''دیر تو نہیں ہوئی لیکن تم تھک گئی ہو' خیر چلو۔'' ریان اس کے خیال سے اٹھ گیا۔
وہ لدی پھندی گھر آئی تو ثریا اور نشاء مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل لے کر لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی۔ جب ثریا اور نشاء نماز سے فارغ ہو کر آئیں تو وہ انہیں اپنی شاپنگ دکھانے لگی۔
''ماشاء اللہ......اللہ سب پہننا اوڑھنا نصیب کرے' آمین۔'' ثریا نے صدق دل سے سراہ کر دعا دی پھر کہنے لگی۔
''بیٹا تمہارے ابو کا فون آیا تھا' تمہارا پوچھ رہے تھے۔''
''آپ نے کیا کہا آنٹی!'' مریم پریشان ہوگئی۔
''میں نے کہا میری بیٹی میرے پاس بہت خوش ہے اور اپنی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی ہے۔'' ثریا نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھو کر بتایا تو وہ اس سے لپٹ گئی۔
''میں سچ مچ آپ کی بیٹی ہوں آنٹی!''
''آنٹی......!'' ثریا نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیا۔ ''جب میری بیٹی ہو تو آنٹی کیوں' امی کہو۔''
''امی......امی......امی......'' وہ کہنے کے ساتھ ثریا کے گالوں پر پیار کرتی جا رہی تھی اور نشاء کھلتی مسکراہٹ کے ساتھ نظروں سے اس کی بلائیں لے رہی تھی۔



رات کا آخری پہر تھا' فجر سے کچھ پہلے جب وہ پھر اسی منظر میں بھٹک رہی تھی اور اب کہیں دور سے کوئی آواز بھی آتی محسوس ہو رہی تھی اس نے پورا دھیان لگا کر سننے کی کوشش کی تو ہوا کے دوش پر سفر کرتا کوئی کوئی لفظ اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگا۔

عشق تے آتش دوویں برابر
آتش نوں پانی بجھا دے
تے دسو عشق دا دارو کیڑا

پھر عجیب سی دھمک کے ساتھ گھنگھروں کی جھنکار سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل کسی اتھاہ میں ڈوب رہا تھا سینے پر ہاتھ رکھ کر اس نے خود کو سہارا دیا پھر ایک دم اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ چاروں طرف سے آتی فجر کی اذان نے سماں سا باندھ دیا تھا۔ اس نے گلاس وال سے لگ کر پوری اذان سنی پھر وضو کر کے جائے نماز بچھائی تو نیت باندھنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی تھی۔ نماز کے بعد وہ بھی کتنی دیر سجدے میں گری روتی رہی۔
''الٰہی مجھے میرے مونی سے ملا دے۔''

محبت بھی تو نے کیا چیز بنائی ہے یارب
لوگ تیرے در پہ آ کر روتے ہیں کسی اور کے لیے

''نشاء......'' ثریا نے پکارنے کے ساتھ اسے دونوں کندھوں سے تھاما تب اس نے سجدے سے سر اٹھایا تھا۔
''نشاء......'' اس کا چہرہ دیکھتے ہی ثریا کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔ ''میری جان رو رو کر کیا حالت بنالی ہے تم نے۔''
''امی......میں مونی کے پاس جاؤں گی۔'' وہ ثریا کے سینے میں منہ چھپا کر پھر رو پڑی۔

''بیٹا......اس کا پتا تو چلے۔''

''مجھے پتا ہے' مجھے پتا ہے امی...... وہ کہاں ہے' آپ صبا کو بلائیں......'' وہ مچلی۔ ''صبا کو بلائیں امی...... میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔''

''اچھا' تم پہلے اپنے آپ کو تو سنبھالو۔'' ثریا اسے پچکار کر بولی۔ ''جاؤ منہ ہاتھ دھوؤ میں تمہارے لیے ناشتا بناتی ہوں۔''

''نہیں...... آپ صبا کو بلائیں بس۔'' وہ کسی طرح سنبھل نہیں رہی تھی۔

''اسے بھی بلاتی ہوں بلکہ منہ دھو کر تم خود اسے فون کرو' جاؤ شاباش۔'' ثریا نے اسے فون کرنے کو کہا تب وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور کمرے میں آ کر پہلے صبا کو فون کیا تو اُدھر اس نے نیند میں کال ریسیو کی تھی۔

''کون......؟''

''تم ابھی تک سو رہی ہو صبا...... پلیز اٹھ جاؤ۔'' اس نے زچ انداز میں منت کی تو صبا جیسے ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''نشاء......! خیریت تو ہے؟''

''اگر میری خیریت چاہتی ہو تو فوراً آ جاؤ اور مجھے مونی کے پاس لے چلو ورنہ میں اکیلی چلی جاؤں گی۔'' اس نے کہا تو صبا غالباً ٹائم دیکھ کر بولی۔

''اتنی صبح......''

''ہاں بس ابھی۔'' اس نے دھونس سے کہہ کر سیل آف کر دیا پھر الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔

''مونی کو...... مونی کو...... ہاں یہ کلر پسند ہے۔'' وہ آسمانی رنگ کا سوٹ لے کر واش روم میں بند ہو گئی اور تقریباً دس منٹ میں شاور لے کر نکلی تو ثریا نے پکارا۔

''جی امی......'' وہ گیلے بال جھٹکتے ہوئے چلی آئی۔

''بیٹا ناشتا......'' ثریا ناشتے کے لوازمات ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی۔

''امی میں بنا لیتی ہوں۔'' وہ شرمندہ ہوئی۔

''روز تو بناتی ہو آج میں نے بنا لیا۔'' ثریا نے کہتے ہوئے اسے دیکھا تو نظریں اسی پر ٹھہر گئیں حسن جہاں سوز کی مکمل تصویر لگ رہی تھی وہ۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں امی؟'' وہ قدرے کنفیوژ ہوئی۔

''اللہ تمہارا سہاگ سلامت رکھے' آمین۔'' ثریا نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چوم کر دعا دی تو وہ بڑی آس سے پوچھنے لگی۔

''مجھے مونی مل جائے گا نا امی......؟''

''ان شاء اللہ ضرور ملے گا' چلو اب جلدی سے ناشتا کر لو۔ صبا آ گئی تو تمہارا ناشتا رہ جائے گا۔''

''آپ بھی بیٹھیں نا۔''

''ہاں ہاں۔'' ثریا بیٹھی تو پوچھنے لگی۔ ''ویسے تمہیں جانا کہاں ہے؟''

''ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتی امی! بس آپ دعا کریں۔'' وہ کہہ کر ناشتے میں مصروف ہو گئی لیکن اس کا دھیان صبا کی طرف تھا اور صبا اس کے بار بار فون کرنے کے باوجود دس بجے آئی تو وہ اس سے سخت نالاں تھی۔

''اصل میں......'' صبا صفائی پیش کرنے لگی کہ اس نے ٹوک دیا۔

''بس مجھے کچھ نہیں سننا' اب چلو خدا کے لیے۔''

''اچھا امی...... ہم آتے ہیں۔'' صبا نے ثریا سے کہا ساتھ ہی آنکھوں سے کچھ اشارہ کیا پھر اس کے پیچھے لپکی جو دروازے کی طرف بڑھ چکی تھی۔

''تم نے پھر خواب دیکھا ہے' اپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے صبا نے اس سے پوچھا لیکن اس نے جواب نہیں دیا۔

''بہرحال میں نے آصف جاہ کو ساری سچوئشن بتا دی ہے' وہ ہمیں لے جائے گا۔'' صبا نے خود ہی کہا تو وہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''دیکھو' شہر سے باہر ہم اکیلی لڑکیاں نہیں جاسکتیں' کسی مرد کا ہونا ضروری ہے۔'' صبا کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی' اس لیے کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا پھر آصف جاہ کو سلام کر کے پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تو فوراً ہی اس کا ذہن اگلی منزلوں میں سفر کرنے لگا جب ہی اس نے دھیان ہی نہیں دیا کہ صبا فرنٹ سیٹ پر بیٹھی آصف جاہ کے ساتھ کیا باتیں کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خواب کا منظر اور سماعتوں میں خواب میں سنی گئی آواز کی بازگشت تھی۔

تقریباً گھنٹے بھر بعد جب گاڑی ہائی وے پر دوڑ رہی تھی تب اس نے پل بھر کو آنکھیں بند کیں پھر شیشے سے باہر دیکھنے لگی جس اسپیڈ سے گاڑی بھاگ رہی تھی اسی رفتار سے اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ جانے کتنا وقت بیت گیا کتنی منزلیں طے ہوگئیں' سورج اپنی تمازت کھو رہا تھا جب اچانک وہ پوری قوت سے چیخی تھی۔

''رکو......'' گاڑی کے بریک یوں چرچرائے کہ اس کی آواز دور تک سنی گئی اور اس سے پہلے کہ صبا سنبھلتی وہ اتر کر ایک سمت بھاگ پڑی۔

''مائی گاڈ......آصف جلدی کرو۔'' صبا آصف کو گاڑی لاک کرنے کا کہتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی پھر اسے بازو سے کھینچ کر چیخی۔

''نشاء......پاگل ہوگئی ہو کیا؟''

''وہ......وہ آواز......سن رہی ہو یہ......یہی آواز تھی۔'' اس نے پھولی سانسوں میں رک رک کر کہا تو صبا نے پہلے آواز پر غور کیا پھر اسی سمت دیکھا تو کوئی مزار تھا' اتنے میں آصف جاہ قریب آ گیا تو نشاء اسے دیکھ کر مزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''وہاں......مجھے وہاں جانا ہے۔''

''ریلیکس ریلیکس......وہیں چلتے ہیں' میں گاڑی لے آؤں۔'' آصف جاہ نے نرمی سے کہہ کر صبا کو دیکھا تو اس نے بھی گاڑی لانے کا اشارہ کیا لیکن نشاء صبر نہیں کرسکی' صبا کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر پھر بھاگتی چلی گئی۔

''یااللہ......'' صبا پریشان ہو کر کبھی اس کے پیچھے دیکھتی' کبھی آصف جاہ کو جو تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا پھر جب وہ گاڑی لے کر آیا نشاء نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

''جلدی چلو آصف! وہ لڑکی پاگل ہو رہی ہے۔'' صبا نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا تو آصف جاہ نے فوراً گاڑی آگے بڑھا دی پھر مزار کے قریب گاڑی روک کر وہ دونوں اتر کر چند قدم چلے تو آگے لوگوں کا جم غفیر تھا۔

''نشاء......'' صبا مزید پریشان ہوگئی' اتنے ہجوم میں وہ نشاء کو کیسے تلاش کرے گی۔ چیخ کر پکارنا فضول تھا کیونکہ عابدہ پروین کی آواز کا جادو چل رہا تھا۔

''چھیتی آ ویں وے طبیبہ نئی تے میں مرگئی آں
ترے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا''

''آصف......'' اس نے بے چارگی سے آصف جاہ کو دیکھا تو اس نے ہاتھ اور آنکھوں سے حوصلے کا اشارہ کیا پھر اسے لے کر لوگوں کے ہجوم میں آگے بڑھنے لگا۔ صبا کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا' اسے لگ رہا تھا اس کا دم گھٹ جائے گا۔ دھکے کھاتے ہوئے وہ دونوں بمشکل ہجوم سے نکلے تو صبا نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

''صبا......تم ٹھیک ہو؟'' آصف جاہ نے اس کے کان کے قریب منہ کر کے پوچھا تو آنکھوں سے ہاتھ ہٹاتے ہی وہ سراسیمہ ہوگئی۔ کوئی اور ہی دنیا تھی' عابدہ پروین کی گائیکی پر کچھ ملنگ وجد میں رقص کر رہے تھے۔ لمبے چولے' کندھوں سے نیچے جھولتی بال بے ترتیب داڑھیاں' وہ مست تھے۔

اس عشق دے جنگی وچ مور بولیندا
مانوں قبلے تے کعبے سوہنا یار دیندا
مانوں گھائل کر کے فیر خبر نہ لیندا
چھیتی آ ویں وے' چھیتی بوہڑیں وے

''نشاء......'' آصف جاہ نے آہستہ سے اس کا کندھا ہلا کر ایک طرف اشارہ کیا تو اس نے فوراً ادھر دیکھا' نشاء کچی زمین پر آلتی پالتی مارے ساکت بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں رقص کرتے ملنگوں پر جمی تھیں' دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں جوڑے انگلیوں کو آہستہ آہستہ حرکت

دے رہی تھی۔ صبا نے آصف جاہ کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو بلاؤ اسے جواب میں آصف جاہ نے منع کیا تو وہ پھر نشاء کو دیکھنے لگی جو یوں لگتا تھا جیسے ابھی اٹھ کر ملنگوں میں شامل ہو جائے گی' عجیب کیفیت تھی عابدہ پروین کی آواز نے سماں باندھ رکھا تھا۔

ترے عشق نے ڈیرہ میرے دل وچ کیتا
بھر کے زہر پیالہ میں تے آپے پیتا
ہو مرشد کامل ہون میں یار لگی
چھیتی آویں وے' چھیتی بوؤیں وے

ملنگ وجد میں آ چکے تھے اور ان میں ایک دائیں بائیں دونوں بازو پھیلائے مسلسل گول گھوم رہا تھا۔ پھر غالباً اسے چکر آیا تھا وہ گرنے لگا تھا کہ نشاء پوری قوت سے چیخی تھی۔

''مونی......'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کر بھاگی اور گرتے ہوئے کو تھام کر اس کے ساتھ ڈھے گئی۔

''مونی......مونی......'' اس کی پکار میں ایسی تڑپ تھی کہ مونی آسمانوں پر بھی ہوتا تو بھاگا چلا آتا' ابھی تو اس کی بانہوں میں تھا۔

''نشاء......'' بند ہوتی آنکھیں ذرا سی کھلی تھیں۔

''تم نے کہا تھا' محبت مُردوں کو زندہ کر دیتی ہے' کیا میری محبت میں کمی تھی۔'' وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں......'' محسن کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو کر کناروں سے چھلک گئے۔

''پھر کیوں مرنے کی ٹھان لی' میرے ساتھ چلو ورنہ میں یہیں جان دے دوں گی۔'' محسن فوراً اس کا ہاتھ تھام کر اٹھنے لگا کیونکہ جان گیا تھا کہ صرف جان دینے کی بات نہیں ہے وہ سچ مچ جان دے دے گی۔

پھر ایک عالم نے دیکھا دونوں ایک دوسرے کو سہارا دے کر چل رہے تھے' ان کے پیچھے آتے ہوئے صبا نے آصف جاہ کا ہاتھ تھاما تو اس نے فوراً گرفت مضبوط کر لی' فضا میں عابدہ پروین کی آواز پھر سے گونجی۔

بلھے شاہ نوں سدو شاہ عنایت دے بوئے
جس نے میکوں پوائے چولے ساوے تے سوئے
جا میں ماری اے اڈی مل پیا اے جیا
ترے عشق نچایا' ترے عشق نچایا

نشاء اور محسن ایک دوسرے کے سہارے چل رہے تھے پھر گاڑی کے قریب پہنچ کر یوں اس کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوئے جیسے طویل مسافت کے بعد کوئی سہارا میسر آیا ہو۔ کتنی دیر دونوں اپنی سانسیں ہموار کرنے میں لگے رہے پھر نشاء اس کی طرف دیکھے بغیر جیسے اپنے آپ سے بولی۔

''کیا جرم تھا میرا۔''

''آزمائشیں بنا کسی جرم کے آتی ہے کیا؟'' محسن نے کہا تو وہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ بے ترتیب داڑھی نے اس کے چہرے کے نقوش چھپا دیئے تھے' صرف آنکھیں واضح اور نمایاں تھیں۔

''ہاں نشاء...... مجھے تمہاری آزمائش مطلوب تھی کہ تم میرا انتظار کرتی ہو یا......''

''یہ انتظار میری جان بھی تو لے سکتا تھا۔'' وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بول پڑی۔

''جان تو ہماری......ساتھ ہی جائے گی۔'' وہ اس کی پلکوں کے کنارے ٹھہرا آنسو اپنی انگلی کی پور پر لیتے ہوئے بولا تو نشاء نے اس کی انگلی تھام لی۔

''تم بہت بُرے ہو' صرف مجھے ہی نہیں سب کو رلایا ہے۔''

''میں کیا کم رویا ہوں۔''

''بس اب اور نہیں۔'' وہ فوراً بولی۔

''ایک بار آخری بار......کیا تمہارا دل نہیں چاہ رہا رونے کو۔'' اس نے پوچھا کہ دونوں کی آنکھیں ایک ساتھ یوں برسیں کہ برسات کو مات دے دی۔ تب ہی صبا اور آصف جاہ ان کے قریب آکر رکتے ہی ٹھٹک گئے' صبا نے آصف جاہ کو دیکھا پھر ان سے بولی۔

''یہ کیا پاگل پن ہے؟''

''ڈونٹ وری، ہم اپنے سارے آنسو اسی صحرا میں چھوڑ جانا چاہتے ہیں۔'' محسن نے کہا پھر نشاء کو آنکھ مار کر ہنسا تو نشاء بھی ہنسنے لگی۔ بھیگے چہروں پر ہنسی برسات میں جلترنگ کا سماں باندھ رہی تھی۔ صبا محظوظ ہو کر مسکرائی پھر آصف جاہ کو دیکھا وہ بھی اس خوب صورت ملن پر مسکرا رہا تھا۔

(ختم شد)